سفر حجاز

تصنیف

حضرت مولانا عبد الماجد دریابادی

تلبیہ

لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ ط

اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَۃَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ ط

سفرِ حجاز

حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی

سفرِ حجاز

تصنیف

مفسرِ قرآن حضرت مولانا عبدالماجد، دریابادیؒ

ترتیب

حکیم عبدالقوی دریابادی

باہتمام

منظور علی لکھنوی

ناشر

ادارہ انشائے ماجدی کلکتہ ۳۰

جملہ حقوق محفوظ ہیں

بار چہارم

۱۴۰۰ھ ۱۹۸۰ء

تعداد ——— ۱۱۰۰

کتابت ——— عبدالمجید صدیقی سنہاردی، کلکتہ

طباعت ——— تاج پرنٹرز ۶۹ نجف گڑھ روڈ، انڈسٹریل ایریا، نئی دہلی ۱۱۰۰۱۵

صفحات ——— ۴۷۶

قیمت ——— چالیس روپے

باہتمام علیم اللہ صدیقی، کلکتہ ۱۶
تاج پرنٹرز دہلی ۱۵ سے شائع ہوا۔

فہرست مضامین

باب	عنوان	صفحہ	باب	عنوان	صفحہ
	چوتھا اڈیشن حکیم عبدالقوی دریابادی	۴	۱۹	احرام پوشی	۲۲۸
	دیباچہ علامہ سید سلیمان ندویؒ	۶	۲۰	جدّہ — راہ مکہ	۲۴۰
	الوداع	۱۲	۲۱	سوادِ مکہ	۲۵۲
	واپسی	۲۰	۲۲	حرم شریف	۲۶۳
۱	روانگی — بمبئی	۲۵	۲۳	حریم قدس	۲۷۳
۲	بمبئی — جہاز	۳۵	۲۴	کعبۂ مقصود	۲۸۶
۳	جہاز	۴۷	۲۵	دیارِ خلیلؑ	۲۹۸
۴	جہاز — سمندر	۵۷	۲۶	عمرہ	۳۱۱
۵	سمندر — کامران	۶۷	۲۷	آغازِ حج	۳۲۲
۶	کامران — احرام	۷۸	۲۸	منیٰ قبل حج	۳۳۳
۷	جدّہ	۸۸	۲۹	عرفات (۱)	۳۳۴
۸	جدّہ — راہِ مدینہ	۹۹	۳۰	عرفات (۲)	۳۵۶
۹	مدینہ	۱۱۰	۳۱	مزدلفہ	۳۶۷
۱۰	آستانۂ نبوتؐ	۱۲۱	۳۲	منیٰ بعد حج (۱)	۳۸۱
۱۱	گنبدِ خضراء	۱۳۲	۳۳	منیٰ بعد حج (۲)	۳۹۲
۱۲	زیارت اور آدابِ زیارت	۱۴۴	۳۴	منیٰ بعد حج (۳)	۴۰۳
۱۳	"روضۂ جنت"	۱۵۷	۳۵	مکہ	۴۱۴
۱۴	مسجدِ نبویؐ	۱۶۸	۳۶	حج رب البیت	۴۲۴
۱۵	انوارِ مدینہ	۱۷۸	۳۷	رخصتی	۴۳۳
۱۶	آثارِ مدینہ	۱۸۹	۳۸	جملۂ معترضہ	۴۴۳
۱۷	دیارِ حبیبؐ	۲۰۲	۳۹	جدہ — جہاز	۴۵۳
۱۸	چل چلاؤ	۲۱۴	۴۰	جہاز — بمبئی — وطن —	۴۶۳

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ

چوتھا اڈیشن

سفر حجاز (مصنف مولانا عبدالماجد دریابادی مرحوم) کا شمار ان کی مقبول ترین اور موثر ترین کتابوں میں کیا جاتا ہے۔ یہ سفرنامہ اولاً ان کے سفر حجاز (۱۹۲۹ء) کے بعد ان کے ہفتہ وار سچ (لکھنؤ) میں قسط وار شائع ہوا اور بڑی دلچسپی سے پڑھا جاتا رہا۔ پھر اس کے تین اڈیشن مولانا کی زندگی میں شائع ہو کر ختم ہو گئے۔ یہ کتاب ادھر کئی سال سے نایاب تھی اب اس کا یہ چوتھا اڈیشن الحاج منظور علی صاحب لکھنوی (ادارۂ انشائے ماجدی کلکتہ کے روح رواں) کے زیر اہتمام آفسٹ پر شائع ہو رہا ہے۔

پچھلے اڈیشن میں مصنف کے قلم سے نکلے ہوئے جو ضمیمے حکومت حجاز اور خدمت حجاج اور عام ہدایات کے عنوان سے تھے۔ اتنی مدت گزر جانے پر اب غیر ضروری ہو گئے تھے اس طرح اس کے وہ تکملے بھی جو الحاج احمد غریب مرحوم اور مولانا محمد اویس ندوی مرحوم کے قلم سے اس کے دوسرے اور تیسرے اڈیشنوں کے آخر میں ملحق تھے اور سفر حج کے سلسلہ کی ہدایات و معلومات پر مشتمل تھے اس اڈیشن سے حذف کر دیے گئے ہیں کیونکہ ان کے مندرجات اب بالکل پرانے اور غیر ضروری

ہو چکے تھے۔ صرف مولانا اویس ندوی مرحوم کے تکملہ کی چند سطریں اس کتاب سفر حجاز کے متعلق ہیں درج کی جاتی ہیں۔

"اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے فضل و کرم سے ۱۹۴۶ء میں حج بیت اللہ اور حاضری مدینہ طیبہ کا شرف عنایت فرمایا۔ کسی ادنیٰ مبالغہ کے بغیر عرض کرتا ہوں کہ مجموعی حیثیت سے "حج و زیارت کے اس مکمل ہدایت نامہ" سے مجھ کو جو فائدہ ہوا وہ کسی دوسری کتاب سے نہیں ہوا"

اُمید ہے کہ یہ نیا اڈیشن بھی ہر پچھلے اڈیشن سے طباعت و کتابت اور کاغذ کے ظاہری محاسن کے لحاظ سے اعلیٰ ہے، حسن قبول حاصل کرے گا۔

اس سفرنامہ میں جن حضرات کے نام آئے ہیں ان میں سے اب گنتی کے صرف چند ہی زندہ رہ گئے ہیں، بقیہ اس کے مصنف کی طرح راہی جنت ہو چکے ہیں۔

اللھم اغفر لھم وارحمھم

حکیم عبد القوی دریابادی

اڈیٹر صدق جدید لکھنؤ

۲۲ر اگست ۱۹۸۰ء

نمبر اندراج 16427 تاریخ 1982
نمبر کتاب 85 سف اردو

دیباچہ

از۔ حضرت مولانا الحاج سید سلیمان صاحب ندوی ناظم دار المصنفین

اس عہد سے جب سے خدا نے اس "وادی غیر ذی زرع" کے ویرانہ کو اپنی بستی فرمایا اور عالم کے بتکدہ میں اپنا یہ سب سے پہلا گھر بنایا اور اپنے سب سے پہلے عاشق ابراہیمؑ کی زبانی آئندہ تمام عشاق کے نام یہ پیام بھیجا کہ سال میں ایک دفعہ یہاں کی گلیاں اور پہاڑیاں ان کے ہجوم و اژدہام کا روز بازار بنے۔ خدا جانے حسنِ ازل کے کتنے شیدائی یہاں آئے اور چلے گئے اور محبوب نادیدہ کے کتنے طلب گار اس کو ڈھونڈنے آئے اور واپس پھرے۔ ہر ایک کو یہاں جو کچھ نظر آیا اس نے چاہا کہ وہ دوسروں کو بھی دکھائے اور جو اس پر گزری ہے وہ دوسروں کو بھی سنائے۔ طور کا جلوہ دنیا نے ایک ہی مرتبہ دیکھا ہے تاہم اسکی داستان حسن و عشق ابتک دہرائی جارہی ہے اور ہمیشہ دہرائی جائے گی۔ مگر یہاں تو یہ جلوہ ہر سال نظر آتا ہے پھر اگر اس کی داستان ہر ملک، ہر زبان اور ہر طریقۂ ادا میں سال بہ سال دہرائی جاتی رہے تو تعجب انگیز کیا ہے؟

مسلمانوں نے دنیا کے ہر علم و فن کو حاصل کیا ہے مگر جس کو حاصل کیا اپنے دین و ملت ہی کی راہ سے حاصل کیا، ان کا نقطۂ نظر ہر علم و فن کی خدمت میں کتاب الٰہی ہی کی خدمت اور اسی کے حکم کی تعمیل رہی مسلمانوں نے جغرافیہ

کے فن کو بے حد وسعت دی، دنیا کے گوشہ گوشہ میں جہاں تک اسلام کی روشنی پہنچی وہ اس کے پرتو ہیں آگے بڑھتے گئے، مگر ان کی یہ تمام کوششیں اور سرگرمیاں "قل سیروا فی الارض" کے تحت میں تھیں، اور اس کے بعد جو جذبۂ شوق ان کو بے تاب رکھتا تھا اور دیوانہ وار ان کو اپنے گھروں سے بے قرار نکال لیتا تھا اور سفر کی تمام مشکلات کو ان کی نگاہوں کے سامنے ہیچ بلکہ اس راہ کی تمام تکلیفوں کو راحت بنا دیتا تھا وہ ندائے عام تھی جو حضرت ابراہیمؑ کی زبانی سُنائی گئی تھی۔

جب سے یہ ندا دی گئی ہر زمانہ میں لاکھوں شیدائیوں کی زبانوں نے اس پر لبیک کہا اور جب موسم آیا لبیک اَللّٰھُمَّ لبیک کہتے ہوئے اپنے گھروں سے اپنے اہل وعیال، اپنے آرام و آسائش کو چھوڑ کر مسافرانہ اٹھ کھڑے ہوئے اور صحرا و بیابان، دشت و جبل، دریا و سمندر کو طے کر کے بادیۂ حجاز پہنچے اور اور اس بے آب وگیاہ صحرا کی زیارت سے اپنی روح کی پیاس بجھائی۔

مسلمانوں میں جو بھی بڑا سے بڑا سیاح گزرا ہے اس کے دل کی اصلی منزل اور سفر کا کعبۂ مقصود یہی سرزمین تھی وطن سے حج و زیارت کے لیے نکلے، راستہ کے عجائب وغرائب، ملکوں کے دلکش مناظر اور قوموں کے عجیب وغریب احوال مشاہدہ کرتے ہوئے اس خطۂ پاک میں پہونچے۔ فرائض سے فرصت پائی تو آگے کا راستہ لیا اور پھر موقع ملا تو اسی مرکز پر لوٹ کر آگئے اور پھر کسی دوسری سمت کو نکل گئے۔ ابن حوقل بغدادی، اصطخری فارسی، حکیم ناصر خسرو، ابن جبیر اندلسی

ابن بطوطہ مغربی، اور بیسوں سیاح اسی قسم کے ہیں جنھوں نے اپنے سفر کا آغاز اسی نیت سے کیا اور پھر جب سیر سیاحت کی چاٹ لگ گئی تو دنیا کے گوشہ گوشہ کو چل پھر کر دیکھ لیا اور اپنے مشاہدات کو سفر نامہ کی صورت میں قلمبند کر دیا۔

تمام دنیائے اسلام میں ہر سال ہزاروں حاجی کرۂ زمین کے مختلف دائروں سے بخط مستقیم یہاں آتے ہیں اور جاتے ہیں۔ ان میں سے بیسوں صاحب قلم ہر سال اپنے اپنے مشاہدات کو ہر زبان میں حوالۂ قرطاس کرتے ہیں اس سے اندازہ ہوگا کہ مشاہدات انھی کا کتنا بڑا ذخیرہ ہر سال دنیا میں اضافہ ہوتا رہتا ہے

ہندوستان کے کم و بیش بیس ہزار حاجی ہر سال مکہ معظمہ جاتے ہیں ان میں ہر سال کچھ ایسے صاحبِ ذوق ضرور ہوتے ہیں جو اپنے سفر کے واقعات اور اپنے دل کے جذبات کو کاغذ کے منظر عام پر لاتے اور دوسروں کو سناتے اور دکھاتے ہیں اور ان سے اہلِ ضرورت حسب ضرورت فائدہ اٹھاتے ہیں۔

ہندوستان میں شائد شیخ عبدالحق محدث دہلوی پہلے بزرگ ہیں جنھوں نے ۹۹۸ھ میں اپنے سفر کی یادگار میں " جذب القلوب الیٰ دیار المحبوب " کا تحفہ اہلِ وطن کے سامنے پیش کیا اور جو کچھ وہاں دیکھا تھا وہ یہاں آکر دوسروں کو دکھایا۔ اس کے بعد شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ۱۱۴۳ھ میں "فیوض الحرمین" وغیرہ رسائل میں اپنے روحانی مناظر و مشاہدات کی کاغذ کے صفحوں پر تصویر کھینچی، لیکن سفر نامہ کی حیثیت سے شاہ صاحب کے ایک ذی رتبہ شاگرد مولانا رفیع الدین مرادآبادی قابل ذکر ہیں جنھوں نے ۱۲۰۲ھ میں حرمین کا سفر کیا اور

"احوال الحرمین" کتاب لکھی۔

اس نئے عہد میں ہر سال حاجیوں میں سے کوئی نہ کوئی بزرگ واپس آکر اپنا سفرنامہ عموماً ترتیب دیتے ہیں اور ان میں مختلف پہلوؤں سے ہر صاحب مذاق اپنی پسند اور دل بستگی کی باتیں لکھتے ہیں۔ خصوصیت کے ساتھ قاضی سلیمان صاحب پٹیالوی مرحوم کا سفرنامہ "سبیل الرشاد" اور برنی صاحب کا سفرنامہ "صراط الحمید" ذکر کے قابل ہیں۔

ہمارے صاحب دل اور درد آشنا دوست مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی کی زندگی میں مدّت سے بتدریج جو انقلاب ہو رہا تھا میرے خیال میں اس کی تکمیل ۱۳۴۸ھ میں ہوئی، جب وہ سفر کے لیے روانہ ہوئے اور جو احوال و مشاہدات انھوں نے کتابوں میں پڑھے تھے ان کا سفرِ حج میں جاکر برای العین مشاہدہ کیا اور وہاں جو عینی مشاہدات قلبی کیفیات اور روحانی تاثرات ان پر وارد ہوئے انہوں نے اپنے اخبار "سچ" کے صفحات میں مضامین کی صورت میں منعکس کیا، موجودہ مجموعہ انھیں مسلسل مضامین کا یکجا ذخیرہ ہے۔

اس سے پہلے جو سفرنامے لکھے گئے تھے یا وہ صرف عالمِ جذبات کی باتیں تھیں یا محض ایک سیّاح و وقائع نگار کے روزنامچے تھے، یا فقیہانہ مسائل اور حج و مناسک کے ہدایت نامے تھے۔ یا عازمین کے سفرِ حج کے لیے گائڈ بکیں تھیں اس سفرنامہ کی خصوصیت ان سب متفرق حیثیتوں کی دلکش جامعیت ہے، سفرنامہ کے مختلف ابواب اور مباحث میں اس کا مصنّف کہیں مؤرخ ہے، کہیں فقیہ،

کہیں محدّث، کہیں صوفی، کہیں شاعر، کہیں سیاسی، غرض اس کتاب میں وہ سب کچھ ہے جس کی حاجی کو اپنے سفر کے اُتار چڑھاؤ کی مختلف حالتوں اور کیفیتوں میں ضرورت پیش آتی ہے۔ سفر کے واقعات، حج و مناسک کے مسائل، مختلف مقامات کی دعائیں، سفر کے ضروری ہدایات، حجاز کے ملکی حالات، آمد و رفت اور سفر کے وسائل، سواری، پانی، کرایہ، مکانات، مطوفین، راستے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے شہری حالات، امکنہ مقدسہ اور وہاں کے ضروری آداب یہ تمام معلومات اس میں یکجا ہیں۔

لیکن اس سفرنامہ کی اصلی حقیقت اور حقیقی عزت میری نگاہ میں دو باتوں سے ہے، ایک اس کی انشاء پردازی کہ مصنّف کے قلم نے اس میں انتہائی سادگی کا کمالِ حسن دکھایا ہے۔ سہل الفاظ، سادہ ترکیبیں اور پھر شاعرانہ تخیل، اس لئے انشاء کی حیثیت سے اس کی اہمیت بہت کافی ہے دوسری چیز وہ تأثرات اور وجدانیات ہیں جو اس کتاب کے فقرہ فقرہ سے نمایاں ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صاحب دل مصنّف نے کاغذ کی سطح پر اپنے دل کے ٹکڑے پھیلا دیئے ہیں۔ میں سفرِ حجاز کی یہ بھی برکت سمجھتا ہوں کہ ان کے قلم نے ان کے دل کی ایسی ترجمانی کی ہے اور روح نے جسم کا ایسا قالب اختیار کیا ہے کہ باطن ظاہر، محجوب منکشف، اور نادیدہ دیدنی ہو گیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ فاضل مصنّف کی تصنیفات میں اُن کے قلم کی یہ سرسری تحریریں سب سے زیادہ دیرپا، سب سے زیادہ سودمند اور سب سے زیادہ مقبول

ہوں گی۔ مسئلہ حجاز میں موصوف کے سیاسی مسلک سے ہر چند ہم کو پورا اتفاق نہ ہو، تاہم اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ انھوں نے یہ صفحات لکھ کر ہماری زبان اَدب، تاریخ، جغرافیہ فقہ اور تصوف سب پر احسان کیا ہے، اور ظاہر و باطن لفظ و معنی اور روح و جسم کے مختلف مناظر و مظاہر کا ایک ایسا دلکش نظارہ گاہ تیار کیا ہے کہ ہر خیال و ذوق کا آدمی اپنے اپنے خیال و ذوق کے مطابق اس سے بہرہ ور ہو سکتا ہے۔

ہمارے فاضل، فلسفی اور لائق انشا پرداز دوست کا مذہبی رنگ روز بروز پختہ ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ کہیں کہیں صوفیانہ رواداری اور صلح کل کی وسیع شاہ راہ سے نکل کر فقیہانہ تشدد کے تنگ کوچہ میں کھڑے نظر آتے ہیں کیا عجیب بات ہے کہ ایک پرانی تعلیم گاہ کا مولوی دوست نئی تعلیم گاہ کے گریجویٹ دوست کی حد سے زیادہ مولویت کی شکایت کر رہا ہے۔ و تلك الایام نداولها بین الناس۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلعم کے صدقے میں ان صفحات کے لکھنے والے کو اجر جزیل اور پڑھنے والوں کو بیش از بیش توفیقِ نیک عطا فرمائے۔

سید سلیمان ندوی

۴ر شوال ۱۳۴۹ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الوداع[1]

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰہِ (البقرة۔ع۔۸) اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمَاتٌ (البقرہ ع۹)

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَّهُدًى لِّلْعَالَمِيْنَ فِيْهِ اٰيَاتٌ

بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ اِبْرَاهِيْمَ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ

اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِيْنَ (آل عمران رکوع ۱۱)

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ نَرَى الْجِهَادَ اَفْضَلَ الْعَمَلِ اَفَلَا

نُجَاهِدُ قَالَ لَا لٰكِنَّ اَفْضَلَ الْجِهَادِ حَجٌّ مَّبْرُوْرٌ (بخاری) عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلعم تَابِعُوْا بَيْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ فَاِنَّهُمَا يَنْفِيَانِ الْفَقْرَ وَالذُّنُوْبَ

كَمَا يَنْفِي الْكِيْرُ خَبَثَ الْحَدِيْدِ وَالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَلَيْسَ لِلْحَجَّةِ الْمَبْرُوْرَةِ

ثَوَابٌ اِلَّا الْجَنَّةَ (ترمذی) عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلعم مَنْ

لَمْ تَمْنَعْهُ مِنَ الْحَجِّ حَاجَةٌ ظَاهِرَةٌ اَوْ سُلْطَانٌ جَائِرٌ اَوْ مَرَضٌ حَابِسٌ

---

[1] منقول از سچ مورخہ ۸ مارچ ۱۹۲۹ء (مطابق ۲۵ رمضان المبارک ۱۳۴۷ھ) صدق سے قبل جو ہفتہ وار مصنف کی ایڈیٹری میں نکلتا تھا۔ اور کوئی نو سال تک نکلتا رہا تھا اس کا نام سچ تھا۔

نمات ولم یحج فلیمت ان شاء یھودیا وان شاء نصرانیا (جمع الفوائد)

لبیک اللھم لبیک لبیک لا شریک لک لبیک ان الحمد والنعمۃ لک والملک لا شریک لک ٥

یہ الوداع ہے ماہ رمضان کی سالانہ "الوداع" نہیں۔ ناظرین سچ سے ان کے خادم مدیر سچ کی الوداع ہے۔

حج بیت اللہ چند شرائط کے جمع ہو جانے پر ہر مسلمان پر اسی طرح فرض عین ہے جس طرح ہر روز پانچ وقت کی نماز، یہاں نماز ہی کا فریضہ کب خوش دلی اور اپنے شرائط کے ساتھ ادا ہو پاتا ہے جس میں نہ کچھ خرچ ہے اور نہ کوئی خاص محنت، جو فریضۂ حج کے نہ ادا کرنے کا رونا رویا جائے! عمر کی گھڑیاں خاموشی اور تیزی کے ساتھ گزرتی رہیں۔ دن ہفتوں میں، ہفتے مہینوں میں، مہینے برسوں میں تبدیل ہوتے رہے اور اس فریضہ کی ادائی کا خیال تک نہ آیا۔ کلام مجید کی آیات میں اور رسولِ برحق کی احادیث میں خدا معلوم کتنی بار ادائے حج کی فرضیت اور تاکید نظر سے گزری، اور عدم ادائے حج کی وعیدیں بار بار پڑھیں۔ پر قلب کی غفلتوں اور نفس کی شرارتوں اور ہوش و خرد کی ہرزہ کاریوں نے ہمیشہ مشورہ یہی دیا کہ یہ اوامر و احکام دوسروں ہی کے لیے ہیں، اپنے کو ان سے کیا تعلق، اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ عمر کی کتنی بیش بہا فرصتیں اور زندگی کی کتنی جا کر نہ آنے والی مہلتیں، اسی غفلت، اسی بے حسی اور اسی قساوت قلب کی نذر ہو گئیں!

ہندوستان کے طول وعرض میں بے شمار سفر، بضرورت اور بلاضرورت کر ڈالے لیکن جو ایک ہی جگہ سفر کرنے اور حاضری دینے کی تھی وہاں سر کے بل چلنا کجا، پیروں کے بل بھی جانا نصیب میں نہ آیا! بنگلوں اور کوٹھیوں، حویلیوں اور ڈیوڑھیوں کے گرد چکر لگانے میں ایک عمر گزر گئی، پر وہ آستانِ پاک جو اس قابل تھا کہ اس کے گرد طواف کرنے میں ساری عمر تمام کر دی جاتی اور اس پر پروانہ وار اپنی جان نثار کر دی جاتی، گردشِ تقدیر نے محروم رکھا تو اُسی کی جبیں سائی سے! ملک کے گوشہ گوشہ کی سیر کر ڈالی، پر نہ توفیق ہوئی تو ایک اُس سرزمین کی زیارت سے مشرف ہونے کی، جس کی سربلندی پر آسمان کو بھی رشک ہے، جہاں کھڑے ہو کر اللہ کے خلیل (علیہ الصلوٰۃ والسّلام) نے اپنے رب کی توحید کی منادی کی تھی، اور جس کی ریگ کے ذرّوں پر اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم ممکن ہے کہ آج تک ثبت رہ گئے ہوں!

محرومیوں کی حکایت دراز، اور کوتہیوں کا سلسلہ طویل، لیکن رحمتِ باری بے حساب اور فضلِ خداوندی بیکراں، بڑے بڑے مجرم اپنی سیہ کاریوں کی پوٹ کی پوٹ لے کر آئے اور بحرِ کرم کے ایک قطرہ نے سارے دفتروں کی سیاہیاں دم بھر میں سفیدی سے بدل دیں، روتے کانپتے آئے اور ہنستے کھلکھلاتے واپس گئے، اقلیم سخن کے تاجدار خسروِ نامدار نے اسی مضمون کو یوں ادا کیا ہے ؎

قطرۂ ز آب رحمت تو بس است   شستنِ نامۂ سیاہ ہمہ!

اور ایک قصباتی کج مج زبان نے اپنی بولی میں یوں عرض کیا ہے ؎

سمجھے تھے سیہ کاری اپنی ہے فزوں حد سے

دیکھا تو کرم تیرا اس سے بھی سوا پایا!

بالآخر، جس کی رحمت ابرِ کرم بن کر سوکھی کھیتوں کو آن کی آن میں سرسبز شاداب کر دیتی ہے، اس کی مشیت اس کی متقاضی ہوئی کہ ایک محرومِ عمل، مُردہ قلب کو اپنے حرمِ محترم کی حاضری و طواف اور اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی آرام گاہ کی زیارت سے مشرف فرما دے، چنانچہ ارادہ ہوا، منصوبے بندھے اور زبان پہلی بار لبیک اللھم لبیک لبیک لاشریک لک لبیک کے تلفظ پر کھلی! ملکوتیوں کی سجدہ گاہ، اور ایک سراپا عصیاں کی جبیں! ایاز قدر خود شناس عقل اس خوش قسمتی پر دنگ، خرد اس بوالعجبی پر حیران! ؎

ہے آرزو کہ ابروِ پرخم کو دیکھئے

اس حوصلہ کو دیکھئے اور ہم کو دیکھئے

لیکن ربوبیت کے عجائب کاروبار ہیں۔ اپنا نام رب العالمین ارشاد فرمایا ہے، رب الصالحین نہیں فرمایا۔ مرتبۂ فلاح پر صرف اتقیاء و صالحین، ابرار و اخیار ہی نہیں پہونچائے جاتے۔ ربوبیت کا تعلق اشرار و فجار سے بھی ہے۔ دستگیری صرف نیکوں ہی کی نہیں، بدوں اور بد تر سے بد تر بدوں کی بھی ہوتی رہتی ہے۔ ہوائے بہار جب چلتی ہے تو چمن کے خوشبودار پھولوں اور چراگاہ کی گھاس کی پتیوں دونوں کو مہکا دیتی ہے! ؎

اے بدر ماندگی پناہ ہمہ   کرم تست عذر خواہِ ہمہ

غرض نیت قائم ہو چکی ہے۔ حج کے مہینے تین ہیں، شوال، ذیقعدہ عشرہ اوّل ذی الحجہ، اَلْحَجُّ اَشْھُرٌ مَّعْلُوْمَاتٌ، جس تاریخ کو ماہ مبارک رمضان ختم ہوتا ہے۔ ٹھیک اسی تاریخ سے موسم حج کی ابتدا ہو جاتی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ یکم شوال کو گھر سے نکلنا ہوگا اور ۳ ر شوال کو ۱۰ بجے شب کے اکسپریس سے لکھنؤ کے لیے روانگی اور ۵ ر شوال کو بمبئی پہونچ کر مغل کمپنی کے پہلے جہاز سے عزم سفر۔ پہلے زیارت دیار حبیبؐ و حاضری روضۂ انور، جتنے دنوں تک بھی قسمت یاوری کرے پھر آغاز ذی الحجہ میں فریضۂ حج کے لئے مکۂ معظمہ۔ بعد ادائے فریضہ قصد مراجعت اور اگر زندگی باقی ہے تو انشاء اللہ اوّل عشرۂ محرم میں واپسی وطن۔ یہ سارے ارادے اپنے ہیں اور بندوں کو اپنے ارادوں کے نفاذ پر جیسی قدرت ہے اُس کا حال معلوم! ہوگا وہی جو کچھ بندہ کا چاہا نہیں بلکہ بندوں کے پروردگار مالک کا چاہا ہوگا۔ کیا ایک مشت خاک اور کیا اس کے ارادے! ارادہ کا حق تو اسی کو ہے جس کے ہاتھ میں موت و زندگی، عافیت و سلامتی کی کنجیاں ہیں۔ مولا کی شان کریمی دیکھئے کہ مولانا مناظر احسن صاحب گیلانیؒ[1] جیسے صاحبِ ذوق و صاحب علم بزرگ اور بعض اور عزیزوں اور مخلصوں کی معیت کی سعادت اور

---

[1] شیخ الحدیث جامعہ عثمانیہ دکن اور سچ کے مقالہ نگار خصوصی۔ ساکن موضع گیلانی صوبہ بہار۔

رفاقت کی دولت بھی نصیب میں آرہی ہے۔ انشاءاللہ العزیز۔

سچ اس مدت میں کیونکر جاری رہ سکے گا؟ افسوس ہے کہ اس کی کوئی قابلِ اطمینان صورت نہ نکل سکی۔ مجبوراً یہ فیصلہ کرنا پڑا کہ اس کی اشاعت بارہ تیرہ ہفتوں کے لیے بند رہے وسط جون تک اس خادم کی واپسی کی توقع ہے۔ ایک آدھ ہفتہ کے آرام کے بعد شروع جولائی سے پھر اسی خدمت کا اجرا ہو سکتا ہے۔ البتہ وسط مارچ سے آخر مارچ تک کے پرچوں کے مضامین فراہم کیے جاتا ہوں، میری عدم موجودگی میں مولوی ظفر الملک صاحب[1] ان پرچوں کو شائع فرمائیں گے۔ اس حساب سے ناظرین کو صرف تین مہینے کے لیے زحمتِ انتظار برداشت کرنی ہوگی۔ سچ سے محبت وحسنِ ظن رکھنے والے بھائیوں کے لیے یہ مدت بھی بہت ہے اور خوب جانتا ہوں کہ انھیں اس قدر انتظار بھی نہایت شاق گزرے گا۔ لیکن سچ پوچھیے تو التوا کی مدت کون ایسی بڑی مدت ہے اور سچ کا نکلتے رہنا ہی کیوں اتنا اہم اور ضروری فرض کرلیا گیا ہے جو اس کے سہ ماہی التوا پر اس قدر رنج وغم کیا جائے! آخر

غالبؔ خستہ کے بغیر کون سے کام بند ہیں!

دورانِ سفر میں کچھ لکھنے کی نوبت ہی کیوں آنے لگی، اور اگر کچھ آئی بھی تو اس کی اشاعت کے اوّلین حقدار روزنامہ ہمدرد (دہلی) کے صفحات ہیں[2]۔

---

[1] (علوی کاکوروی)، مہتمم سچ۔ [2] مولانا محمد علیؒ اس وقت علیل و نزار بہ غرض علاج سفر یورپ

آداب سفرِ حج سے ہے کہ اس سفر کو سفرِ آخرت کا نمونہ سمجھے۔ احرام کی چادروں کو کفن کی چادروں کا نمونہ تصوّر کرے۔ اور چلتے وقت اپنے تمام ملنے والوں اور اپنے سے تمام تعلق رکھنے والوں سے اپنی خطاؤں کی معافی طلب کرے۔ ناظرین سچ تک فرداً فرداً پہونچنا ممکن نہیں، ان کے حقوق کی ادائی میں مدیر سچ کی جانب سے خدا معلوم کتنی غفلتیں اور کتنی کوتاہیاں ابتک ہوئی ہوں گی اور خدا معلوم کتنوں کی دل آزاریاں ان اوراق کے ذریعہ سے ہوچکی ہوں گی سب کی خدمت میں بمنت و لجاجت گزارش ہے کہ اپنے اس خادم کی بڑی اور چھوٹی، دانستہ اور نادانستہ ساری خطاؤں کو اللہ کے واسطے صدق دل سے معاف فرمائیں۔ وہ جو حاکموں کا حاکم ہے، ان کی خطاؤں کو بھی معاف فرمائے گا اس دربار کے سچے سفر کی بشارتیں اور وعدے اس باب میں تصریحاً موجود ہیں۔

التماس عفو کے بعد دوسری گزارش سچ کی برادری سے یہ ہے کہ اس خادم کو دعائے خیر سے محروم نہ رکھا جائے اور زاہد و فاسق سب کی سننے والے کی بارگاہ میں بار بار عرض کیا جائے کہ اس گنہگار کو حج مبرور اور زیارت مقبول نصیب ہو۔ حکم ملا ہے کہ توشۂ سفر کا سامان رکھو اور پھر خود ہی ارشاد ہوا ہے کہ بہترین توشہ سفر تقویٰ ہے۔ (وتزودوا فان خیر الزاد التقویٰ) یہاں تقوی کیسا تقویٰ کا سایہ بھی نہیں پڑنے پایا، سہارا جو کچھ ہے وہ کسی رؤف و رحیم کی رحمتِ بے حساب

پر گئے ہوئے تھے، اور ان کے مشہور روزنامہ ہمدرد (دہلی) کی نگرانی خاکسار کے سپرد تھی۔

اور کرم بے انداز کا ہے، اور اس کے بعد اگر کسی توشہ کی طلب و ہوس ہے تو وہ اہل دل کی دعائیں ہیں۔ زہے نصیب اس کے جس کے نصیب میں یہ توشہ آجائے!

شانِ کریمی کے حوصلے دیکھنا، کیسے نامۂ سیاہ کو نوازا جا رہا ہے۔ کس ننگ خلائق کو سرفراز کیا جا رہا ہے، شاعر نے صدیوں پیشتر اپنے تخیل کی رو میں کہا تھا۔ ؎

بطوافِ کعبہ رفتم بہ حرم رہم نہ دادند
تو بروںِ درچہ کردی کہ درونِ خانہ آئی!

وہاں تو شاعری تھی۔ یہ اپنی طرف دیکھ کر دل دھڑک رہا ہے اور ہمت جواب دے رہی ہے کہ کہیں اپنے حق میں یہ شاعری ماجرائے حقیقت نہ بن جائے! مولیٰ ہر بیکس کی لاج تیرے ہاتھ میں ہے! ہر مفلس کا آسرا تیرا ہی دست کرم ہے! بلایا ہے تو اپنے در سے محروم نہ واپس کرنا، اپنے اس غضب سے پناہ میں رکھنا کہ اس آستان پاک تک پہونچ کر انوار صاحبِ خانہ کی نوازش سے یکسر محرومی رہے، نہ ہو کہ مکان پر حاضری کے بعد بھی لامکان والے مکین کی تجلیات قبول پذیرائی حجاب ہی میں رہیں! بیت کے ساتھ رب البیت کے انوار جمال کی بھی جھلک اپنے ظرف وبساط کے لائق نصیب ہو! مُردوں کو جلانے والے مالک! مایوسوں کو خوشخبری دینے والے مولیٰ! بیکسوں کی دستگیری کرنے والے آقا! دلوں کے زخم پر مرہم رکھنے والے پروردگار! تجھ سے بھاگا ہوا تیرا نافرمان غلام، تیرے

اور تیرے حبیب صلعم کے آستان پاک پر سر رکھنے کو حاضر ہو رہا ہے، دعاؤں کا قبول کرنا تیرے ہی ہاتھ ہے اور دعاؤں کی توفیق دینا بھی تیرے ہی ہاتھ میں!

اے خدائے پاک بے انباز دیار ۔۔۔ دست گیر و جرم مارا در گذار

یاد دہ مارا سخنہائے رقیق ۔۔۔ کہ ترا رحم آورد آں اے رفیق

ہم دعا از تو اجابت ہم ز تو ۔۔۔ ایمنی از تو، مہابت ہم ز تو

گر خطا گفتیم اصلاحش تو کن ۔۔۔ مصلحی تو از تو اصلاح سخن

سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ

وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ

واپسی

وہ جو گھر سے خالی ہاتھ گیا تھا خالی ہاتھ گھر واپس آگیا۔ آج سے چار ماہ قبل سینے میں خدا معلوم کتنی امیدوں اور ارمانوں کا ہجوم تھا، دل کن کن توقعات سے زندہ تھا۔ اور دماغ اپنے آغوش میں کیا کیا تمنائیں اور آرزوئیں لیے ہوئے تھا، واپسی پر دیکھا تو اپنی تیرہ بختی سب پر غالب اور اپنی زبوں طالعی سب سے بھاری۔ کریم کا دست کرم کوتاہ نہیں اور بخشنے والے کی جود و عطا کی حد و نہایت نہیں لیکن لینے والے کا ظرف بھی تو آخر کسی درجہ میں دیکھنے کی چیز ہے!۔ موسم گل میں جب ہوائے بہار چلتی ہے تو ڈالی ڈالی جھومنے اور پتی پتی کھلنے

لگتی ہے، لیکن شجر بید میں پھل لگتے اور زمین شور میں سبزہ کو لہلہاتے ہوئے بھی کسی نے دیکھا ہے!

نظارے ایک سے بڑھ کر ایک بے نقاب تھے لیکن دیکھا انھیں نے جو آنکھیں رکھتے تھے۔ بٹ سب کچھ رہا تھا لیکن پایا انھیں نے جو دامن پھیلائے اور جیب کھولے ہوئے تھے۔ دوستوں نے کیا کچھ نہیں دیکھا، رفیقوں نے کیا کچھ نہیں پایا! پر ایک بدنصیب ایسا بھی تھا جس نے دیکھا تو صرف یہ کہ دوسرے دیکھ رہے تھے اور پایا تو صرف یہ کہ دوسرے پا رہے ہیں۔

شاعر نے کسی زمانہ میں بصد حسرت دیاس کہا تھا ؎

ہر کس خمے کشیدہ در مجلس وصالش   چوں دور خسرو آمد جام وسبو نماند

جام وسبو کے دور آج بھی چل رہے تھے، خم کے خم آج بھی لنڈھائے جا رہے تھے ساقی کی محفل آج بھی ویسی ہی گرم تھی، لطف و التفات کے دریا آج بھی بہہ رہے تھے، پر جس کا دستِ طلب خود ہی شل اور زبان سرے سے گنگ ہو، اس کی حسرت انجامیوں اور ناشادکامیوں کا علاج کیا؟ اور کس کے پاس؟ سکندر آب حیوان تک پہونچ کر بھی ناکام واپس آتا ہے، استسقاء کا مریض دریا کے کنارے کھڑے ہو کر بھی پیاسا ہی رہتا ہے۔ خر عیسیٰ مکہ جاتا ہے اور واپسی کے بعد خر ہی باقی رہتا ہے۔ پھر اگر کوئی ظلوم وجہول آستان پاک تک پہونچ کر بھی دولت دیدار سے محروم ہی رہے تو اس میں نظرت کی بخششوں کا کیا قصور؟

اور ساقی کی فیض پاشیوں کا کیا گلہ؟

حسرت پہ اس مسافرِ بیکس کی روئیے
جو تھک گیا ہو بیٹھ کے منزل کے سامنے

جی میں آتا ہے کہ اپنی کوتہ بختیوں کے اس مرثیے کو خوب پھیلائیے اور رو رو کر دوسروں کو بھی رلائیے لیکن قوت ایمانی بڑھ کر سوال کرتی ہے کہ یہ مایوسیاں کس سے اور یہ نا امیدیاں کس کی طرف سے؟ کیا اس سے جس کے ایک مقبول و برگزیدہ بندہ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے انصبابِ ہموم کے وقت یہ تعلیم دی تھی۔

لَا تَايْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ (یوسف ع ۱۰)

اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو کیونکہ اللہ کی رحمت سے تو اور کوئی مایوس نہیں ہوتا بجز کافروں کے۔

اور جس کے ایک دوسرے محبوب و مقبول بندہ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی زبان ایسے ہی ایک دوسرے موقع پر اسباب ظاہری کے انقطاع کے وقت ان الفاظ پر کھلی تھی کہ۔

وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ (حجر ع ۴)

اپنے پروردگار کی رحمت سے اور کون مایوس ہو سکتا ہے بجز گمراہوں کے؟

اور جس رحم مطلق نے اپنے قانون عام کی ان واضح، روشن و غیر مشتبہ الفاظ میں منادی کر دی ہے کہ۔

قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ (زمر - ع ۶)	اے پیغمبر کہہ دو کہ اے میرے بندو جنھوں نے اپنی جانوں پر اسراف کیا ہے، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، اللہ سارے گناہ بخش دیتا ہے اس لیے کہ وہ بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔

بارِ معاصی و ذنوب سے دبا ہوا انسان! کیا تو گناہوں کے بوجھ کا مقابلہ اللہ کے عفو و رحمت سے کرنا چاہتا ہے؟ تیرے گناہ خواہ کتنے ہی ہوں بہرحال گنے جا سکتے ہیں، پر خدائے رحمٰن و رحیم کے کرم بے حساب کی پیمائش ساری دنیا جہاں کے مہندس مل کر بھی کر سکتے ہیں؟ پھر یہ کیسی نادانی ہے کہ محدود کو غیر محدود کے مقابلہ میں لایا جائے؟ کیا وہ جو اپنے بندوں کو محض انھیں کے نوازنے اور سرافراز کرنے کے لئے اپنے در پر حاضری کے لیے بلاتا ہے۔ وہ صرف نیک کرداروں کو چن لے گا اور نالائقوں کو اپنے آستانہ سے دھتکار دے گا؟ اپنے خوانِ کرم سے اٹھا دے گا؟ یہ خیال کرنا بھی کتنی سخت گستاخی اور کیسی صریح نادانی ہے؟ اسی لیے فرمایا ہے اس بشارت دینے والے نے جس سے بڑھ کر کوئی بشیر اب تک پردۂ زمین پر پیدا نہیں ہوا کہ

أَعْظَمُ النَّاسِ ذَنْبًا مَنْ وَقَفَ بِعَرَفَةَ فَظَنَّ أَنَّ اللَّهَ لَمْ	سب سے بڑا گنہگار وہ انسان ہے جو عرفات میں وقوف کرے اور پھر یہ سمجھے کہ اس کی

يَغْفِرُ لَهُ، مغفرت نہیں ہوئی۔

اس پروانۂ مغفرت کے بعد کیا کوئی دیوانہ ہے کہ جو اپنے سفرِ حج کو ضائع سمجھے؟ جو جو نعمتیں اس سہ ماہہ سفر میں نازل ہوئی ہیں، جو جو نوازشیں اس درمیان میں سرفراز کرتی رہیں، کس کی زبان میں طاقت ہے کہ ان کا شکریہ ادا کرسکے! بہرحال جو کچھ پیش آیا وہ اپنی اہلیت سے کہیں بڑھ کر اور اپنے ظرف سے کہیں زائد۔

پرچے کے پڑھنے والے کہہ رہے ہوں گے کہ" اس آپ بیتی سے آخر ہمیں کیا تعلق؟ تم کو کچھ ملا یا نہیں ملا؟ کچھ لے کر آئے یا کچھ کھو کر آئے اس سے کیا؟ یہ کہو کچھ ہمارے لیے بھی لائے ہو؟" جواب میں گذارش ہے کہ ہاں ایک پیام لایا ہوں پرچے کے ہر پڑھنے والے کے لیے، ہر مرد کے لیے، ہر عورت کے لیے، ہر چھوٹے کے لیے، ہر بڑے کے لیے ایک پیام ہے اور وہ ایک ہی پیام ہے جو مسجد حرام سے، خانۂ کعبہ سے، مسجد نبویؐ سے، حجرۂ مطہرہ سے، محراب شریف سے منبر مبارک سے۔ منیٰ کی قربان گاہ سے، عرفات کے میدان سے۔ زمزم کے قطروں سے، خاکِ حرم کے ذرّوں سے، سب کہیں وہی ایک پیام ملا اور وہ پیام کونوا انصار اللہ کا ہے۔ وہ پیام دین کی نصرت کا ہے۔ خداوند تعالیٰ میٹنگ اور کانفرنس نہیں چاہتا۔ اپنے دین کی نصرت چاہتا ہے، محمدؐ رسول اللہ شاعری اور قوالی نہیں چاہتے، اپنے لائے ہوئے دین کی نصرت چاہتے ہیں، ملائکۂ رحمت نصرت دین کے مظاہروں کے اشتیاق میں ہیں خواہ وہ معرکۂ بدر کی صورت میں ہوں یا واقعہ

کربلا کی شکل میں یا خدائے پاک نصرت دین کی توفیق سچ کے لکھنے والوں، سچ کے پڑھنے والوں اور سارے مسلمانوں کو مرحمت فرمائے۔

باب اوّل

روانگی — بمبئی

عید ہر سال آتی ہے۔ اب کی عید ہر سال کی معمولی عید نہ تھی، کسی کے آستانے پر ذوق جبیں سائی دل کو بیتاب کیے ہوئے تھا۔ کسی کے دربار میں حاضری کا دن ایک ایک کر کے گنا جا رہا تھا۔ رمضان ختم ہوا عید آئی، انتظار کی گھڑیاں کٹیں، وعدۂ دیدار پورا ہونے کی ساعت آئی۔ مہجوری کے بعد حضوری، انتظار کے بعد دیدار، پیاس کے بعد سیرابی، جس کارفرمائے فطرت نے ازل سے یہ قانون رکھ دیا ہے۔ اسی نے ماہ مبارک کا خاتمہ موسم حج کے آغاز پر رکھا ہے۔ اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمَاتٌ حج کا مشہور معروف موسم عین اس وقت سے شروع ہوتا ہے جب آخری روزہ اور آخری افطار، آخری تراویح اور آخری سحری سے فراغت ہو چکتی ہے۔ مبارک ہیں ماہ مبارک کی راتوں کی وہ بیداریاں جو کسی کی آرزوئے دید میں بسر ہوں اور مبارک ہیں ماہ مبارک کے بھوک اور پیاس ضعف

لہ منقول از سچ مورخہ ۵ر جولائی ۱۹۲۹ء

اور تڑپ والے وہ دن، جن کا خاتمہ کسی کی گلی کے طواف وسعی پر ہو!

انبساطِ عید دیدن روئے تو　　عید گاہِ ما غریباں کوئے تو

صد ہزاراں عید قربانت کنم　　اے ہلالِ ماخمِ ابروئے تو

سفر سیر و تفریح کے لیے نہ تھا، تحصیل "علوم" و تکمیل "فنون" کے لیے نہ تھا علمی و ادبی، تحقیقات "تاریخی دائری "تفتیش" کے لیے نہ تھا کشمیر و شملہ کا نہ تھا۔ لندن و پیرس، آکسفورڈ و کیمبرج کا نہ تھا ہاں وہاں کے لیے بھی نہ تھا جہاں گرج گرج کر تقریریں کی جاتی ہیں، اور جھگڑ جھگڑ کر ریزولیوشن پاس ہوتے ہیں، سفر جلجلاتی ہوئی ریگ والی زمین کی طرف تھا۔ گرمی کے موسم میں اس آسمان کی چھت کے نیچے تھا جس کا آفتاب تمتمایا ہوا ہوتا ہے۔ ہوٹلوں اور پارکوں، آبشاروں اور سبزہ زاروں کی طرف نہ تھا خشک اور چٹیل میدانوں، بے آب و گیاہ ویرانوں اور آگ اور خاک برسانے والے ریگستانوں کی جانب تھا۔ ایک گنہ گار امتی، اپنے شفیع و شفیق آقا کے آستانے پر حاضر ہو رہا تھا۔ بندے کی حاضری اپنے مولیٰ کے دربار میں تھی بھاگا ہوا غلام تھک کر، ہار کر، پچھتا کر اور شرما کر پھر اپنے مالک کی طرف رُخ کر رہا تھا، ذرہ آرزومند تھا کہ آفتاب کی تابش سے جگمگا اُٹھے۔ قطرہ کو ہوس ہوئی کہ بحر بیکراں کے وصل کا لطف اٹھائے۔ مشت خاک کو یہ دماغ ہوا کہ نورِ پاک کے جاروب کشوں کی فہرست میں اپنا نام لکھائے جو کچھ بھی نہ تھا، اسے یہ دلولہ ہوا کہ جو سب کچھ ہے اس سے تعلق و پیوند پیدا کیا جائے۔

ہے آرزو کہ ابروئے پرخم کو دیکھیے　　اس حوصلے کو دیکھیے اور ہم کو دیکھیے

حاضری کا حکم دینے والے کا حکم ہے کہ زادِ راہ ساتھ لے کر چلو وتزوّدوا اور خود ہی زادِ راہ کی تشریح بھی فرمادی ہے کہ بہترین زادِ راہ تقویٰ ہے فَاِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی۔ یہاں قحط تھا تو اسی جنس کا، محرومی تھی تو اسی سرمایہ سے، تہی دستی تھی تو اسی توشہ راہ سے، دل ہچکچایا، طبیعت رُکی، ارادہ کا قدم ڈگمگایا، مگر معاً یاد آیا کہ وہ خدائے قدیر و رحیم، جو ہر روز تاریکی کو نور میں بدلتا رہتا ہے، سڑے ہوئے فضلہ اور عفونت پھیلانے والی کھاد سے طرح طرح کے خوشبودار رنگارنگ گل بوٹے گلاب اور چنبیلی، جوہی اور موتیا، خوش رنگ و بامزہ پھل پھول، جاں نواز میوے اور غلے وغیرہ اُگاتا رہتا ہے۔ بے جانوں میں جان پھونکتا رہتا ہے۔ کیا وہ تباہ کاروں کو اپنے دربار میں حاضری کی نعمت سے سرفراز کرنے پر قادر نہیں؟ کیا درماندوں اور خستہ حالوں کے دامن کو گوہرِ مراد سے بھر دینا اس کے فضل و کرم سے کچھ بعید ہے؟ کیا وہ صرف نیکوں اور پاکوں، پارساؤں اور پاکبازوں ہی کا والی و وارث رب اور مالک ہے؟ اور مدہوشانِ غفلت، اس کے لطف و رحمت سے خدانخواستہ محروم ہی رہیں گے؟۔

ٹوٹی ہوئی ہمت بندھی، دھڑکتا ہوا دل تھما، ڈگمگاتے ہوئے پیر سنبھلے چند روز قبل حیدرآباد جانا ہوا تھا، وہاں کے متعدد اہل دل بزرگوں کی گفتگوئیں اور صحبتیں دل میں شوق اور ولولہ پیدا کر چکی تھیں۔ اس سے قبل دہلی کے

زندہ جاوید محبوب الٰہی نظام الدینؒ کے دربار سے اجازت مل چکی تھی۔[1] ماہ رمضان المبارک میں دیوبند اور تھانہ بھون کے دو زندہ خاصان حق کی زبان سے مزید حوصلہ افزائی ہو گئی۔ اتنی ساری تائیدات غیبی کے بعد بھی اگر کوئی بدبخت ازلی سوچتا اور ہچکچاتا رہ جاتا تو وہ انسانوں کے بجائے جمادات میں شمار کرنے کے قابل تھا۔ اعظم گڈھ لکھنؤ، اور حیدرآباد سے بعض کرم فرماؤں نے اپنے اپنے تجربوں کے مطابق ضروریات سفر سے متعلق یادداشتیں بھی مرتب کر کے روانہ کر دی تھیں۔[2] یکم شوال (۱۳ مارچ ۱۹۲۹ء) کو بعد ادائے ظہر، ادعیہ مسنونہ و ماثورہ پڑھتا ہوا[3] گھر سے

---

[1] یہ ایک لطیف آپ بیتی ہے جس کا تعلق تمام تر وجدانیات سے ہے، عقائد سے نہیں خدا کے لیے کوئی صاحب سماع موتیٰ وغیرہ کی فقہی وکلامی بحث نہ چھیڑ بیٹھیں۔

[2] مولانا سید سلیمان ندوی، پروفیسر ہارون خان شروانی (جامعہ عثمانیہ) مولوی ظفر الملک صاحب علوی اور مولوی شاہ محمد الیاس برنی کی امداد اس سلسلہ میں شکر گزاری کے ساتھ یاد رکھنے کے قابل ہے۔

[3] گھر سے نکلتے وقت طریق ماثور یہ ہے کہ پہلے دوگانہ نفل پڑھے اور اس کے بعد ذیل کی دعا۔

اَللّٰھُمَّ بِكَ اَنْتَشَرْتُ وَاِلَيْكَ تَوَجَّهْتُ وَبِكَ اعْتَصَمْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ ثِقَتِيْ وَاَنْتَ رَجَائِيْ اَللّٰھُمَّ اكْفِنِيْ — اے اللہ میں تیرے ہی لیے جدا ہوا اور تیری ہی طرف متوجہ ہوا، میں نے تیرا ہی دامن پکڑا اور تجھ ہی پر توکل کیا۔ اے اللہ تو ہی میرا سہارا ہے اور تو ہی میری

باہر نکلا مسجد سے رخصت ہوا، جد اعلیٰ حضرت مخدوم شیخ محمد آبکش چشتی نظامی (متوفی ۹۴۵ھ) اور دوسرے بزرگوں کے مزارات پر فاتحہ پڑھی، قصبہ کے مسلمان

مَا اَهَمَّنِیْ وَمَالَا اَهْتَمُّ بِهٖ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّیْ عَزَّ جَارُكَ لَا اِلٰهَ غَیْرُكَ اَللّٰهُمَّ زَوِّدْنِی التَّقْوٰی وَاغْفِرْ لِیْ ذُنُوْبِیْ وَوَجِّهْنِیْ اِلَی الْخَیْرِ اَیْنَمَا تَوَجَّهْتُ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ وَكَآبَةِ الْمُنْقَلَبِ وَالْحَوْرِ بَعْدَ الْكَوْرِ وَسُوْءِ الْمَنْظَرِ فِی الْاَهْلِ وَالْمَالِ،

امید ہے، اے اللہ! تو ہی میرے حق میں کافی بن جا اس چیز سے جو مجھے مشکل میں ڈالے اور جو مجھے مشکل میں نہ ڈالے اور اس چیز سے کہ جس کا تو مجھ سے زیادہ علم رکھتا ہے غالب ہے جو تجھ سے پناہ مانگے۔ کوئی معبود نہیں بجز تیرے۔ اے اللہ! مجھے تقویٰ کا توشہ مرحمت کر، اور میرے گناہوں کی مغفرت کر، اور میں جدھر بھی متوجہ ہوں مجھے خیر کی طرف متوجہ کر۔ اے اللہ! میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں سفر کی سختی سے فراخی کے بعد تنگی سے اور گھر والوں اور مال کی بدنمائیوں سے

اور گھر کے دروازے سے نکلے تو یہ دعا پڑھے:۔

بِسْمِ اللّٰهِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ تَوَكَّلْتُ عَلَی اللّٰهِ، اَللّٰهُمَّ وَفِّقْنِیْ لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی وَاحْفَظْنِیْ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ،

(سفر شروع کرتا ہوں)، اللہ کے نام سے نہیں ہے کوئی قدرت اور کوئی قوت مگر اس اللہ میں جو بڑا ہے اور عظمت والا ہے میں نے اللہ ہی پر توکل کیا اے اللہ! تو مجھے توفیق اس چیز کی دے جسے تو دوست رکھتا ہے اور مجھے بچائے رکھ شیطان مردود سے۔

آیت الکرسی اور سورۂ اخلاص اور سورۂ فلق اور سورۂ ناس کے بھی ایک ایک بار پڑھنے کے فضائل آئے ہیں

ساری دنیا کے مسلمانوں کی طرح اس وقت سخت باہمی زور آزمائی میں مصروف ہیں۔ ہر فریق دوسرے کی عزت و آبرو کا دشمن، یہاں تک کہ آج عید کا دن بھی انھیں گلے نہ ملا سکا تھا، لیکن مقلب القلوب کی کارسازی کہ اپنے ایک ناکارہ و ننگ وطن ہم وطن کو رخصت کرنے کے لیے ہر فریق اپنی پوری محبت و خلوص کے ساتھ آمادہ ہوگیا عین عید کی مشغولیت میں، تیز دھوپ میں پا پیادہ سب کا دو میل تک اسٹیشن آنا اور ہر قدم پر اپنے جوشِ محبت کا ثبوت دیتے رہنا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ وطن سے روانگی کے بعد ۲۴ میل پر پہلی منزل لکھنؤ کی تھی، اور لکھنؤ بھی اپنے گوناگوں تعلقات کے لحاظ سے گویا وطن ہی ہے۔ یکم شوال کو شب میں یہاں پہونچے تھے اور ۳ر شوال (۱۵ر مارچ) یوم جمعہ کو شب ہی میں یہاں سے روانہ ہوئے۔ دوپہر سے دوستوں اور بزرگوں کی تشریف آوری کا جو سلسلہ شروع ہوا تو ٹھیک اس لمحہ تک کہ جب تک ۱۰ بجے شب کو گاڑی چھوٹ نہ لی۔ برابر جاری رہا" امام ضامن"[۱] کے روپے اور "ناشتہ،، کے خوان پر خوان چلے آرہے ہیں اور رخصت کرنے والوں میں شہر کے نامور بیرسٹر اور وکلاء، اطباء اور ڈاکٹر، اخبارات کے ایڈیٹر، رسالوں کے منیجر، ندوہ کے علماء اور انگریزی کالجوں کے پروفیسر اور طلبہ، فرنگی محل کا ماشاء اللہ سارا خاندان، عام احبا و اعزہ۔ کوئی کس کس کے نام گنائے، اور سب کی مکمل فہرست یاد رکھنے کا دماغ کس کو؟ بڑے اور چھوٹے، عالم اور عامی، سب نے جس خلوص و محبت سے رخصت کیا ہے

---

[۱] خدا معلوم یہ بدعتی نام اور کہیں بھی چلا ہوا ہے یا نہیں۔ ہمارے اودھ میں تو اس کا بڑا رواج ہے۔

اس کی یاد کا نقش جلد مٹنے والا نہیں۔

احادیث نبوی میں جمعرات اور ہفتہ کا سفر مبارک بتایا گیا ہے۔ لیکن اس سفر کا جو نظامِ اوقات اپنے قصد و اختیار سے بنایا اس میں سہولتوں کیلئے لحاظ صرف تاریخوں کا رکھا گیا تھا، دنوں کی طرف کوئی التفات ہی نہ ہوا۔ کریم کی کریمی ملاحظہ ہو کہ دریاباد اسٹیشن سے گاڑی ایسے وقت چھوٹی کہ چہارشنبہ کا آفتاب غروب ہو رہا تھا اور شبِ پنجشنبہ کا آغاز ہونے کو تھا۔ اور لکھنؤ سے روانگی کے وقت شب شنبہ کو شروع ہوئے کئی گھنٹے گزر چکے تھے گویا سفر جمعرات و شنبہ کی برکتیں از خود اور اضطراراً نصیب ہو گئیں۔ (۱۶ مارچ) کو صبح کے وقت گاڑی جھانسی پہونچی اور یہیں اس لکھنؤ جھانسی اکسپرس کی منزل سفر ختم ہو گئی۔ کچھ ہی دیر بعد یہاں دہلی سے آنے والا بمبئی اکسپرس مل گیا اور اب سفر اس میں شروع ہوا۔ قافلہ ماشاء اللہ خاصا بڑا اور سفر طویل، سامان سفر بھی ظاہر ہے کہ اسی مناسبت سے تھا۔ قلیوں سے گلخپ اور تہتک جھانسی اسٹیشن پر ناگزیر سا تھا اور وہ بھی ہو کر رہا لاجدال فی الحج کا حکم تشریعی کچھ خواہ مخواہ تھوڑے ہی ملا ہے۔

راستہ میں سیہور کو بھوپال اسٹیشن پر دوستوں اور عزیزوں ہی نے نہیں بلکہ ایسے مہربانوں نے بھی جن کی خدمت میں اس کے قبل نیاز حاصل نہ تھا، جس مسافر نوازی کا ثبوت دیا اس کا معاوضہ بجز دعائے خیر کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو دارین میں فائز المرام کرے! ـــ اکسپرس بھقا بھق چلا جا رہا تھا، وطن ہر لحظہ دور سے دور تر ہوتا جا رہا تھا نہیں کہ اس کا احساس نہ ہو۔

۱۷ر مارچ یکشنبہ کو علی الصباح بمبئی پہونچے، ناواقفوں کے لئے بمبئی کا مرحلہ بھی کچھ کم کٹھن نہیں، ان پڑھ دیہاتیوں کا ذکر نہیں اچھے اچھے پڑھے لکھے شہری، اگر ان کا کوئی دوست یا شناسا یہاں موجود نہیں تو پہلی دفعہ بمبئی پہونچ کر چکرا جاتے ہیں بمبئی میں حاجیوں کے لیے متعدد وسیع آرام دہ مسافر خانے بنے ہوئے ہیں، جہاں آدمی بغیر کسی کرائے کے کئی روز تک ٹھہر سکتا ہے۔ حاجی سیٹھ صابو صدیق مرحوم کا مسافر خانہ کرافرڈ مارکٹ (جہاں دنیا بھر کی چیزیں ملتی ہیں) سے متصل اور بڑے اسٹیشن (وکٹوریہ ٹرمنس) سے چند فرلانگ کے فاصلہ پر واقع ہے یہ سب سے زیادہ عالیشان، وسیع اور آرام دہ ہے۔ اس کے داروغہ مولوی حضرت اللہ صاحب کے چہرہ کی نورانیت ان کی باطنی پاکیزگی کا آئینہ ہے، اور ان کے نائب منشی عبد الستار صاحب اخلاص کے رنگ میں ڈوبے ہوئے سچ کے کرم فرماؤں میں نکلے، خیال تھا کہ قیام اسی مسافر خانہ میں ہوگا۔ ۱۹۱۲ء میں والد ماجد مرحوم مع والدہ صاحبہ کے جب حج کو تشریف لے گئے تھے تو وہ یہیں مقیم ہوئے تھے[1] لیکن ابھی بڑا اسٹیشن دور تھا

---

[1] ۱۹۱۲ء میں اس لق ودق عمارت کو میں نے کس بے تعلقی اور بیگانگی سے دیکھا تھا! "صاحبیت" کے نشہ میں مست، کہیں اس وقت یہ خیال بھی نہیں کر سکتا تھا کہ ۱۸ سال بعد اسی عمارت کی زیارت اس نیازمندانہ حیثیت سے کرنی ہوگی۔ یہ مسافر خانہ ۱۹۱۲ء سے قائم ہے اور اس کا انتظام ٹرسٹیوں (متولیوں) کی جماعت کے ہاتھ میں ہے۔ یہ عمارت چو منزلی ہے، کل ۱۸۰ کمرے ہیں، ہر کمرے میں ۱۰، ۱۲ حاجی گزر کر سکتے ہیں۔ اس طرح کم وبیش ایک ہزار مسافروں کی اس میں گنجائش

اور پوری طرح صبح بھی نہ ہونے پائی تھی کہ بھائی کلہ اسٹیشن پر مولانا شوکت علی[1] مع اپنے رفقاء کے نمودار ہوئے اور حکم ہوا کہ وکٹوریہ ٹرمینس پہونچ کر دار الخلافہ چلنا ہوگا۔ کس کی مجال تھی کہ بابائے خلافت کے حکم کی تعمیل نہ کرتا۔

"دار الخلافہ"، کوئی مسافر خانہ یا مہمان سرا نہیں، مرکزی خلافت کمیٹی کے دفتر کا نام ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ کرایہ پر بے شمار روپیہ صرف کرنے کے بعد اب جمیعت خلافت کے پاس اپنا ذاتی مکان ہو گیا ہے۔ یہ مکان بھائی کلہ اسٹیشن سے دو فرلانگ پر لولین LOVELANE (کسی نے اس کا ترجمہ "کوئے جاناں" خوب کیا ہے۔ میں واقع ہے۔ وسیع دو منزلہ عمارت، صحن کشادہ، خاموش پرسکون فضا۔ بمبئی میں ایسی عمارت ہاتھ آجانا خوش قسمتی ہی ہے مرکزی عمارت کے حصۂ زیرین میں دفتر جمیعت خلافت و دفتر روزنامۂ خلافت، بالاخانہ پر مولانا شوکت علی کی فرودگاہ، نیز "معزز" "مہذب" مہمانوں کے لیے آراستہ و مرصع ڈرائنگ روم اور دوسرے کمرے۔ (یہاں یہ سوال نہ پیدا

ہے۔ ہجوم کے زمانہ میں برآمدے تک بھر جاتے ہیں۔ کسی سے کوئی کرایہ وغیرہ نہیں لیا جاتا۔ ہر منزل پر آٹھ آٹھ پاخانے، چار چار غسل خانہ اور دو دو بڑے باورچی خانہ ہیں، بجلی قدم قدم پر موجود۔ یہاں کے آرام اور حسنِ انتظام کو دیکھ کر بانی مسافر خانہ حاجی صابو صدیق مرحوم کے حق میں ہر حاجی کے تہ دل سے دعائے خیر نکلتی ہے، گو بعض مسافر اپنی بدسلیقگی، گندے پن، اور پھوہڑپن سے اپنے کو یہاں کے قیام کے نااہل ثابت کرتے رہتے اور دوسرے مسافروں کی بددعائیں لیتے رہتے ہیں۔

[1] متوفی ۱۹۳۸ء۔ ہندوستان کے نامور لیڈر، اور تحریک خلافت کے روح رواں۔

کیجئے کہ جمعیت خلافت کو اس پر تکلف آرائش و زیبائش کی ضرورت کیا؟ قرن صحابہ کی خلافت راشدہ اور چودھویں صدی ہجری کی خلافت کمیٹی میں اب کیا اتنا بھی فرق نہ ہو؟) پہلو کی دوسری عمارت کا بالاخانہ مولانا محمد عرفان[1] کی فرودگاہ، اور اسلامی سادگی کی یہی تصویر، نیچے کے حصہ میں خلافت بک ڈپو، اور روزنامہ خلافت کے ایڈیٹوریل اسٹاف کے لیے کمرے، مرکزی عمارت کے نیچے دو کمرے ہمارے قافلے کے لیے خالی کر دیئے گئے ان میں عورتیں آرام و اطمینان سے رہیں، مرد دن بھر ادھر اُدھر رہتے، رات کو کچھ صحن اور برآمدہ میں لیٹ رہتے، اور کچھ زبردستی مولانا عرفان کے کمرے پر قابض ہو جاتے۔ مولانا شوکت علی کا تار لکھنؤ ہی میں مل گیا تھا کہ کوئی اچھا جہاز شروع شوال میں نہیں جائے گا۔ بمبئی پہونچ کر معلوم ہوا کہ دس بارہ روز کا انتظار ناگزیر ہے۔ دل کا شوق مضطرب کہ مہینوں کی مدت دنوں میں اور دنوں کا وقت منٹوں میں کس طرح کٹ جائے۔ لیکن بلانے والا اگر خود ہی حکم بھیج دے کہ دوڑتے ہانپتے ہوئے نہیں، راستہ میں دم لیتے ہوئے، اور قدم قدم پرستاتے ہوئے دربار میں حاضر ہو، تو فرمایئے کہ جانے والے کا دل آخر کیوں کڑھے؟۔

---

[1] ضلع ہزارہ (علاقہ سرحد) کے باشندہ مولانا محمد عرفان خلوص کے پتلے تھے، پہلے جمعیۃ العلماء پھر جمعیۃ خلافت کے بڑے سرگرم اور مخلص کارکن رہے۔ دوسرے ایڈیشن کے لیے نظر ثانی کے وقت ۱۹۴۸ء تک مولانا شوکت علی ہی کی طرح، گو ان کے بعد یہ بھی مرحوم ہو چکے ہیں۔

بمبئی ہندوستان کا شاید سب سے بڑا "یاجوجی" شہر ہے، لندن اور پیرس نیویارک، اور شکاگو کی زیارت سے جو لوگ مشرف نہیں ہوئے ہیں وہ ان کا ایک ہلکا سا نمونہ بمبئی میں دیکھ سکتے ہیں۔ ویسی ہی ہر طرف آسمان سے باتیں کرنے والی اونچی عمارتیں، وہی روپیہ کی گرم بازاری، وہی دوکانداری میں انہماک وہی عیش کی فراوانی، وہی مستی و نفس پرستی، وہی برق و دخان کی پرستاری، وہی ملوں اور انجنوں اور کارخانوں کا زور، وہی ریل، ٹریم، اور موٹر کاروں کا شور، وہی صبح سے لے کر رات تک اور شام سے لے کر صبح تک چیختے اور چلاتے ہوئے، شور مچاتے اور دھواں اڑاتے ہوئے ڈھکیلتے اور کچلتے ہوئے یاجوج کی بےچینی، اور بےقراری بھاگ دوڑ، شور و غل، چیخ پکار، شور و اضطراب! دن کو چین نہ رات کو سکون، اور اسی کا نام اس دور یاجوجی میں "ترقی و تہذیب" ہے! حیرت صرف اس پر ہے کہ اس غلبۂ یاجوجیت کے باوجود اب تک یہاں کی مسجدیں کیونکر اس قدر آباد و پُررونق ہیں اور اتنے نمازی اور دین دار مسلمان یہاں کیسے نظر آتے ہیں!

باب (۲)

بمبئی ــــ جہاز

سفر کا ایک اہم جزو، رفقائے سفر ہوتے ہیں۔ سفرِ حج میں یہ اہم جزو بہت زائد اہم ہو جاتا ہے اور جی چاہتا ہے کہ اس سفر نامہ کا پڑھنے والا اس اہمیت کو

خاص طور پر ذہین نشین کرلے، اپنا جس وقت سے سفر حج کا ارادہ ہوا تھا اسی وقت سے شریک زندگی بھی آمادۂ سفر تھیں، اور آمادگی محض زبان تک محدود نہ تھی، بلکہ اپنا زیور علیحدہ کر کے روپیہ کا بھی انتظام کرلیا تھا، خوشدامن صاحبہ (والدۂ خان بہادر شیخ مسعود الزماں بیرسٹر باندہ[1]) بھی عرصہ سے تیار تھیں۔ میرے آرام کے خیال سے انھوں نے ایک مرد ملازم، ہمارے ہی ہاں کا پروردہ ہمراہ لیا، رام پور کی ایک عزیزہ ساتھ چلنے کو کہہ رہی تھیں، میری درخواست پر ان کے حقیقی بھائی بھی جو اب حیدرآباد میں مصنف ہیں تنگیٔ وقت کے باوجود بڑی تیزی اور مستعدی کے ساتھ آمادۂ رفاقت ہوگئے۔ اس طرح اپنا اصلی قافلہ کل چھ شخصوں کا ہوا، جن کا کھانا پینا ایک ساتھ تھا۔ لکھنؤ کی ایک اور عزیزہ (بیوہ ڈپٹی نہال الدین احمد مرحوم) بھی مع اپنے بھائی شیخ حیدر علی قدوائی جگوری کے ہمراہ ہولی تھیں، ان کے علاوہ گدیہ کے مولوی عبدالباری صاحب ندوی[2] (استاد جامعہ عثمانیہ) مع اپنے والدین اور چار اور اشخاص کے ہمراہ ہولیے جن میں دو مستورات تھیں، اور اسی قافلہ میں مولانا سید مناظر احسن گیلانی (شیخ الحدیث جامعہ عثمانیہ) بھی شامل تھے جن کا تعارف ناظرین سچ سے بالکل غیر ضروری ہے۔

---

[1] جو بعد کو ماشاء اللہ خود بھی حاجی ہوگئے۔ اور اس وقت صوبہ کونسل کے نہ صرف ممبر بلکہ وائس پریذیڈنٹ بھی ہیں ۱۹۴۷ء) [2] جواب ماشاء اللہ مولانا شاہ عبدالباری ہیں حضرت تھانوی کے خلیفہ مجاز، اور جامعہ سے پنشن لے چکے ہیں اس وقت حضرتؒ پر ایک ضخیم کتاب جامع المجددین کے نام سے تیار فرما رہے ہیں ۱۹۴۷ء

اس طرح مل ملا کر، ہم سب سولہ آدمی ساتھ تھے، لیکن میرا اصلی قافلہ وہی چھ آدمیوں کا تھا۔ سفر حج کا ساتھ بڑا نازک ساتھ ہوتا ہے اچھے اچھے گہرے دوستوں کی مدۃ العمر کی دوستیاں اس سفر میں ٹوٹتے دیکھی ہیں۔ اور بھائی سے بھائی کو، باپ سے بیٹے کو، پیر سے مرید کو، اس سفر میں چھوٹ جاتے سنا۔ اسی خوف سے شروع ہی سے بڑی احتیاط رکھی گئی کہ قافلہ بہت بڑا نہ ہونے پائے، اور جو لوگ ساتھ ہوں بھی وہ حتی الامکان اپنا اپنا انتظام ایک دوسرے سے علیحدہ رکھیں، آئندہ کے تمام عازمان حج کی خدمت میں مخلصانہ گزارش ہے کہ جب تک کسی دوست یا عزیز پر یہ اعتماد نہ ہو کہ وہ غیر معمولی تحمل و بے نفسی اور صفات اطاعت و انقیاد کا مالک ہے، ہرگز اسے شریک قافلہ نہ بنایا جائے، اور کھانے پینے، رہنے سہنے کا الگ الگ انتظام تو واجبات میں سے ہے۔

بمبئی میں شروع شروع بحمد اللہ اپنے کو مخفی رکھنے میں کامیاب رہا لیکن قیام جوں جوں بڑھتا جاتا تھا اخفاء کا اہتمام دشوار تر ہوتا جاتا تھا۔ آخر ایک روز ایک صاحب یہ پیام لے کر آئے کہ انگریزی روزنامہ انڈین ڈیلی میئل[1] کے نمائندہ صاحب مع کیمرہ کے تشریف لانے کا ارادہ فرما رہے ہیں یعنی میرا بیان شائع کرنے کے ساتھ ہی مجھ عجیب الخلقت کی تصویر سے بھی روشن خیال ناظرین کی ضیافت کی جائے گی گویا اکبر کے اس الہام کی ایک تازہ شرح! ؎

---

[1] اس زمانہ کا بمبئی کا ایک مشہور انگریزی روزنامہ تھا۔

عشاق کو بھی مالِ تجارت سمجھ لیا　　اس قہر کو ملاحظہ للّٰلہ کیجیے

بھرتے ہیں میری آہ کو فونوگراف میں　　کہتے ہیں فیس لیجئے اور آہ کیجیے

یہاں بجائے " فونوگراف " کے " فوٹوگراف " سے کام لیا جانے والا تھا۔ اور پیام کے ساتھ ہی فیس کی جانب بھی اشارہ تھا، جواب میں عرض کیا گیا کہ تصویر کھنچوانا، اور اخبار کے لیے بیان لکھوانا الگ رہا، یہاں تو آغاز سفر سے اخبار پڑھنا بھی ترک کردیا ہے۔ یہاں تک کہ روزنامہ (خلافت) کے دفتر میں رہنے کے باوجود اس اخبار کو آج تک ہاتھ نہیں لگایا ہے اور اپنے خاص الخاص روزنامہ (ہمدرد) کی تو شکل تک بھی نہیں دیکھی! خیر یہ مصیبت تو ٹل گئی لیکن سچ کی محبت اور قدر افزائی جس گروہ کے دل میں اللہ نے ڈال دی ہے اس کی نظر سے بچا رہنا کیوں کر ممکن تھا۔ بالآخر ان محبت کرنے والے بھائیوں کی آمد و رفت شروع ہوئی خود اپنے اپنے کاروبار کا ہرج کر کے آتے تھے اور اپنے گھروں پر لے جاکر کھانا کھلاتے تھے۔ عزیزی معین الدین حارث جامعہ ملیہ کے ایک قابل گریجوٹ ہیں اور اب اپنا ایک روزنامہ اخبار بھی نکال رہے ہیں[1]۔ انھوں نے اور میمن برادری کے ایک نوجوان احمد عبداللہ " غریب " صاحب[2] نے سادگی و خلوص کے ساتھ

---

[1] حارث صاحب برابر روزنامہ اجمل نکال رہے ہیں اور شاید مسلم سوشلسٹ پارٹی کے لیڈر بھی ہیں۔ [2] ان " غریب " صاحب کے اصل جوہر تو بعد کو کھلتے گئے، معلوم یہ ہوا کہ یہ انسان کے قالب میں گویا فرشتہ ہے۔ کٹلری بازار بمبئی میں ایک معروف دوکان محمد احمد اینڈ برادرس کی ہے ۔ ان

دعوت شیراز کا نمونہ دکھایا۔ ان کے ہاں کی سادگی کا پورا مقابلہ حاجی قاسم نور محمد چھاپر اصاحب تاجر چوپ کی ضیافت کے تکلفات نے کر دیا۔ حاجی صاحب کو سچ سے خدا معلوم کیوں اتنا حسن ظن پیدا ہو گیا ہے۔ پہلے قیام گاہ پر تحائف لے کر آئے پھر اپنے ہاں دعوت دھوم دھام سے کی، اور پھر جہاز پر پھلوں کی بڑی سی ٹوکری خود لے کر آئے، اور ہر موقع پر یہ محسوس ہو رہا تھا کہ وہ اپنی طرف سے کسی عنایت یا احسان کا احساس مطلق نہیں رکھتے بلکہ ان خدمت گزاریوں کو اپنے لیے باعث فخر و سرمایہ سعادت سمجھ رہے ہیں۔

بمبئی میں قیام بارہ دن کرنا پڑا، جہاز کی روانگی کی روز امید بندھی تھی، مگر ہر صبح کی خبر شام کو غلط نکلتی تھی، یہ بارہ دن کی مدت ضروریات سفر کی فراہمی اور سامان کی خریداری میں گزری، حجاز میں اب ہر قسم کی چیزیں ملنے لگی ہیں، جہاز پر بھی کھانے کا فی الجملہ انتظام ہو گیا ہے[1]۔ اس لیے سامان بجائے زیادہ لے جانے کے کم سے کم لے جانا چاہیئے۔ ورنہ ایک تو بار برداری میں خرچ بہت بڑھ جاتا ہے

بھائیوں میں سے منجھلے کا نام ہی "غریب" ہے نور کے سانچے میں ڈھلے ہوئے۔ سنجھلے بھائی حاجی محمد صدیق ہیں وہ بھی ان سے کچھ کم نہیں، ایں خانہ تمام آفتاب است۔

[1] اس کے چند سال قبل تک ہر حاجی جہاز پر اپنا اپنا کھانا پکاتا تھا جہاز کی طرف سے پکے پکائے کھانے کا کوئی انتظام نہ تھا۔

دوسرے اس کی حفاظت و نگہداشت کی فکر میں قلب کو ہر وقت تشویش رہا کرتی ہے، اور پھر چیزوں کے ٹوٹنے پھوٹنے سے نقصان الگ ہوتا رہتا ہے۔ چنانچہ یہی ارادہ تھا کہ سامان بہت مختصر اور ہلکا لیا جائے گا، اور اسی ارادہ سے بمبئی کے بازاروں میں خریداری کے لیے نکلے لیکن پھر بھی سولہ آدمیوں کی ضرورتیں پیش نظر تھیں، ہوتے ہوتے کل سامان کا انبار اچھا خاصا ہو گیا، بستر، کپڑوں کے کئی کئی جوڑے (اگر ایک آدھ رنگین جوڑا بھی ساتھ رہے تو گرد و غبار سے محفوظ رہنے میں بہت آسانی رہتی ہے) اور پیچش، بدہضمی، بخار وغیرہ کی مجرب دوائیں گھر سے لے کر نکلے تھے[1] باقی سامان بمبئی میں خرید کیا۔ ہر شخص کی ضروریات سفر دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں، تاہم حسب ذیل سامان بمبئی سے خرید کرنا، علی العموم مفید ثابت ہوگا۔

احرام کی چادریں (یا تولیے) ڈک چیر (کرمچ کی کرسی) تھرماس (برف اور چائے رکھنے کے لیے) چٹائی (فرش کے بہت کام آتی ہے) ٹارچ (چور بتی) لالٹین ہینڈ بیگ، انگیٹھی، کوئلہ کیتلی، ٹین کا پیپا (پانی رکھنے کے لیے) مشکیزہ، منجمد دودھ دلیا، ستو، کھچڑی، چائے اور پھل اور جن کو فرش پر سونے میں زیادہ تکلیف محسوس ہوتی ہو، وہ سفری چارپائیاں بھی خرید لیں۔ اس سارے سامان کی فراہمی میں بہت

---

[1] حکیم محمد مصطفیٰ صاحب بجنوری مرحوم و مغفور اس زمانہ کے ایک بڑے حاذق طبیب تھے۔ ان کا تیار کردہ بکس شفاء الحجاج (جو متعدد ضروری دواؤں کا مجموعہ ہے) بڑے کام کی چیز ہے۔ ہر حاجی کو حتی الامکان اسے ساتھ رکھنا چاہیئے۔ پتہ یہ ہے:۔ دواخانہ مصطفائی، کرم علی اسٹریٹ، شہر میرٹھ (یو۔پی)

زیادہ مدد سیٹھ محمد روشن صاحب (تاجر چوب) اور ان کے صاحبزادے میاں سراج احمد سے ملی، جنھوں نے اپنے وقت اور اپنے موٹر کو کئی دن، کئی کئی گھنٹے ہم غریب الوطنوں کی خدمت کے لیے وقف رکھا، اور جن کی رہبری سے ہر سودے میں بڑی کفایت رہی۔

حج اور سفر حج صحیح معنی میں ایک مجاہدہ ہے۔ خودی پر ضرب پوری قوت و شدت کے ساتھ پڑتی ہے اور بندہ کو عملی طور پر بندگی پوری طرح سکھائی جاتی ہے۔ اس کا ایک کرشمہ یہ بھی ہے کہ بندہ کا ارادہ قدم قدم پر توڑا جاتا ہے۔ اور کوئی نقشۂ اوقات (پروگرام) خواہ کتنے ہی غور و فکر کے بعد تیار ہوا ہو، سالم و ثابت نہیں رہنے دیا جاتا۔ دریاباد سے قصد یہ تھا کہ موٹر لاری پر روانگی ہوگی اور راستہ میں بانسہ کی مشہور درگاہ پر[1] حاضری دیتے ہوئے لکھنؤ پہونچیں گے۔ لاریاں دریاباد سے روزانہ ایک نہیں تین تین روانہ ہوتی رہتی ہیں[2]۔ مگر اس روز ہر امکانی تلاش و کوشش کے باوجود ایک بھی نہ مل سکی۔ مجبوراً ٹرین سے روانہ ہونا پڑا تھا، گاڑی اس قدر لیٹ آئی کہ راستہ میں اتر کر بانسہ حاضر ہونے کا وقت باقی نہیں رہا۔ یہ سب کچھ تو عین آغاز سفر کے وقت پیش آیا تھا۔ لکھنؤ سے ۱۳ر شوال کو شب کے وقت روانگی کا قصد مصمم تھا۔ ۱۲ر کی سہ پہر کو بمبئی سے تار پہونچا کہ "جہاز

---

[1] بانسہ ایک چھوٹا سا قصبہ بارہ بنکی کے ضلع میں ہے۔ یہاں کے اس وقت کے سجادہ نشین سید ممتاز احمد مرحوم میرے عزیز قریب اور خاص مخلصوں میں تھے صاحب مزار سید شاہ عبدالرزاق بانسویؒ (متوفی ۱۱۳۶ھ) کا شمار بھی میرے خاندانی بزرگوں میں ہوتا ہے [2] یہ سب ذکر ۱۹۲۹ء کا ہے، ۱۹۶۳ء میں یہ قصہ کہانیاں ہیں!

ابھی نہیں جارہا ہے۔ چند روز کے لئے ارادہ ملتوی کردو" اسی وقت جوابی تار دے کر مزید تفصیل دریافت کی۔ ۳۰ کی دوپہر تک کچھ جواب نہ ملا، دفتر خلافت کو ٹیلیفون کرنا چاہا، معلوم ہوا کہ ٹیلی فون کا سلسلہ ٹوٹا ہوا ہے۔ غرض روانگی سے چند گھنٹے قبل تک تذبذب و تردد ہی رہا تھا۔ یہی صورت بمبئی میں بھی قائم رہی۔ ہر روز جہاز کے دفتر ہی سے مستند و معتبر اطلاعیں موصول ہوتی تھیں لیکن ہر پچھلی اطلاع پہلی اطلاع کو غیر مستند و غیر معتبر ثابت کردیتی تھی! انسانی خودی کا سب سے بڑا مظہر اس کا ارادہ ہوتا ہے اسی ارادہ کو چکنا چور کیا جاتا ہے۔ مغرور و نادان انسان حج کے قصد سے نکلا ہے پھر بھی اپنے ہی ارادہ کو غالب و حاکم رکھنا چاہتا ہے! اپنی بے بسی کے اعتراف اور اپنی ہیچ مائگی کے اقرار کو اٹھا ہے پھر بھی اپنے ہی کو اختیار و قدرت والا ثابت کرنا چاہتا ہے! عبودیت و بے چارگی، بندگی و بیکسی کا سبق لینے کو چلا ہے پھر بھی اپنی ہی خدائی قائم رکھنا چاہتا ہے۔ انکسار و افتقار، درماندگی و شکستگی کی تعلیم اگر اس سفر میں بھی نہ ملے تو آخر کب ملے گی؟۔

بارہ دن تک ہماری پوری پارٹی دار الخلافۃ میں مہمان رہی، مہمانی کے یہ معنی نہیں کہ اتنے روز تک ہم سب کا بار خلافت فنڈ پر پڑتا رہا۔ اس کے برعکس ہم سب کے کھانے پینے کے بل برابر تیار ہوتے رہے اور چلتے وقت ہم سب اپنے اپنے حسابات آنہ پائی سے بیباق کر کے آئے۔ بلکہ اکثر مہمانوں نے اصلی حساب سے زائد ہی خلافت فنڈ کی خدمت میں نذر کردیا، جس قدر کفایت یہاں ٹھہرنے میں ہوئی بمبئی کے کسی ہوٹل میں ممکن نہ تھی۔ اور جس قدر آرام یہاں ملا، یہ بھی اتنے خرچ

میں بمبئی کے کسی ہوٹل میں ممکن نہ تھا۔ مولانا شوکت علی ہر وقت جس طرح خاطر داریوں میں لگے رہتے تھے اور ان کی وجہ سے ہر معاملہ میں جتنی سہولت رہی، اس کا شکریہ الفاظ کے ذریعہ سے ادا کرنا دشوار ہے۔ عزیزی زاہد علی خاں سلمہٗ جو "زاہد" خشک نہیں اس باب میں شاید باپ سے بھی کچھ قدم آگے ہیں اور "اگر پدر نتواند پسر تمام کند" کے مصداق۔ مولانا عرفان (ناظم مالیات خلافت) قمر صاحب (ایڈیٹر روزنامۂ خلافت) مولانا عزیز الرحمٰن صاحب دہلوی[1]۔ ان سب کی کوششیں اور عنایتیں رسمی شکریہ کے حدود سے بالاتر ہیں۔

اکثر حاجیوں کے سامنے ایک سوال، روپیہ کے رکھنے کا ہوتا ہے نقد روپیہ سب اپنے ساتھ رکھیے تو خواہ مخواہ ایک بار اور ہر وقت کی فکر حفاظت کا اضافہ ہوتا ہے۔ ہندوستان میں متعدد کمپنیاں اور ایجنیاں ایسی ہیں جہاں روپیہ بآسانی جمع ہو جاتا ہے، اور حجاز میں بحفاظت تمام مل جاتا ہے۔ دہلی کے حاجی علی جان مرحوم کی کوٹھی، اس بارے میں قدیم اور سب سے زیادہ مشہور ہے۔ ان کا کاروبار بڑے پیمانے پر ہے اور مکہ و مدینہ دونوں جگہ ان کے معزز و دیانت دار کارکن موجود ہیں۔ ہم لوگوں کو اس توسط کی ضرورت نہیں پڑی ہم نے اپنا بیشتر روپیہ بمبئی کے مشہور سیٹھ محمد عمر بھائی چاند بھائی (ناگ دیوی اسٹریٹ) خازن جمعیۃ خلافت کے

---

[1] مولانا محمد عرفان اور مولانا عزیز الرحمٰن تو اب مرحوم ہو چکے۔ قمر احمد صاحب بی۔اے۔ ایل ایل۔ بی (علیگ) ماشاء اللہ بخیریت ہیں۔ البتہ بمبئی کی سکونت مدت ہوئی ترک کر کے اپنے وطن غازی پور میں اب مقیم ہیں۔

حوالہ کر دیا اور جدہ، مدینۂ منورہ، مکہ معظمہ میں ان کے ایجنٹوں کے نام چٹھیاں لے لیں۔ تھوڑا سا روپیہ شیخ ابراہیم عبداللہ الفضل (ڈینو کو منس روڈ چوپاٹی) کے پاس جمع کرا دیا، یہ ذریعہ بھی بہت معتبر ہے۔ شیخ عبداللہ الفضل نجدی الاصل ہیں اور سلطان ابن سعود کے خاص مقربوں میں ہیں، ان کے ایک بھائی شیخ عبدالرحمٰن الفضل جدہ کے مشہور تاجر ہیں اور دوسرے بھائی محمد الفضل مکہ معظمہ میں نائب گورنر ہیں [1]۔

الفضل صاحب سے بمبئی میں ملاقات بھی ہوئی اور اب کی سال یہ بھی عازم حج ہیں اور مجھ سے چند روز کے بعد روانہ ہوں گے۔ جہاز پر جو لوگ چاہیں کپتان کے پاس بھی اپنا روپیہ امانت رکھا سکتے ہیں۔

بمبئی اور کراچی میں حاجیوں کی جہازی کمپنیاں تین ہیں۔ مغل لائن، نمازی اور شوستری۔ نمازی اور شوستری مسلمانوں کی ہیں، لیکن ان پر مشترکہ کمپنیوں کا اطلاق مشکل ہی سے ہو سکتا ہے [2] خصوصاً شوستری تو بہت ہی چھوٹی ہے۔ مغل لائن کسی زمانے میں مسلمانوں کی تھی۔ اب اس پر تمام تر قبضہ اس کے ایجنٹ ٹرنر مارِسن اینڈ کمپنی کا ہے۔ دراصل ان سب کے جہاز مال لادنے کے ہیں، اور سال کے

---

[1] افسوس کہ الفضل کا یہ سارا خاندان مدت ہوئی بمبئی چھوڑ کر چلا گیا اور اب ان میں سے اکثر صاحبان غالباً اس عالم میں موجود بھی نہیں۔ [2] طبع ثانی کے وقت تک نمازی اور شوستری کمپنیاں ختم ہو چکی ہیں اور اب مغل کمپنی کے مقابلہ میں صرف سندھیا کمپنی (حج لائن) کا وجود باقی ہے۔

بیشتر حصہ میں یہی کام کرتے ہیں۔ حج کے زمانہ میں انھیں "مال گاڑیوں" کو "سواری گاڑی" بنا دیا جاتا ہے اور ان پر بے جان مال و اسباب کی جگہ جاندار حاجیوں کو لادا جانے لگتا ہے۔ ٹرنر ماریسن کمپنی کے چھ ڈائرکٹر ہیں۔ ان میں صرف ایک مسلمان ہیں باقی پانچوں انگریز۔ کمپنی کی شاخیں رنگون سے لے کر سوئز تک خلیج بنگال بحر ہند، خلیج فارس، بحر عرب، بحر روم میں ۲۳ مختلف مقامات پر قائم ہیں، کارکن زیادہ تر انگریز ہیں، لیکن بحرین بندر عباس، بوشہر، جدہ، کراچی، کویت، مکلا وغیرہ میں مسلمان ایجنٹ ہیں، بمبئی کا ایجنٹ براؤن نامی ایک انگریز ہے۔ لوگ اس کے مزاج اور اخلاق کی تعریف کرتے ہیں۔ اور مولانا شوکت علی کا بیان ہے کہ براؤن بڑا اشریف انگریز ہے۔ کمپنی آٹھ جہازوں کی مالک ہے۔ اور جہازوں کی تعداد نیز عام انتظامات کے لحاظ سے دوسری کمپنیوں سے بڑی اور بہتر ہے[1]۔ اس کمپنی سے سفر کرنا طے پایا۔ اب تک ایسا ہوتا تھا کہ مقابلہ کی کشمکش کے وقت بعض کمپنیاں اپنا کرایہ بہت گھٹا دیتی تھیں۔ ابکی یہ صورت اس وقت تک نہ تھی اور نہ آئندہ کبھی اس کی توقع رکھنا چاہیے۔ کفایت کے وہ زمانے اب خواب و خیال ہو گئے ہیں، ہر کمپنی کا کرایہ یکساں اور بڑی سے بڑی سرکاری شرح کے مطابق تھا[2]۔ یعنی

---

[1] اب اس کمپنی کے پاس اور بھی بہتر جہاز ہو گئے ہیں جن میں بہترین کہا جاتا ہے کہ "مظفری" ہے۔

[2] ۱۹۲۰ء کے کرایوں کو ۱۹۲۹ء کے ان کرایوں سے کوئی نسبت ہی نہیں۔ موجودہ شرح اس وقت سے کئی گنا گراں ہو گئی ہے۔ اب کوئی صاحب ہرگز ان پرانی شرحوں کے بھروسہ پر نہ رہیں۔

تیسرے درجہ یا ڈک (عرشہ جہاز کے لیے ۱۹۵ روپے آمدورفت

سکنڈ کلاس کے لیے ۵۰ ۴ روپے آمدورفت (کفایت واپسی ہی کے

فرسٹ کلاس ۵۵۰ روپے " " ٹکٹ میں ہوتی ہے اور

واپسی کی مدت ۱۸ مہینے ہوتی ہے)

جہاز کے ٹکٹ لیتے وقت وہ منظر پیش نظر ہوتا ہے جو کسی نہان یا میلہ کے زمانے میں ہندوستان کے ریلوے اسٹیشنوں پر تھرڈ کلاس کے ٹکٹ گھروں کا ہوتا ہے، وہی ریل پیل، وہی دھکم دھکا، وہی انسانیت کی جگہ حیوانیت کی نمائش اور درندگی کا غلبہ، پھر پاسپورٹ حاصل کرنے کا معرکہ[1] اس پر مستزاد لیکن ہم لوگوں کے حق میں خلافت کمیٹی کا وجود آیۂ رحمت ثابت ہو کر رہا۔ ع

حل ایں نکتہ ہم از روئے نگار آخر شد!

مولانا شوکت علی اور دوسرے کارکنان خلافت کی نگاہ توجہ نے اس مشکل کو آسان کر دیا اور گھر بیٹھے ہم لوگوں کو پاسپورٹ اور ٹکٹ حاصل ہو گئے۔

---

[1] پاسپورٹ، سب سے بہتر تو یہ ہے کہ اپنے ہی ضلع کے ڈپٹی کمشنر کے دفتر سے حاصل کر لیے جائیں ورنہ پھر بمبئی میں بھی تین روپیہ فیس داخل کرنے پر مل سکتے ہیں۔ کراچی تو اب ہندستان کے حدود سے خارج ہو کر ملک پاکستان کا بندرگاہ ہے۔

HARDAYAL PUBLIC LIBRARY, DELHI
Acc. No. 16427

باب (۳)

جہاز

جہاز کی روانگی کی تاریخ خدا معلوم کتنی بار بدلی، ہماری اطلاعیں براہ راست کمپنی کے دفتر سے حاصل شدہ ہوتی تھیں۔ ٹرنر مارسین کے دفتر میں ایک صاحب قاری محمد بشیر اعظم گڈھی بڑے کام کے اور مستعد آدمی ہیں، وہ بیچارے ہمارے ہر کام کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ اس پر بھی ہر اطلاع غلط ہی ثابت ہوتی اور روانگی برابر ٹلتی رہی، اس میں خاصا قصور ہم لوگوں کا بھی تھا، جو اپنی ناواقفیت اور ناتجربہ کاری سے حاجیوں کے جہاز کو ریل پر قیاس کیے ہوئے تھے۔ ان جہازوں کے چھوٹنے میں بہت سے ایسے موثرات کام کرتے ہیں جن کا کئی روز قبل سے صحیح اندازہ کر لینا کمپنی کے افسروں کے بھی بس کے باہر ہوتا ہے۔ اس لیے بہت قبل سے کوئی تاریخ قطعی طور پر متعین ہو ہی نہیں سکتی۔ بہرحال ایک آدھ روز قبل متعین طور پر معلوم ہوا کہ جہاز اکبر ۲۸ مارچ کو روانہ ہوگا۔ یہ جہاز کچھ ایسا پرانا نہیں، ۱۹۲۴ء کا بنا ہوا ہے اور کمپنی کے جہازوں میں اوسط درجہ کا ہے۔ وزن ۴۳۰۴ ٹن ہے۔ ۱۹۲۶ء میں خلافت کمیٹی اور جمعیتہ العلماء کے معزز ارکان وفد حجاز اسی جہاز پر گئے تھے۔ روانگی کی تاریخ کا بالآخر تعین سن کر مایوس اور پریشان حال حاجیوں کی جان میں جان آگئی۔ ہم لوگ بھی انتظار سے اکتا چکے

تھے۔ صبر و ضبط کا امتحان اپنے ظرف کے لائق ہو چکا تھا اور وہ جو گھر سے یہ اُمید لے کر چلا تھا کہ وسط شوال میں ارض مبارک میں پہونچ جائے گا۔ اسے وسط شوال تک بمبئی ہی میں رکا رہنا پڑا۔ ۲۷، ۲۸ مارچ کی درمیانی شب خاص شوق و اشتیاق میں گزری۔

جمعرات ۲۸ مارچ مطابق ۱۶ شوال۔ جہاز آج سارا دن گزار کر ۱۱ بجے شب کو چھوٹنے والا تھا، لیکن حاجیوں کو یہ حکم ملا تھا کہ ۸ بجے صبح اپنا سامان جہاز پر رکھ دیں اور خود ۳ بجے سہ پہر کو بھپارہ (ڈیس انفکشن) کے لیے حاضر ہو کر قبل مغرب جہاز پر سوار ہو جائیں۔ اس حکم کی تعمیل میں سامان صبح روانہ کر دیا گیا تھا۔ لیکن اس کی روانگی میں کسی قدر دیر ہو گئی۔ دوسرے حاجی بہت قبل سے پہونچ کر ساری اچھی جگہیں اپنے اسباب سے گھیر چکے تھے۔ حج کا سفر اللہ نے اس لیے رکھا ہے کہ بندہ کو بندہ بننے کی عادت پڑے۔ بندہ، بندگی، ایثار، بے نفسی کا سبق حاصل کرے، لیکن بندوں میں ٹھیک اس کے برعکس خود غرضیوں کا زور ہوتا ہے، اور ہر شخص اسی فکر میں لگا رہتا ہے کہ دوسروں کو دھکہ دیکر ڈھکیل کر، ڈرا دھمکا کر، جس طرح بھی ممکن ہو اپنے لیے بہتر سے بہتر جگہ حاصل کر لے، اور دوسروں کے حقوق اور ان کی تکلیفوں کا مطلق لحاظ نہیں رہتا۔ عموماً کامیاب وہی رہتے ہیں جو ہاتھ پیر کے زبردست ہوتے ہیں یا پھر وہ جو جہاز کے ملازموں کو دے دلا کر اپنا کر لیتے ہیں۔ سہ پہر کو ہم لوگ بھپارہ گھر حاضر ہوئے

سعد اردو 85
HARDAYAL PUBLIC LIBRARY, DELHI
Acc. No. 16427 — 1962

جس کی عمارت پرنس ڈک سے ایک آدھ فرلانگ کے فاصلہ پر ہے، یہاں کا سماں دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے، حاجیوں کی جماعت اس وقت انسانوں کی جماعت نہ تھی، بھیڑ، بکریوں کا ایک غول تھا، جسے پولیس کے کانسٹبل اور شفاخانہ کے ملازم جس طرح اور جس طرف چاہیں ہانکتے رہیں۔ سنتے ہیں کہ بمبئی میں ہماری مہربان سرکار کی طرف سے کوئی محکمہ "محافظ حجاج" بھی قائم ہے! "محافظت" کی نئی اور انوکھی صورت آج دیکھنے میں آئی کہ بیچارے عوام کالانعام کا ذکر نہیں اچھے اچھے معززو ذی مرتبت حاجی، فرسٹ کلاس کا ٹکٹ رکھنے والے، تیز دھوپ میں حیران و پریشان، ہجوم میں دھکے کھاتے پھرتے ہیں! اور عورتوں بیچاریوں کی حالت اس سے بھی کہیں ابتر، یہ سزا ہے یاجوجی حکومت کی طرف سے اس جرم کی کہ اس بیسویں صدی کی روشنی میں بھی لندن اور پیرس، روما اور ویانا، اکسفورڈ اور کیمبرج، گلاسکو، اور ایڈنبرا، نیویارک اور واشنگٹن کو چھوڑ کر ایک ریتیلے بیابان اور پتھریلے ویرانہ کی طرف کیوں ذوق و شوق سے رخ کیا جارہا ہے! حدیث نبویؐ میں یہ بے شبہ ارشاد ہوا ہے کہ حج یاجوج کے زمانہ میں جاری رہے گا۔ لیکن یاجوجی دور کی حکومتیں حاجیوں کے ساتھ کیا برتاؤ کریں گی، اور حاجیوں پر کیا کچھ گزرتی رہے گی۔ اس کا تعلق سننے سے نہیں دیکھنے سے، مطالعہ سے نہیں، مشاہدہ سے، اور خبر سے نہیں، تجربہ سے ہے! یہ سچ ہے کہ اللہ کے راستہ میں نکلنے والوں کے لیے ہر تکلیف عین راحت اور ہر توہین عین عزت ہے۔ لیکن جو طاغوتی قوتیں آج اپنے دست و بازو پر

نازاں ہیں وہ سُن رکھیں کہ یہ امتحان اللہ کی راہ میں نکلنے والوں کے صبر وضبط کسرِ نفس خود شکنی کا نہیں، بلکہ خود زمین و آسمان کے پروردگار کے حلم کا امتحان ہے!

شوکت صاحب کل شب میں دہلی روانہ ہو گئے تھے۔ آج ان کی جانشینی زاہد سلمہٗ کے حصہ میں آئی بھپارہ اور جہاز کے سارے معرکے زاہد صاحب ہی کے مدد سے سر ہوئے "مادر اگر پدر نہ تواند پسر تمام کند" کے پرانے مقولے کی آج نئی تصدیق حاصل ہوئی۔ اللہ اس نوجوان ہونہار کو اپنے حفظ و امان میں رکھے اور اسے پختہ دیندار مسلمان بنا دے۔ زاہد صاحب مولانا شوکت علی کے لڑکے ہی نہیں، مولانا محمد علی کے بھتیجے اور داماد بھی ہیں، تین سال قبل دہلی میں روزنامہ ہمدرد کے مینجر تھے ان کی عملی صلاحیتوں اور انتظامی قوتوں کے تجربے اس وقت سے رکھتا ہوں۔ انجمن خدام النبی کے کارکن بڑی محبت اور سیر چشمی کے ساتھ حاجیوں کو برف و شربت سے سیراب کرتے ہوئے دکھائی دیئے۔ کاش سرکار دولتمدار کے محکمہ محافظ حجاج میں اتنی ہی ہمدردی و انسانیت ہوتی! گھنٹوں کے انتظار کے بعد بھپارہ خانہ میں ہم لوگوں کی بھی "ڈاکٹری" ہوئی یعنی برائے نام ہماری نبضوں پر ہاتھ رکھ کر دو دو سکنڈ میں اس سوانگ کو ختم کر دیا گیا، اور عصر کے آخر وقت تک سب کے سب حاجی جہاز پر سوار ہو گئے۔ مجموعی تعداد قریب پندرہ سو کے پہونچی جہاز کے چھوٹنے کا وقت سمندر کے مد کے حساب سے ۱۱ بجے شب کا مقرر تھا اُس وقت سے لے کر اِس وقت تک انسانوں کے اتنے بڑے مجمع کو، جس میں

بوڑھے اور بچے، تندرست اور بیمار، توانا اور کمزور سبھی تھے، حوائج بشری سے بالکل پاک اور منزہ فرض کرلیا گیا تھا۔ گویا جہاز کا عرشہ جنت کا صحن تھا جہاں کسی کو قضائے حاجت کی ضرورت ہی نہ پیش آئے گی! جہاز میں پیشاب اور پاخانے کی متعدد جگہیں بنی ہوئی تھیں، لیکن اس وقت سب کی سب مقفل تھیں اور جب تک جہاز چھوٹ نہ لیا، بدستور مقفل رہیں! سنا، کہ جہاز جب تک گودی ڈک میں لگا رہتا ہے اس اندیشہ سے کہ کہیں ساحل سمندر گندگی و غلاظت سے لبریز نہ ہو جائے برابر اسی طرح جہازوں کے پاخانے مقفل رہا کرتے ہیں! ۳ بجے سہ پہر کا وقت مقرر تھا۔ بہت سے غریب حاجی ۲ بجے اپنے اپنے ٹھکانوں سے روانہ ہوئے تھے، اس وقت سے لے کر ۱۱ بجے تک یعنی پورے ۹ گھنٹے کی مدت میں کمزور مثانہ والے حاجیوں پر کیا گزری، کیا اس کی تصریح کی ضرورت ہے؟

ٹھیک ۱۱ بجے شب کو جہاز میں حرکت ہوئی، اور اس نے آہستہ آہستہ ساحل کو چھوڑنا شروع کیا، لیجئے دیکھتے ہی دیکھتے قرب وجوار کی ساری عمارتیں نظروں سے پوشیدہ ہوگئیں، اور صرف ان کی روشنیاں باقی رہ گئیں۔ اللہ اللہ! کیا وقت ہے! کیا سماں ہے؟ جہاز میں حرکت تو خیر جیسی کچھ بھی ہو اپنے دل کی حرکت کا کیا حال ہے؟ وطن ہر لحظہ دور ہوتا جاتا ہے، وطن کی دلچسپیاں ساری کی ساری پیچھے چھوٹی جاتی ہیں، بیوی بیشک ساتھ ہیں، لیکن بچیاں وہیں ہیں والدہ ماجدہ وہیں ہیں، بھائی وہیں ہیں، بہن وہیں ہیں، سارے اعزہ اور دوست

وہیں ہیں ۔ ساتھ کام کرنے والے وہیں ہیں، لیکن ۔ بحمداللہ دل میں اس وقت ان میں سے کسی کی فکر نہیں، فکر ان کی نہیں جو پیچھے چھوٹ رہے ہیں فکر ہے تو ان کی جو آگے ملنے والے ہیں، دوستو! عزیزو! خدا حافظ! خاک وطن کے ذرّو! خدا حافظ! سب کو اسی مالک و مولا کے سپرد کیا، سب کو اسی کریم و رحیم کی حفاظت میں دیا جس کے ایک مادّی در پر جبیں سائی کو یہ ننگ وطن و ننگ خاندان اس وقت روانہ ہو رہا ہے اس کی خطائیں معاف کرو، اس کے قصوروں سے درگزرو اس کی بیہودگیوں پر خاک ڈالو۔ اللہ تمہارے مرتبے بلند کرے گا۔ اللہ تمہاری خطاؤں کو معاف کرے گا۔

لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ. اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ اِلَيْكَ تَوَجَّهْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَوَجْهَكَ اَرَدْتُّ فَاجْعَلْ ذَنْبِيْ مَغْفُوْرًا وَحَجِّيْ مَبْرُوْرًا وَارْحَمْنِيْ وَلَا تُخَيِّبْنِيْ وَاقْضِ بِعَرَفَاتٍ حَاجَاتِيْ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔

خواجہ حافظ نے مدت ہوئی فرمایا تھا ؎

شب تاریک و بیم موج و گردابے چنیں حائل
کجا دانند حال ما سبکساران ساحلہا

لیکن حقیقت یہ ہے کہ شب تاریک ہی نہیں روز روشن میں بھی، اور "بیم موج" ہی کے وقت نہیں، سمندر کے سکون کے وقت بھی، اور گرداب و تلاطم ہی کی حالت میں، نہیں پوری ہمواری کی حالت میں بھی حاجیوں کے جہاز کی کیفیت

کا اندازہ صرف حاجی ہی کرسکتے ہیں۔ بغیر آپ بیتی کے "سبکسارانِ ساحل" اس کا صحیح اندازہ کرنے سے بالکل قاصر ہیں، ریل کے سفر میں جو سہولتیں بالعموم حاصل رہتی ہیں وہ ان جہازوں میں عنقا کا حکم رکھتی ہیں۔ تھرڈ کلاس والوں کا ذکر نہیں وہ مخلوق تو شاید سختیاں اٹھانے اور تکلیفیں جھیلنے کے لیے پیدا ہی ہوئی ہے۔ سکنڈ کلاس بلکہ فرسٹ کلاس والوں کو بھی قدم قدم پر یہ محسوس کرایا جاتا ہے کہ وہ سیر و سیاحت کے اور لطف و تفریح کے لیے نہیں عبادت کے لیے، مجاہدہ کے لیے، کسرِ نفسی کے لیے گھروں سے نکلے ہیں۔ اور خدا بننے کے لیے نہیں۔ بندہ بننے کے لیے چلے ہیں! اکبر کا شمار اچھے خاصے جہازوں میں ہے۔ سب سے نیچے کا حصّہ ریل کی مال گاڑیوں کی طرح مال کے لیے مخصوص ہے اس "اسفل سافلین" کے مقابلہ میں "اعلیٰ علین" یعنی جہاز کا سب سے اونچا عرشہ اعلیٰ فرنگی افسروں، کپتان چیف آفیسر، انجینیر وغیرہ کے لیے مخصوص! چھوٹی چھوٹی کوٹھریاں جن میں نہ پنکھا نہ ہوا کا گذر، نہ پاخانہ۔ نہ غسل خانہ، اوپر تلے دو بنچیں" ان کا نام "سکنڈ کلاس کیبن جن کا کرایہ تھرڈ کلاس سے ڈھائی گنا! فرسٹ کلاس بھی اس قدر تنگ و مختصر البتہ ان کا مقام نسبتاً بہتر، اور پنکھا ان میں موجود لیکن پاخانہ اور غسل خانہ ان کے ساتھ بھی نہیں! اور فرسٹ کلاس کے مسافر کو خاصی مسافت طے کر کے پیشاب کی ضرورت کے لیے ہر مرتبہ اس عام مشترک بیت الخلا تک جانا ہوتا ہے جس پر فرسٹ کلاس اور سکنڈ کلاس دونوں کے کل مسافروں کا یکساں حق ہوتا ہے! پھر زنانہ اور مردانہ کی بھی تفریق نہیں۔ سب کے لیے ایک ہی کافی! ایسی صورت میں اگر دروازہ پر دس دس منٹ تک لوٹا ہاتھ میں لیے امیدواری کرتی رہنا پڑے

تو اس پر حیرت نہ کیجئے! طہارت کا انتظام بمنزلہ صفر! گندگی دور ہونے کے بجائے کپڑوں کے نجس ہو جانے کا اندیشہ ہر وقت لگا ہوا! آرام و آسائش کا یہ معیار فرسٹ کلاس والوں کے لیے ہے!

"جس کی بہار یہ ہو پھر اس کی خزاں نہ پوچھ" اگر بہار سے خزاں کا اندازہ کرنا ممکن ہے تو فرسٹ کلاس کی حالت سے تھرڈ کلاس کا بھی اندازہ کر لینا ممکن ہے. جہاز کے اسفل سافلین سے اوپر کے دو درجے تھرڈ کلاس والوں کے لیے ہوتے ہیں! لیکن انھیں درجہ قرار دینا خود لفظ کی تحقیر کرنا ہے! یہ درجے کیا ہوتے ہیں بھیڑ بکریوں کے باڑے ہوتے ہیں جن میں بے زبان جانوروں کے بجائے بے زبان (اور شاید بے جان بھی) کالے آدمیوں کو الٹا سیدھا تلے اوپر بھر دیا جاتا ہے! ادھر کوڑے کے ڈھیر، ادھر غلاظت کے انبار! ادھر کھانا پک رہا ہے اور دھواں ہے کہ آنکھ اور ناک میں گھسا جا رہا ہے. ادھر سامنے بیٹھے ہوئے چھوٹے بچے ہی نہیں، ان کے باپ اور چچا، پیران نابالغ ہر قسم کے شرم و غیرت کو بالائے طاق رکھے ہوئے بلا تکلف پیشاب اور پاخانہ کے مشاغل میں مصروف! روشنی کا گزر دشوار، اور ہوا کا گزر دشوار تر! رہے تھرڈ کلاس کے پاخانے اور غسل خانے، تو ان کا تو تصور بھی نفیس مزاجوں پر بار ہوگا! جہاز کا نیچے والا عرشہ (ڈک) جہاں فرسٹ کلاس کیبن ہوتے ہیں، درحقیقت فرسٹ اور سکنڈ کلاس والوں کا برآمدہ ہوتا ہے جو تھرڈ کلاس والے تیلوں یا جہاز والوں کو

کچھ دے دلاکر یہاں قبضہ کر لیتے ہیں، وہ مزے میں رہتے ہیں، اور مسافروں میں بڑے خوش قسمت سمجھے جاتے ہیں۔ میٹھا پانی اول تو ملتا بہت محدود مقدار میں ہے، پھر اس کے ملنے کے اوقات مخصوص معین اور مختصر۔ یہی حال کھانا پکانے کی لکڑی کا ہے جو جہاز پر بلاقیمت تقسیم ہوتی رہتی ہے۔ پانی اور لکڑی دونوں کی تقسیم کے وقت جو ہنگامہ ہوتا ہے جس طرح کنستر کنستر اور سر سے سر ٹکراتے ہیں، اور بوڑھوں اور کمزوروں کو جس قیامت کا سامنا ہوتا ہے، ان سب کا تعلق دیکھنے سے ہے۔ سننے سے نہیں۔ لیکن درحقیقت صبر و شکر کا سبق بھی اللہ کی اسی بے زبان مخلوق سے لینا چاہیے۔ دیکھنے والوں کو ان پر ترس آرہا ہے لیکن وہ اپنے حال میں مست، اپنی دُھن میں مگن! انھیں نہ برقی قمقموں کی طلب، نہ پنکھے کی ہوس، نہ برف کی خواہش، نہ لائم جوس کی تمنا، کہیں تلاوت ہو رہی ہے، کہیں وعظ کی محفل گرم کہیں دیگچیاں مانجی جارہی ہیں۔ کہیں کپڑے اپنے ہاتھ سے دُھل رہے ہیں۔ کہیں روٹیاں توے پر پڑ رہی ہیں۔ اور تقریباً سارے کے سارے بے فکر و بے غم! ان کا میلاپن قابل نفرین، لیکن ان کا صبر قابل رشک! ان کا شکر قابل داد۔ اور ان کی ہمت قابل آفریں!

مغرور و برخود غلط، متمرد و سرکش، غافل و مدہوش، خاک کا پتلا، کس قدر اپنی حیثیت کو بھولا ہوا، اور اپنی حقیقت کو بھلائے ہوئے ہے، حج کا سفر ایثار و فدویت، فروتنی و نفس شکنی کا مدرسہ ہوتا ہے۔ اس پر بھی نفس کی فربہی میں ایک

ذرہ کمی نہیں، انانیت ہر ہر قدم پر زندہ، اور نفس پرستی کے مطالبات لمحہ لمحہ پر! مصائب سفر کا بیشتر حصہ تو خیالی اور اپنے دماغ کا پیدا کردہ ہوتا ہے، باقی تھوڑی بہت تکلیفیں جو واقعی ہوتی ہیں، سو، اے عزیز! اگر یہ علم صحیح قائم ہو جائے کہ یہ کس کی راہ میں پیش آ رہی ہیں تو تمام تکلیف آرام اور درد راحت سے تبدیل ہو جائے۔ ہر گمرہی کی بنیاد انسان کے اسی جذبہ پر ہے کہ وہ اپنی مرضی کو سب پر حکمراں دیکھنا چاہتا ہے، اسلام اسی باطل پرستی کی تصحیح کے لیے ہے۔ اسلام کے معنی اپنی مرضی کو اپنے پیدا کرنے والے کی مرضی کے محکوم کر دینے کے ہیں، اور فریضۂ حج اسی مقصد کی تکمیل کا ایک آلہ ہے۔ پھر اگر راستہ میں کچھ امور ناخوشگوار پیش آئیں تو ان پر بے صبری کا اظہار کتنی بڑی محرومی و بدنصیبی ہے! دنیا میں کسی کے ساتھ ذرا سا دل کا لگاؤ پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر دیکھیے کہ اس کی گلی کا ہر کانٹا کس طرح پھول بن جاتا ہے۔ پس وہ جو سب محبوبوں کا محبوب ہے اور سب کی محبتوں کا تاجدار ہے، اگر اس کی راہ میں کوئی بات خلاف مزاج یا خلاف توقع پیش آئے تو وہ بات ہی ایسی کیا ہو سکتی ہے جس کے چرچے زبانوں پر لائے جائیں اور جس کے تذکرے اخبارات کے کالموں اور سفرنامہ کے صفحات میں پھیلائے جائیں!

باب (۴)

جہاز — سمندر

قافلہ کے دونوں جزو ملا کر ہم لوگ کل ۱۶ آدمی تھے۔ سکنڈ کلاس کی حالت اوپر بیان کی جا چکی ہے۔ حاجیوں کے جہاز پر سکنڈ کلاس کا ٹکٹ لینا بالکل نادانی ہے، ریل کے سکنڈ کلاس پر ہرگز اسے قیاس نہ کیا جائے۔ وہ آرام و آسائش یہاں خواب و خیال ہے۔ ساڑھے چار سو اور ساڑھے پانچسو کی رقم کے درمیان کچھ بہت زائد فرق نہیں، جو لوگ صاحب استطاعت ہیں، انھیں چاہیے کہ فرسٹ کلاس کا ٹکٹ لیں۔ ورنہ پھر تھرڈ ہی پر قناعت کرلیں۔ ہم لوگوں نے چار ٹکٹ فرسٹ کے خریدے باقی بارہ تھرڈ کے تھے، ان ہی بارہ میں ہم میاں بیوی بھی تھے۔ تھرڈ سے زیادہ کی بجٹ میں گنجائش نہ تھی طے کر چکے تھے کہ بری بھلی جس طرح بھی گزرے گی، بہرحال ہزاروں دوسری مخلوق خدا کی طرح برداشت ہی کرلیں گے۔ مگر اب اللہ کی کارسازی ملاحظہ ہو۔ شوکت صاحب خود مجھے لے کر ٹرنر مارسین کے دفتر میں گئے اور لگے میرا تعارف اپنی زبان اور اپنے لہجے میں کرنے، ان کی زبان کون پکڑ سکتا تھا، جو کچھ جی میں آیا فرماتے رہے، نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑی ہی دیر کے بعد ہم میاں بیوی کے ٹکٹ

تھرڈ کلاس کی قیمت کے ساتھ فرسٹ کلاس کے ہو گئے! دفتر ہی میں جہاز اکبر کا نقشہ دیکھ کر ہمارے فرسٹ کلاس والے ساتھیوں کے لیے دو کیبن مخصوص و نامزد ہو گئے۔ اور ہم میاں بیوی کے لئے کمپنی والوں نے سب سے اوپر کا عرشہ کا وہ کیبن یعنی (CABINE DE LUXE) مخصوص کر دیا جس کی تمنا فرسٹ کلاس والوں کو بھی رہا کرتی ہے۔ سب سے اوپر کے عرشہ پر بجز انگریز افسروں کے اور کسی کا کیبن نہیں ہوتا۔ صرف یہی ایک کیبن خالی ہوتا ہے جو کپتان کے کیبن سے بالکل ملا ہوتا ہے اور خوش نصیبوں ہی کے حصہ میں آتا ہے۔ اس طرح سب سے کم خرچ میں سب سے اونچی اور ہوا دار جگہ پا کر، صحیح معنی میں "کم خرچ بالا نشین" بنا ہوا تھا۔

کریم کی دستگیریاں اور مشکل کشائیاں ملاحظہ ہوں، کمزوروں اور ناتوانوں کی کس کس طرح دستگیری کی جاتی ہے اور بزدلوں اور پست ہمتوں کی ہمت کس کس طرح بندھائی جاتی ہے! جہاز بھر میں جو سب سے زیادہ کم ہمت اور مشقت سے بھاگنے والا تھا اسی پر سب سے زیادہ الطاف وعنایات کی بارش ہوئی اور وہ جو قدم قدم پر راحت کا حریص اور آسائش کا بھوکا تھا، اسے کیا کیا نوازا گیا! اور کن کن طریقوں سے بہلایا گیا! كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ۔ بیمار بچہ جب دوا سے اور بدشوق بچہ جب مدرسہ سے بھاگتا ہے تو دایہ کس کس طرح بہلاتی ہے اور

ماں کیسے کیسے لالچ دلاتی ہے۔ پھر وہ جس کی رحمت وشفقت نے ہر دایہ سے بڑھ کر چاہت اور جس کی ربوبیت وکریمی نے ہر ماں سے زیادہ ممتا، اپنے اوپر لازم کر رکھی ہے، کیونکر ممکن تھا کہ اپنی خلقت کے نادان اور نافہم ضدی اور ہٹیلے بچوں کو یوں ہی بھٹکتا اور بہکتا چھوڑ دے!

اے خدا از فضل تو حاجت روا　　با تو یاد ہیچ کس نبود روا
تلخ تر از فرقتِ تو ہیچ نیست　　بے پناہت غیر ہیچا ہیچ نیست
دست ما چو پائے ما را می خورد　　بے امانِ تو کسے جاں کے برد

ہر سفر کی خوشگواری و ناخوشگواری میں بہت کچھ دخل سفر کے رفیقوں کو ہوتا ہے۔ رفیق اگر ہم مذاق ہیں تو ہر سفر خوشگوار بن سکتا ہے، اور اگر رفیق ناجنس ملے تو کوفت بھی اسی درجہ کی ہوتی ہے۔ جہاز کے سفر میں جہاں ساری بیرونی دنیا سے بے تعلقی ہو جاتی ہے اور ڈیڑھ ڈیڑھ، دو دو ہفتہ یہ بے تعلقی قائم رہتی ہے۔ رفیقوں کا سوال اور زائد اہم ہو جاتا ہے۔ ہمارے قافلہ کے جو اصلی اجزا تھے ان کا ذکر اوپر آچکا، مولوی عبد الباری ندوی کے والد ماجد حکیم عبد الخالق صاحب[1] کی رفاقت بڑی مفید ثابت ہوئی، وہ محض ایک عبادت گزار درویش صفت بزرگ ہی نہیں، بلکہ تجربہ کار طبیب بھی ہیں۔ اور اپنے ہمراہ مجربات کا ایک پورا بکس لے

---

[1] افسوس ہے کہ حکیم صاحب کا انتقال سفر حج سے واپسی کے چند ہی روز بعد ہو گیا۔

گئے تھے۔ راستہ میں تھوڑا بہت بیمار پڑنا ناگزیر سا تھا، سارے قافلہ کو کم وبیش حکیم صاحب اور ان کے مجربات کی ضرورت پڑی اور سب کے دلوں سے ان کے حق میں دعائے خیر نکلی۔ مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی کا سوز وگداز، علم وفضل ذوق وجوش ہر موقع پر ایک نئے رنگ میں نمایاں ہوتا رہا۔ اور ان کی ایمان پرور تقریریں اور نظمیں خدا معلوم کتنے دلوں کو گرماتی اور کتنے ایمانوں کو تازہ کرتی رہیں۔ ان کے عزیز مولوی شاہ لطف اللہ مونگیری[۱] (خلف مولانا شاہ محمد علی مونگیری قدس سرہ) بھی مع اپنی پارٹی کے بمبئی سے ہمراہ ہو گئے تھے، بہار ہی کے ایک منصف نصیر الدین صاحب بھی مع اپنے صاحبزادے ضمیر الدین صاحب کے جو اپنے صوبہ کی خلافت کمیٹی کے ایک پرجوش کارکن معلوم ہوتے ہیں، جہاز پر ملے، اور تھوڑی ہی دیر میں ہم لوگوں سے گھل مل گئے۔ مولوی عین الحق صاحب پنشنر جج عدالت خفیفہ جو کسی زمانے میں بہاری تھے۔ مگر اب لکھنوی ہو گئے ہیں والد ماجد مرحوم کے ملنے والوں میں ہیں اور دو حج اس کے قبل کر چکے ہیں، ابکی مرتبہ اپنے تیسرے حج میں اسی جہاز پر ہیں۔ انھیں دیکھ کر قدرت خدا نظر آتی ہے۔ لباس اس درجہ سادہ، مزاج اس درجہ قانع، یقین ہی نہیں آتا کہ یہ بی اے بی، ایل ہیں اور جج بھی رہ چکے ہیں[۲]۔ غازی پور کے گریجویٹ وکیل مولوی رفیع اللہ

۱؎ شاہ صاحب بھی اس وقت تک مرحوم ومغفور ہو چکے ہیں۔

۲؎ افسوس ہے کہ وہ بھی اس وقت تک گزر چکے ہیں۔

صاحب بھی اسی قبیل کے انسان نظر آئے، ان کی شب بیداری، ان کی سادگی اور ان کے ذوق عبادت پر بار بار رشک آتا ہے۔ سب سے زیادہ دلچسپ ہستی ہمارے وطن کے چودھری محمد علی (چمرو) تعلقدار ردولی کی ہے، جو لوگ اس ہنسنے والے اور ہنسانے والے زندہ دل رئیس سے واقف ہیں وہ خدا معلوم ان کے سفر حج کی خبر کو باور کیوں کر کریں گے۔ لیکن کریم کی کریمی میں کسی کا کیا اجارہ ہے وہ جسے چاہے، دم بھر میں نواز دے! ہندوستان کی شیعی جماعت کے شاید وہی تنہا ہیں، جو اس جہاز پر مع اپنی سُنّی اور دیندار زوجہ محترمہ کے[1] حج بیت اللہ کے لئے چل رہے ہیں۔ ان سب رفیقوں اور جلیسوں نے مل جل کر سفر میں وطن کی شان پیدا کر دی تھی۔

سنتے تھے کہ جہاز میں متلی کی شکایت عام رہتی ہے اور اکثروں کو چکر آتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ بعض لوگوں کی حالتیں خراب ہو ہو جاتی ہیں، ہم لوگوں نے اس کی پیش بندی میں کاغذی لیموں بہت سے ساتھ رکھ لیے تھے۔ بہتوں کے ساتھ املیاں تھیں، ہلکی ترشی لیے ہوئے رسیلے موسمی پھل اکثر متلی اور دوران سر میں مفید ثابت ہوتے ہیں، بعض لوگوں نے ایک انگریزی پیٹنٹ دوا (MOTHERSEGAITSANTI-SEASICKNESS) کے قرص جو خاصے گراں اس وقت بھی ملتے تھے، بمبئی سے خرید کر ہمراہ لے لیے تھے، لیکن بحمد اللہ ان چیزوں کے استعمال کی ضرورت اکثر کو مطلق نہیں پیش آئی۔ اس کی ایک خاص وجہ ماہرین

[1] یہ صابرہ و شاکرہ خاتون بھی اس وقت تک راہی جنت ہو چکی ہیں۔

سفر دریائی نے یہ بیان کی کہ آخر مارچ اور شروع اپریل کے مہینے سفر بحری کے لیے خاص طور پر موزوں ہیں۔ سمندر اس زمانہ میں خاموش اور پرسکون رہتا ہے البتہ برسات کے موسم میں خصوصًا اس کے آغاز میں اور اس کے اختتام پر سمندر میں شدید تلاطم برپا رہتا ہے۔ اور طاقتور موجیں ہولناک حد تک بلند ہو ہو کر جہاز سے ٹکراتی رہتی ہیں۔ ان سے جہاز ہنڈولے کی طرح ڈانوا ڈول ہونے لگتا ہے۔ یعنی دائیں اور بائیں پہلوؤں پر جھکنے اور اٹھنے لگتا ہے۔ اسی سے آلاتِ ہضم میں ہیجان پیدا ہو جاتا ہے اور انسان دوران سر اور متلی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ ہمارا جہاز تقریبًا بالکل محفوظ رہا۔ اور بجز معدودے چند اشخاص کے اور کسی کو قابل ذکر شکایت نہیں پیدا ہوئی۔ ایک بات اپنے اور دوسروں کے تجربہ سے یہ معلوم ہوئی کہ پرخوری اور خلوے معدہ دونوں اس حالت میں مضر ہیں، اور ایک طرف اگر ثقیل، دیرہضم غذاؤں سے بچنے کی ضرورت ہے، تو دوسری طرف بالکل بھوکے رہنے سے بھی۔ بجائے اس کے کہ ایک یا دو بار کھانا خوب شکم سیر ہو کر کھا لیا جائے یا محض فاقہ کیا جائے۔ چائے اور ناشتہ کی ہلکی غذائیں خصوصًا ہلکے رسیلے پھل اگر دن میں بار بار استعمال میں آتے رہیں تو انشاء اللہ جہاز کی بیماری سے نجات رہے گی۔ ایک اور ضروری شے تازہ ہوا ہے۔ تھرڈ کلاس والے بیچارے ایک بڑی حد تک اس نعمت سے محروم رہتے ہیں تاہم جس حد تک بھی ممکن ہو اس کی طرف انھیں سبقت کرتے رہنا چاہیئے۔ اپنا ذاتی تجربہ ایک یہ بھی ہے کہ نگاہ کو حتی الامکان اگر جہاز کے کناروں پر نہ جمنے دیا جائے

بلکہ سمندر کے زیادہ سے زیادہ دور کے حصوں پر جمایا جائے تو بھی سر کے چکر سے نجات رہتی ہے۔

حکمراں قوم کا ہر فرد اپنے کو حاکم سمجھتا ہے چنانچہ گوری حکومت میں کوئی گورا کہیں اور کسی مرتبہ پر بھی ہو ماتحت نہیں، حاکم، اور خادم نہیں، آقا بن کر رہتا ہے حاجیوں کے جہاز اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں ہوتے ظاہر ہے کہ یہ کمپنیاں حاجیوں کے روپیہ سے زندہ ہیں۔ اور ان کا مقصدِ وجود حاجیوں کی خدمت ہے تاہم جہاز کے جتنے بڑے عہدہ دار تھے سب فرنگی ہی تھے۔ کپتان انگریز، چیف آفیسر انگریز، سکنڈ افیسر انگریز، انجنیر انگریز، سگنلر انگریز، وائرلیس سنیر آپریٹر انگریز، جونیر آپریٹر انگریز وغیرہ اور غیر مسلم تو چھوٹے بڑے تقریباً سب ہی عہدہ دار تھے اور سب کا برتاؤ حاجیوں کے ساتھ وہی تھا جو "گوروں" کا "کالوں" کے ساتھ اور "صاحب" کا "نیٹو" کے ساتھ ہر جگہ رہا کرتا ہے۔ تاہم شاید یہ حاجیوں کی طویل صحبت کی برکت تھی یا کیا کہ برتاؤ فی الجملہ نرم و مہذب تھا، اور سختیاں نسبتاً کم تھیں، جہاز کا سب سے بڑا افسر کمانڈر یا کپتان کہلاتا ہے۔ فرنگیوں سے بات چیت کرنے کو اب مدت سے جی نہیں چاہتا تاہم اس جہاز کا کپتان پی، ایچ، وارڈ ایک نیک دل اور سادہ مزاج انگریز ہے جو حاجیوں سے ہمدردی بھی خاصی رکھتا ہے۔ اس سے اکثر بات چیت ہوتی رہتی تھی، جہاز کا چیف آفیسر گبن بھی ایک خوش مزاج نوجوان انگریز ہے۔ اس سے بھی کبھی کبھی گفتگو

ہوتی رہتی۔ کپتان کے دروازے سے تو اپنی کیبن کا دروازہ ہی ملا ہوا تھا
بار بار سابقہ پڑتے رہنا ناگزیر تھا۔

حاجیوں کے جہاز پر ابتدا سے کھانے کا مسئلہ بہت اہم رہا کرتا ہے، جہاز پر جو ہوٹل جہاز کے افسروں کے لیے ہوتا ہے۔ اول تو عام مسافروں کے لیے ہوتا نہیں۔ صرف فرسٹ کلاس والوں کے لیے ہوتا ہے۔ پھر کھانے کے دام زائد اور کھانا انگریزی مذاق کا۔ اس لیے عموماً حاجیوں کے لیے اس کا وجود بیکار ہی ثابت ہوتا ہے، اور ہر حاجی کو کھانے اور کھانا پکانے کا سارا سامان لاد کر لے جانا پڑتا ہے۔ آٹا، دال، چاول، گھی، مسالہ، دیگچیاں۔ برتن، چولھا، سل بٹہ، لکڑی چیرنے کی کلہاڑی، اور خدا معلوم اور کیا کیا، بوریوں میں بھر کر لادنا پڑتا ہے۔ جس کی زحمت و مشقت محتاج بیان نہیں۔ اگلی سال خدا کے فضل سے یہ زحمت ایک بڑی حد تک دور ہو گئی تھی[1] "مسلم پلگرمس فوڈ سپلائی" کمپنی کے نام سے حاجی سیٹھ عمر بھائی چاند بھائی کے زیر اہتمام و نگرانی، ٹرنر ماریسن کے جہازوں پر کھانے کی دو کانیں اس سال سے کھل گئیں۔ چنانچہ اکبر پر بھی اس کمپنی کی طرف سے ایک مسلم ہوٹل موجود تھا۔ کسی ہوٹل کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ ہر شخص کے ذائقہ کا یکساں لحاظ رکھے۔ اور پھر یہ ہوٹل تو ابھی بالکل نیا تھا۔ ناتجربہ کاری کی

---

[1] اور اس کے بعد سے مستقل طور پر دور ہو گئی۔ اب کسی کو بھی اتنے کھڑاگ کی ضرورت نہیں۔

لغزشیں ناگزیر تھیں، پھر بھی ہونہار ہوٹل نے اپنی بساط کے موافق بہت آرام پہونچایا اور اس کے مینجر اور اسسٹنٹ مینجر نے حاجیوں کو خوش اور مطمئن رکھنے میں اپنی والی پوری کوشش جاری رکھی۔ افسوس ہے کہ کمپنی والوں نے ہوٹل کو کافی مشتہر نہیں کیا تھا۔ اور ہوٹل کھلنے کی اطلاع صرف چند اخباروں تک محدود رہی تھی، اس لیے حاجیوں کے عام اور دیہاتی طبقہ کو اس کی اطلاع بھی نہیں ہو سکی تھی، اور وہ لوگ حسب دستور اپنے اپنے گھروں سے پورا سامان لاد کر لائے تھے اور اپنا کھانا اپنے ہاتھ سے پکاتے رہے، آئندہ کے لیے مخلصانہ مشورہ یہ ہے کہ حاجی صاحبان بڑی تعداد میں اس ہوٹل کی سرپرستی فرمائیں (بشرطیکہ یہ کمپنی مسلمانوں کی عام غفلت و بے حسی کا شکار ہو کر ٹوٹ نہ جائے) اس میں سہولت بھی رہے گی اور کفایت بھی۔ تاہم وقت ضرورت کے لیے مختصر سامان کھانے اور پکانے کا خود اپنے ساتھ بھی رکھنا ضروری ہے۔ محض ہوٹل کے بھروسہ پر رہنا غلطی ہے۔ اور کمزور معدہ والوں کو تو ہرگز کسی ہوٹل کے بھروسہ پر نہ رہنا چاہیے، جو لوگ خوشحال ہیں اور جن کے معدہ اور ذائقہ کو انگریزی کھانا موافق پڑتا ہو وہ جہاز کے انگریزی ہوٹل سے اپنے کھانے کا انتظام بہ آسانی رکھ سکتے ہیں۔ کھانے کی شرح غالباً تین روپیہ یومیہ ہے[1]

---

[1] یہ سب شرحیں ۱۹۲۹ء کی تھیں، جو ۱۹۴۸ء میں محض افسانہ ہیں۔

جہاز پر جہاز کے سوڈیڑھ سو ملازمین کے علاوہ مسافروں کی تعداد قریب پندرہ سو کے ہے، گویا ایک چھوٹے سے قصبہ کی پوری آبادی۔ سب سے بڑی تعداد دیہاتی بنگالیوں کی ہے۔ خصوصاً مشرقی بنگال والوں کی جو بیچارے اپنے جسم اور دماغ دونوں کی کمزوری کی بنا پر بلا ارادہ دوسروں کے لیے باعث تکلیف بنے ہوئے ہیں۔ تھوڑے تھوڑے لوگ بہار، یوپی، مالابار، گجرات اور بمبئی کے بھی ہیں۔ ان ڈیڑھ ہزار میں، سو دو سو ایسے ہیں جو جوان ہیں تندرست ہیں، تعلیم یافتہ ہیں، آسودہ حال ہیں اور دنیوی وجاہت و منصب رکھتے ہیں باقی عموماً بیچارے ایسے ہیں جو بوڑھے ہیں، کمزور ہیں، بیمار ہیں، غریب ہیں لکھنے پڑھنے سے معذور ہیں، جاہ و منصب سے محروم ہیں، گمنام ہیں اور وہ دنیا کو ترک نہیں کر رہے ہیں، بلکہ دنیا انھیں ترک کر رہی ہے۔ کیا حج بیت اللہ انھیں بیچاروں کے لیے فرض رہ گیا ہے؟ اور وہ جو اونچی اونچی کوٹھیوں میں رہتے ہیں، جو سجے سجائے بنگلوں میں بستے ہیں، جو نفیس موٹروں پر سوار پھرتے رہتے ہیں، جن کے بڑے بڑے کھاتے بینکوں میں کھلے ہیں، جو دو دو ہزار چار چار ہزار ماہوار کی تنخواہیں رکھتے ہیں، جو بڑے بڑے تعلقوں اور زمینداریوں کے مالک ہیں جو یورپ اور ہندوستان کی بڑی بڑی ڈگریاں رکھتے ہیں، جو نامور بیرسٹر ہیں، جو مشہور ڈاکٹر ہیں، جو نامی انجینیر ہیں، جو کامیاب ایڈیٹر ہیں، جو خاں بہادر ہیں، جو سی آئی ای ہیں، جو نواب اور نواب زادے ہیں، جو کونسلوں کے ممبر ہیں، جو تھیٹر اور سینما اور ناچ اور ہر فرنگی "آرٹ" کے شیدائی ہیں، جو

اپنی اولاد کو لندن اور پیرس، برلن اور ویانا، آکسفرڈ اور کیمبرج بھیجتے رہتے ہیں، شاید ان سب سے فریضۂ حج ساقط ہوگیا ہے۔

باب (۵)

سمندر — کامران

۲۹ مارچ۔ ساحل بمبئی سے جہاز ۱۱ بجے شب کو چھوٹا تھا۔ رات تو خیر جوں توں کٹ گئی۔ صبح اُٹھ کر دیکھا تو ہر طرف عالم آب۔ جہاں تک بھی نظر کام کرتی ہے بجز پانی کے اور کچھ دکھائی نہیں دیتا اپنی عمر میں یہ منظر کبھی کاہے کو دیکھا تھا۔ بڑے سے بڑے دریا جو اب تک دیکھے تھے وہ بھلا سمندر کے مقابلہ میں کیا حیثیت رکھتے ہیں، صبح سے دوپہر اور دوپہر سے شام اور شام سے پھر صبح، نہ کہیں جہاز رکتا ہے، نہ کوئی اسٹیشن آتا ہے، ہر وقت ایک ہی فضا محیط، ہر سمت ایک ہی منظر قائم! دن طلوع ہوتے ہیں اور ختم ہو جاتے ہیں، راتیں آتی ہیں اور گزر جاتی ہیں، نہ کوئی خط نہ کوئی تار، نہ اخبارات نہ ڈاک کے انبار! نہ کسی عزیز کی خبر نہ دوست کی، نہ اپنوں کا حال معلوم نہ بیگانوں کا، اپنا مٹی کا گھروندا ہے کہ ہر لحظہ پیچھے چھوٹتا جا رہا ہے، پر وہ گھر جسے لامکان کے مکین نے اپنا گھر کہہ کر پکارا ہے ہر آن نزدیک سے نزدیک تر ہوتا جا رہا ہے۔ زمین چھوٹ گئی لیکن آسمان نہیں

چھوٹا۔ ادھر جہاز ہوا اور پانی سے ہچکولے کھا رہا ہے۔ ادھر دل کی کشتی ہے کہ یاس وامید کی کشمکش میں ابھی ڈوبی اور ابھی ابھری (خدا نہ کرے کہ کبھی بھی ڈوبے!) دل ابھی اپنی اس خوش نصیبی پر نازاں کہ کشش کس کو کہاں سے کہاں لئے جا رہی ہے اور ابھی اس خوف سے لرزاں کہ اپنی محرومیوں اور شور بختیوں سے دیکھیے اب بھی نجات ملتی ہے یا نہیں۔ ابوجہل اور ابولہب تو آخر عمر بھر اسی بیت اللہ کے جوار میں رہے پھر انھیں تو کچھ بھی حاصل نہ ہوا، مدینہ کے منافق روزانہ ہی دیدار رسولؐ سے مشرف ہوتے رہے پھر ان کے دلوں کے پتھر تو نہ پسیجے!۔ لیکن یہ کیا وہم آرائی اور کیسی پریشان خیالی ہے، وہ کریم جو اپنے گھر مہمان بلا رہا ہے کیا وہ اپنے در کے گداگروں کی جھولی میں بھیک بھی نہ ڈالے گا؟ اس کی رحمت کی فراوانی اور کرم کی ارزانی نہ حق کو دیکھتی ہے اور نہ استحقاق کو، اسے تو محض عطا و بخشش، محض نوازنے اور سرفراز نے سے سروکار ہے، اور بس!

گھنٹہ دو گھنٹہ نہیں، دن دو دن بھی نہیں، پورا ایک ہفتہ ہو گیا، اور خشکی کا کہیں نشان نہیں، جنگل اور بیابان کے درندے اور باغ وصحرا کے چرندے کیسے، ہوا کے پرندے تک نہیں! ادھر پانی اُدھر پانی، آگے پیچھے، داہنے بائیں، ہر سمت پانی ہی پانی! اوپر نیلا آسمان، نیچے نیلا سمندر! زمین کی بے بساطی اب جا کر محسوس ہوئی! خشکی کے بڑے بڑے شہر، اور صوبے، آبادیاں، اور بستیاں، جنگل اور پہاڑیاں، سڑکیں اور ریل کی پٹریاں، ریگ کے تودے اور پہاڑوں کی

چوٹیاں، جن کی وسعت اور کثرت، عظمت و ہیبت، اب تک دماغوں میں رچی اور آنکھوں کو بسی ہوئی تھی، اب معلوم ہوا کہ خالق کے بحر قدرت کے سامنے نہیں بلکہ اپنی ہی جیسی، ایک دوسری مخلوق کے سامنے کتنی حقیر اور کیسی بے حقیقت چیزیں ہیں! جل جلالہ! جس سمندر کو دیکھتے دیکھتے آنکھیں تھکی جاتی ہیں[1] جو معلوم ہوتا ہے کہ اب کبھی ختم نہ ہوگا وہ دنیا کے پانچ بڑے سمندروں میں سے صرف ایک سمندر ہے اور ان پانچوں میں بھی سب سے بڑا نہیں بلکہ دو سے چھوٹا! پھر ظاہر ہے کہ وہ بھی پورے کا پورا بہ یک وقت پیش نظر نہیں بلکہ اس کا ایک مختصر جزو آنکھوں کے سامنے ہے۔ اللہ اکبر! جب ایک جزو اور ادنیٰ جز میں یہ ہیبت رکھ دی گئی ہے تو کل کے مشاہدہ سے کیا کیفیت طاری ہوگی! آج یہ مہیب اور لق ودق سمندر اور کرۂ ارض کے سارے معلوم سمندر "یاجوج" کے قبضہ میں ہیں۔ وہ جسے چاہے، اس میں جہاز اور کشتی چلانے کی اجازت دے اور جب جس کو چاہے، اللہ کی کاریگری کے اس نادر نمونہ سے فائدہ اٹھانے سے روک دے! خلق خدا کی ہو تو ہو لیکن سمندر اور سمندروں کے بندرگاہ، جہاز اور ان کے پھریرے، محکمہ بحری (ایڈمرالٹی) اور خداوندان بحر (SEA LORDS) کروزر اور ڈریڈ ناٹ، تارپیڈو، اور ڈسٹرائر، آج ہانکے پکارے کہہ رہے ہیں کہ "امر" اور "حکم" (نعوذ باللہ) یاجوج کا ہے —— پھر اگر ایسے حال میں آپ کسی سچے کا قول سنتے ہیں کہ یاجوج و ماجوج

---

[1] یعنی بحر ہند۔

سمندر کا پانی پی جائیں گے تو آپ اس پیشگوئی کے پورے ہونے کے لیے کسی زمانہ مستقبل کا کیوں انتظار کرنے لگتے ہیں ؟

قُل لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَن تَنفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا۔ دل نے کہا کہ یہی وہ سمندر ہے جس کی بابت ارشاد ہوا ہے کہ اگر سارا سمندر روشنائی بن جائے اور اسی جیسا ایک اور سمندر بھی روشنائی بنا دیا جائے جب بھی قدرت الہیہ کے بحر بیکراں کے کلمات لکھنے سے قاصر رہے گا، لیکن روشنائی آئندہ ہی کیوں بنے روشنائی تو یہ اب بھی بنا ہوا ہے، نیلی روشنائی ہی کی طرح نیلا ہے، بحر قدرت وصنعت کے اتھاہ اور بے پایاں ہونے کا یہ کیا نادر نمونہ ہے! اسی کے ساتھ ہی نظروں کے سامنے یہ سماں بھی آ گیا کہ ایک روز یہ سارا بحر اعظم یہ سارا لق ودق سمندر موجیں مارتے ہوئے پانی کے بجائے، آگ سے ٹپکتے ہوئے شعلوں اور دھوئیں کے تیرہ تار بادلوں میں تبدیل ہو کر رہے گا! یہ وہ دن ہو گا جب "یاجوج"، اپنے مایۂ ناز جنگی جہازوں اور آبدوز کشتیوں، اپنے تیل کے چشموں اور اپنے پٹرول کے خزانوں کی بھڑکائی ہوئی آگ کے شعلوں سے، لنکا کے روایتی راون کی طرح، خود بھی جل رہا ہو گا۔ اور جب اس کی حرص وہوس، اس کی ملک گیری اور زر پرستی، اس کی قیصریت (امپریل ازم) اور کیپٹل ازم (سرمایہ داری) اور سوشلزم (اشتراکیت) اور کمیونزم (اشتمالیت) اور خدا معلوم کس کس "ازم"

کے انگارے سمندر میں آگ لگا کر خود اسی مادی دنیا میں اس کو دوزخ کا نمونہ دکھا رہے ہوں گے! یہ وہ دن ہوگا جب ارشاد ربانی وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ کی تفسیر وتاویل کے لیے نہ تفسیروں کے اوراق الٹنے کی ضرورت ہوگی، نہ اہل لغت کے کلام سے سند لانے کی، بلکہ عالم وعامی سب اپنی آنکھوں سے مجاز کا نہیں حقیقت کا مشاہدہ کریں گے۔ آج "یاجوج" کو مہلت ہے، آج وہ جتنا چاہے ہمارے دلوں اور دماغوں کو، ہماری عقلوں اور ذہنوں کو، ہماری آنکھوں اور کانوں کو اپنے اقبال وحشم سے اپنی تہذیب وتعلیم سے اپنے علوم اور اپنے فنون سے، اپنے ڈاکٹروں اور اپنے انجنیروں سے، اپنے سائنس اور اپنے آرٹ سے، اپنی توپوں اور اپنی رائفلوں سے، اپنی مشین گنوں اور اپنی سنگینوں سے اپنے خزانوں اور اپنے طیاروں سے، اپنے بموں اور ایٹم بموں سے مرعوب اور مخبوط اور مفلوج کرے۔ لیکن یہ مہلت دائمی نہیں، اور کسے خبر کہ پردہ اُٹھنے کا وقت قریب ہی آلگا ہو!

۴ر اپریل۔ جمعرات، آج سہ پہر سے دور دور کے پہاڑی ساحل دکھائی دینے لگے ہیں، اور آبادی کے دیکھنے کو آنکھیں ایسی ترسی ہوئی ہیں کہ آبادی کی ان بعید اور دھندلی علامتوں کو بھی غنیمت سمجھ کر بڑے شوق واشتیاق کے ساتھ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اور دوربینیں لگا لگا کر انھیں دیکھا جارہا ہے۔ شب میں جہاز عدن کے قریب سے بغیر لنگر انداز ہوئے گزر گیا، اور ہم لوگوں کے حصہ میں دور

سے شہر کی صرف روشنیاں آئیں۔

۵ر اپریل جمعہ۔ آج آٹھ بجے صبح جہاز کامران میں لنگر انداز ہوا، کامران چار ہزار کی آبادی کا ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے۔ جنگ عمومی کے بعد ترکوں سے نکل کر انگریزی قبضہ میں آگیا ہے۔ ایک انگریز حاکم برٹش ملٹری ایڈمنسٹریٹر کے نام سے رہتا ہے۔ جن حاجیوں کے جہاز عدن میں نہیں رکتے، عرب کی سرزمین پر ان کا پہلا قدم یہیں پڑتا ہے۔ اصلی نام قمران تھا، مگر اب شاید اس مناسبت سے کہ یہ زمین کامیابی و کامرانی کا پہلا نشان ہے۔ اس کا نام بھی عام زبانوں پر کامران ہو گیا ہے۔ یہاں حاجیوں کا "قرنطینہ" ہوتا ہے، یعنی سرکار برطانیہ کو اپنی غریب رعایا کی جان و صحت کا اس قدر درد رہتا ہے، کہ اگرچہ ہر حاجی گھر سے چیچک کے ٹیکہ کا ڈاکٹری سرٹیفکٹ لے کر چلتا ہے اور باوجود اس کے کہ بمبئی (یا کراچی) میں سوار ہوتے وقت ڈاکٹری معائنہ ہو چکتا ہے، پھر بھی حاجیوں کے جہاز یہاں روکے جاتے ہیں اور حاجی یہاں غسل اور ڈاکٹری معائنہ کے لیے مجبور کیے جاتے ہیں کاش اس "دلسوزی" اور "غمخواری" کا عشر عشیر بھی فرنگستان کے مسافروں کے حصہ میں آتا!

جس مقام پر جہاز لنگر انداز ہوتا ہے۔ ساحل وہاں سے ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر ہے۔ اتنی مسافت کشتی پر طے کرنا ہوتی ہے۔ جہاں کشتی رکتی ہے وہاں سے مقام غسل تک بھی دو تین فرلانگ کا فاصلہ ہے۔ چنانچہ ہم لوگ بھی آ نالے

اور بہو بنجائے گئے۔ کامران گویا حاجیوں کا غسل خانہ ہے۔ غسل عموماً تفریح و انبساط کا ذریعہ ہوتا ہے، مگر یہ سرکاری غسل جو بڑے بڑے ڈاکٹروں کی نگرانی و اہتمام میں دیا جاتا ہے۔ بجائے لطف و تفریح کے، انقباض و تکلیف بلکہ تعذیب کا ایک آلہ ہوتا ہے۔ حاجی اپنے اپنے سامان کا بیشتر حصہ جہاز ہی پر چھوڑ آتے ہیں، صرف مختصر سامان لے کر اترتے ہیں۔ سب سے پہلے انھیں غسل خانہ کے برآمدہ میں لاکر بٹھایا جاتا ہے اور جس وقت ان کی ٹولی کی باری آتی ہے ایک بڑے کمرے کے اندر سب کو داخل کرکے ان کے سارے کپڑے اُتروا کر ایک مختصر لنگی جو ناف سے گھٹنے تک شاید ہی پہونچ سکتی ہو، باندھنے کو عنایت ہوتی ہے اسی کو نہاتے وقت باندھنا، اسی کو نہانے کے بعد باندھے رکھنا، اسی سے بھیگا ہوا جسم خشک کرنا۔ یہ ساری ضرورتیں ماہرین فن اطبار سرکاری کے نزدیک اسی "چار گرہ کپڑے" سے پوری ہوسکتی ہیں! (جن قوموں کے دماغ سرے سے ستر پوشی کے مفہوم ہی سے ناآشنا ہیں، اور جن کے ہاں سب کے سامنے برہنہ غسل کرنا داخل تہذیب ہے، وہ اگر مشرقی اور اسلامی جذبات کا اتنا بھی لحاظ کرلیتے ہیں، تو یہ ان کا غایت کرم اگر نہیں تو اور کیا ہے! (جن خوش نصیبوں کے ساتھ خاص رعایت و نوازش مدنظر ہوتی ہے، جیسی میرے حق میں ہوئی، نھیں بجائے ایک کے دو لنگیاں عنایت فرمادی جاتی ہیں) یہ "لنگوٹی" جسم پر لپٹوانے کے بعد سب کے سروں پر حمام کی ٹوٹیاں کھول دی جاتی ہیں، اور سب کو دو دو بار، ایک بار دواؤں کے پانی سے اور ایک بار سادہ سرد پانی سے نہلایا

جاتا ہے، اس غسل کے معًا بعد دوسرے کمرہ (جامہ خانہ) میں لاکر بجلی کے پنکھے کھول دیے جاتے ہیں۔ اور نہائے ہوئے حاجیوں کے بھیگے ہوئے اور تر بتر جسم کو، جس کے خشک کرنے کے لیے کسی حاجی کے پاس قطعًا کوئی کپڑا نہیں ہوتا۔ پنکھے کی ہوا سے خشک کیا جاتا ہے۔ اور اکثر حاجیوں کو چونکہ دوسری لنگی نصیب نہیں ہوتی اس لیے اس حالت میں وہی بھیگی ہوئی لنگی ان کے جسم سے بدستور لپٹی ہوئی رہتی ہے ـــــ!

اس کا نام اہتمام صحت ہے! یہ "سرکار" کی طرف سے حاجیوں کی جان اور زندگی کے رکھ رکھاؤ کا انتظام ہے! یہ اونچی اونچی تنخواہیں اور الاؤنس پانے والے ہندوستان اور یورپ کی ڈگریاں رکھنے والے حاذق ڈاکٹروں کے اہتمام و نگرانی میں طریقۂ غسل ہے!! لیکن اب بھی پڑھنے والے کے سامنے غسل کا پورا نقشہ نہیں آیا۔ جامہ خانہ میں آنے کے بعد تلاش شروع ہوتی ہے، یعنی حاجیوں کے جسم سے قبل غسل، جو سارے کپڑے اتروا لیے گئے تھے، اور اتروا کر اس ٹولی کے بیسوں دوسرے حاجیوں کے کپڑوں کے ساتھ بھپارہ میں ڈال دیئے گئے تھے، وہ اب ایک بڑے گٹھڑ میں بھیگے بھاگے سارے دوسرے کپڑوں کے ساتھ خلط ملط لائے جاتے ہیں اور ہر حاجی اس انبار میں سے اپنے کپڑے تلاش کرنا شروع کرتا ہے!" سرکار کا جامہ خانہ اس وقت اچھا خاصا دھوبی خانہ معلوم ہوتا ہے۔ (خدا نہ کرے کوئی دھوبی اتنا پھوہڑ بدسلیقہ اور تکلیف دہ ہو)

گیلے اور تر بتر کپڑوں کا ایک اژدہم سامنے ہوتا ہے اور بھیگے ہوئے تر بتر جسم پر بھیگی تر بتر لنگیاں باندھے ہوئے حاجی پنکھے کی ٹھنڈک میں اپنے اپنے کپڑوں کی تلاش میں مصروف! کپڑے کی جو گت بن جاتی ہے اسے چھوڑیے خود انسانوں کی جو گت اس وقت بنی ہوئی ہے ذرا اس کا تصور کیجیے۔ اور اپنی شفیق و مہربان "سرکار" کو دل سے دعائیں دیجیے! پانچ پانچ دس دس منٹ اس تلاش میں لگ جاتے ہیں۔ اور اس کے بعد اگر سب کپڑے بغیر کھوئے ہوئے مل بھی گئے تو انھیں بھیگے ہوئے کپڑوں کو بھیگے ہوئے جسم پر پہن کر ہوا اور دھوپ میں حاجیوں کو اپنے اپنے خس پوش بارکوں میں جانا پڑتا ہے۔ جو قریب سے قریب بھی نصف فرلانگ کے فاصلہ پر ہیں۔ ورنہ عموماً ایک ایک فرلانگ پر! قرنطینہ اور جہاں کہیں بیماری بھگانے کے لیے ہوتا ہو گا ہوتا ہو گا، قرنطینہ کامران تو حاجیوں کے لیے بیماری بلانے کی پوری کوشش ہے۔ اور یہ سُن کر ذرا بھی حیرت نہ کیجیے کہ یہ کوشش عموماً کامیاب رہتی ہے۔ چنانچہ ہمارے جہاز کے حاجی دوچار نہیں خدا معلوم کتنے کامران سے واپس آتے ہی بیمار پڑے، ایک صاحب کو دمہ کا دورہ پڑ گیا، لکھنؤ کی ایک صاحبہ کو اتنا شدید بخار چڑھا کہ ان کی جان لے کر اترا، اور نزلہ و زکام و حرارت سے تو شاید ہی کوئی بچا ہو!

یہ جو کچھ کیفیت بیان ہوئی، مردانہ غسل خانہ کی تھی، جو پھر بھی غنیمت ہے۔ اصلی بیہودگی زنانہ غسل خانہ کے لیے اٹھا رکھی ہے۔ یہاں نہلانے والیاں شاید

خاص طور پر اپنی مہیب صورتوں اور مہیب تر سیرتوں کی بنا پر انتخاب کر کے رکھی گئی ہیں، ان کے ہاتھوں شریف و حیادار خاتونوں پر جو کچھ گزرتی ہے اس کا تذکرہ ان صفحات پر لانا آسان نہیں۔ نہلاتے وقت یہی نہیں کہ ان کے جذبات حیا و شرافت کی مطلق کوئی پروا نہیں کی جاتی بلکہ ہر قسم کی سختی و درشتی، اور بدتہذیبی بھی ان کے ساتھ بے تکلف روا رکھی جاتی ہے۔ چنانچہ ہمارے قافلہ کی جتنی بیویاں غسل خانے سے نکلیں، سب نہایت برہم و نالاں گویا روتی ہوئی نکلیں۔

وہ تو کہیئے کہ حج بیت اللہ کا شوق ہر مومن اور ہر مومنہ کو کچھ ایسا مست رکھتا ہے کہ اس مقصد کے آگے اپنی کسی تکلیف و توہین کی پروا نہیں رہتی، ورنہ اگر کوئی دوسرا موقع ہو تو ہمارے ہاں کی بے زبان عورتیں بھی اس برتاؤ پر اتنی بے زبان اور اس قدر بے دست و پا نہ ہوں۔ سُنا ہے کہ اسمبلی کے بعض مسلمان ممبروں کی تحریک پر حج کمیٹی حاجیوں کی مشکلات کے رفع و انسداد کے لیے قائم ہوئی ہے، اور امید ہے کہ اس کمیٹی کے سامنے حاجی صاحبان کامران سے متعلق اپنے ذاتی تجربات تفصیل سے بیان کریں گے اور اس کی لغویتوں کو مٹانے میں جد و جہد کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھیں گے [1]

---

[1] سنہ ۱۹۲۹ء کے آخر میں حج تحقیقاتی کمیٹی کے سامنے معزز حاجیوں نے اپنی آپ بیتی سنا سنا کر قرنطینہ کامران کی شدید و پر زور مخالفت کی۔ اس متحدہ صدائے احتجاج کا نتیجہ اس قدر تو بہر حال ظاہر ہوا کہ سنہ ۱۹۳۰ء سے حاجیوں کے ہر جہاز کے لیے یہاں قرنطینہ لازمی نہیں رہا بلکہ صرف حسب ضرورت رکھ

لیکن کیسی تکلیف، اور کہاں کی مصیبت؟ ایک اہل دل مدت ہوئی ہندوستان سے سفرِ حج کے لیے تشریف لے گئے بمبئی اور کامران دونوں جگہ قرنطینہ کی بلائیں پیش آئیں اور وہ بزرگ باوجود اس کے کہ ریاضات اور مجاہدات کے خوگر تھے۔ تاہم انھیں کہنا پڑا یہ قرنطینے حاجیوں کے لیے "سخت قید خانے" ہیں جب لوگوں نے یہاں کی دقتیں بیان کرنا شروع کیں تو انھوں نے فرمایا کہ میاں سفرِ حج سے ملکوں کا سیر و تماشہ مقصود نہیں، بلکہ یہ نفوس کے تزکیہ اور تجلیہ کے لیے ایک مجاہدہ عظیم ہے۔ پہلا قرنطینہ بہ ارادۂ الٰہی اس لیے قائم ہے کہ دلوں پر جو ظلمت اور کدورت چھائی ہوئی ہے۔ یہاں کے آلام جسمانی و روحانی سے ان کا تصفیہ ہو جائے۔ کامران کا قرنطینہ اس غرض سے ہے کہ یہاں کے قیام سے عرب کے ساتھ مناسبت پیدا ہو جائے اور حصولِ برکات کی قابلیت حاصل ہو جائے اس کا نام تجلیہ ہے۔" حکیم مطلق کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا، جو کچھ ان بزرگ نے فرمایا وہ بیشک صحیح ہو گا جسم کی بیماریاں دور ہوتی ہوں یا نہ ہوں، بدن کی کثافتیں دھلتی ہوں یا نہ ہوں، لیکن اس عجیب قرنطینہ اور عجیب ترغسل سے ہر حاجی کو اضطراراً ایک مجاہدہ عظیم سے گزرنا تو ضرور ہوتا ہے اور گناہوں کا

دیا گیا۔ میر نیرنگ صاحب ایم، ایل، اے (انبالہ) کی کوششیں اس باب میں خاص شکریہ کی مستحق ہیں۔ ـــ اور اب ۱۹۴۸ء میں اس ساری داستان درد کی حیثیت محض "تاریخی" رہ گئی ہے۔

کرنا رہ کچھ نہ کچھ ہو ہی جاتا ہے۔

باب (۶)

کامران — احرام

کامران کی متعلق لغویت کے تذکرہ کو کہاں تک پھیلایا جائے، جو کچھ بھی پیش آتا ہے، بہ ارادہ الٰہی کسی مصلحت و حکمت تکوینی ہی کی بنا پر پیش آتا ہے۔ صبر کے سوا چارہ نہیں، شکر سے بہتر مدادا نہیں۔ لیکن یہ جو کچھ لکھا گیا یہ "جگ بیتی" تھی۔ "آپ بیتی" یہاں بھی سفر کی دوسری منزلوں کی طرح، نسبتاً بڑے مزے کی رہی۔ ادھر ہماری کشتی کنارے سے لگی، ادھر اسی لمحہ ڈاکٹر کی سرکاری موٹر لانچ بھی پہونچی، اور ساحل پر قدم رکھتے ہی ڈاکٹر قاسم چوہان سے تعارف ہوا۔ یہ چیف میڈیکل آفیسر کہلاتے ہیں، اور یہاں کے سیاہ و سپید کے مالک ہیں ان کے "اوصاف حمیدہ" حیدرآباد کے بعض دوستوں سے خوب سُن چکا تھا تاہم میرے ساتھ فی الجملہ مہربانی ہی سے پیش آتے رہے (سبب ظاہری یہ تھا کہ مولانا شوکت علی نے تار پر میرا تعارف پہلے ہی کر دیا تھا) دوسروں کو صرف ایک لنگی ملتی تھی، مجھے دو لنگیاں عنایت فرمائیں۔ دوسروں کو غسل کے لیے پون پون گھنٹہ انتظار کرنا پڑتا ہے میرے لیے جلدی کرا دی، دوسروں کو چھپر دن کے

نیچے رہنا ہوتا ہے۔ مجھے پختہ بارک میں بلا کرایہ رہنے دیا، ان ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں دوستانہ گزارش ہے کہ اگر اپنے وسیع اختیارات کے اظہار میں کسی قدر کمی فرما دیں تو خود انھیں کے حق میں بہتر ہوگا۔ ان کے ماتحتوں میں ڈاکٹر حاجی خان کا برتاؤ تمام حاجیوں کے ساتھ اچھا دیکھنے میں آیا۔ ڈاکٹر فقیر اللہ بھی بھلے آدمی معلوم ہوئے۔ جزیرہ کا بڑا حاکم برٹش ملٹری ایڈمنسٹریٹر کہلاتا ہے۔ اس وقت جو حاکم ہے اس کا نام ای ڈیکم ہے۔ فوجی کپتان کا عہدہ رکھتا ہے۔ خلیق اور خوش مزاج ہے میں غسل کر کے بھیگی لنگی باندھے ابھی جامہ خانہ میں کھڑا اپنے کپڑے تلاش کر رہا تھا کہ ایک انگریز کو میں نے اپنے پاس کھڑا ہوا پایا جو اردو میں مجھ سے پوچھ رہا تھا کہ سب اچھا ہے؟ ڈاکٹر چوہان بھی پاس ہی ٹہل رہے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ یہ انگریزی جانتے ہیں۔ اس کے بعد انگریزی میں باتیں ہونے لگیں اور تھوڑے تھوڑے وقفہ کے ساتھ بہت دیر تک جاری رہیں۔ بڑی بے تکلفی سے سیاست حاضرہ سے لے کر اپنی بیوی بچوں تک ہر مسئلہ کو اپنا موضوع گفتگو رکھا علی برادران کا بھی ذکر آیا اور "بڑے بھائی" خدا معلوم اس خبر کو کس دل سے سنیں گے کہ جتنی دیر تک ان کا ذکر خیر رہا اس سے کہیں زیادہ دیر تک "چھوٹے بھائی" اور ان کے اخبار ہمدرد کا رہا[۱]!

---

[۱] کھلا ہوا اشارہ مولانا شوکت علی مرحوم اور مولانا محمد علی مغفور کی جانب ہے۔ دونوں بھائیوں میں بڑی بے تکلفی تھی اور خوب نوک جھونک رہا کرتی تھی۔

کیمپ میں ایک چھوٹی سی مسجد بھی بنی ہوئی ہے۔ جمعہ کی نماز اسی میں پڑھی عرب کی سرزمین پر یہ پہلی نماز اور پہلا جمعہ نصیب ہوا، سہ پہر تک کیمپ کے "بازار" میں سناٹا تھا۔ یعنی بجز خشک روٹی اور چائے کے کوئی شے نہیں ملتی تھی، شام سے کچھ قبل کچا گوشت فروخت ہونے لگا جو قیمت میں خاصا گراں تھا۔ اور جسے پکانا صرف انھیں لوگوں کے لیے ممکن تھا جو پکانے کا پورا سامان اپنے ہمراہ لے کر جہاز سے اترے تھے۔ کیمپ کے ایک گوشہ میں پانچ یا چھ پاخانے بنے ہوئے ہیں، صبح کے وقت جب ڈیڑھ دو ہزار انسانوں کا مجمع جس میں بدتہذیب اور گنوار مرد بھی شامل ہوتے ہیں۔ اور پردہ نشین شریف خاندانوں کی حیادار اور شرمیلی بہو بیٹیاں بھی، لوٹا ہاتھ میں لیے ہوئے ان چند پاخانوں پر حملہ آور ہوتا ہے تو اس وقت کی کشمکش اور چپقلش دیکھنے کے لائق ہوتی ہے، لیکن اس کی شکایت ہی کیا اور اس کا شکوہ کیوں؟ یہ کیمپ آخر حاجیوں ہی کا کیمپ ہوتا ہے اور حاجی غریب کسی یا حجی حکومت سے راحت و آسائش کی توقع ہی کیوں رکھے؟ اس کا کام تو فی کس عسہ کے حساب سے قرنطینہ کا مرآن کی نیس دے دینا ہے، اور بس! راحت و آسائش ہی کا اگر خیال ہے۔ تو اس روشنی اور روشن خیالی کے زمانہ میں حج و عمرہ، و طواف و سعی زیارت و عبادات کے لیے سفر ہی کیوں اختیار کیا جائے؟ ع

جس کو ہوں دین و دل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں؟

کیمپ کا وسیع احاطہ لوہے کے تاروں سے گھرا ہوا ہے، جس کے

باہر قدم رکھنا ممکن نہیں۔ جیسے مجرموں کو جانوروں کے ایک باڑہ میں بند کردیا گیا ہو۔ کامران میں انگریزی ڈاک خانہ بھی ہے۔ بہت سے لوگوں نے خطوط لکھ کر یہاں سے وطن روانہ کیے۔ شب یہیں بسر کی۔ ۶ر اپریل کی صبح کو اس "قید" فرنگ سے نہ سہی، "قرنطینۂ فرنگ" سے نکلنے کی اجازت ملی، اور خاص عنایت و اہتمام سے کام لے کر سب سے پہلی کشتی ہماری ہی ٹکڑی کو دلائی گئی، سب مسافروں کے جہاز تک پہونچنے میں کوئی چار گھنٹے لگے ہوں گے، دس بجے کے قریب جہاز نے لنگر اٹھا دیا اور روانہ ہوا۔

کامران کی بے احتیاطیاں، اب رنگ لائیں، سرکاری غسل خانے میں ماہرین فن ڈاکٹروں کے زیر ہدایت و نگرانی جو بدپرہیزیاں کرائی گئی تھیں، ان کا اثر ظاہر ہونا تو کامران ہی سے شروع ہو گیا تھا، اب پوری طرح نمودار ہو گیا کسی کو کھانسی، کسی کو حرارت، کتنوں کو زکام، اور کتنے اچھے خاصے تیز بخار میں پڑ گئے۔ لکھنؤ کی ایک بی بی کو جو پہلے سے بھی کسی قدر علیل تھیں، اتنا تیز بخار چڑھا کہ چند روز کے بعد ان کی جان ہی لے کر اترا، اناللہ۔ مولوی عبدالباری بیچارے کو دمہ کا دورہ پڑ گیا، غرض جس کو دیکھیے، کامران کی یادگار کوئی نہ کوئی بیماری لیے ہوئے ہے۔ یہ نتیجہ ہے سرکاری اہتمام صحت کا۔ یہ ثمرہ ہے حاجیوں کے ساتھ سرکار کی ہمدردی و غمخواری کا۔ کامران کے قریب کا سمندر بھی کسی قدر پرشور ہے۔ اس لیے اب جو جہاز چلا تو اس میں حرکت بھی زیادہ محسوس ہونے لگی

اور بہت سے دورانِ سر اور متلی میں مبتلا ہو گئے۔ لیکن بحمد اللہ یہ شکایت بہت زائد بڑھنے نہیں پائی اور رات تک از خود سکون ہو گیا۔

۷ر اپریل (۲۶ر شوال) یکشنبہ، آج جہاز یلملم کے سامنے سے گزرنے والا ہے۔ جو اہل ہند کا میقات ہے[1] میقات اس مقام کو کہتے ہیں، جہاں سے عازمانِ حج اپنا معمولی لباس اتار کر احرام باندھتے ہیں۔ جب جہاز یلملم کے مقابل آجاتا ہے تو حاجیوں کی اطلاع کے لیے زور سے سیٹی دے دی جاتی ہے۔ آج حاجیوں کی خوشی کا کیا پوچھنا ہے۔ جہاز یلملم کے سامنے تو کوئی پانچ بجے سہ پہر کو پہونچے گا اور جہاز کی سیٹی اسی وقت ہو گی لیکن حاجیوں میں چہل پہل صبح ہی سے شروع ہو گئی حجامتیں بنوائی جا رہی ہیں۔ غسل کئے جا رہے ہیں۔ خوش خوش احرام کی نئی نئی اجلی اجلی چادریں نکالی جا رہی ہیں، نفل نمازیں پڑھی جا رہی ہیں[2]۔ جہاز پر

---

[1] کہا جاتا ہے کہ یہ پہاڑی مکہ معظمہ سے ۴۰ میل جنوب میں واقع ہے اور اس کا موجودہ نام سعدیہ ہے پرانی کتابوں میں اسی کو اہل ہند کا میقات لکھا چلا آتا ہے، لیکن حال کے بعض ممتاز فاضلوں نے جنگی نظر نقشہ کے ساتھ ساتھ جغرافیہ پر بھی ہے، صاف صاف لکھ دیا ہے کہ ہندی حاجیوں کے لیے بجائے یلم کی مفروضہ میقات کے جدہ بلکہ اس کے چند میل بعد سے بھی احرام باندھنا بالکل جائز ہے۔ صدق بابت ماہ مئی جون جولائی ۱۹۲۷ء میں متعدد مراسلے اسی موضوع پر نکل چکے ہیں۔

[2] حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب احرام باندھ کر دوگانہ ادا کیا ہے تو پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد

بہت سے معلم یا ان کے ایجنٹ بمبئی ہی سے ہمراہ ہو لیے ہیں۔ سب اپنے اپنے حاجیوں کی ٹولیاں بنائے ہوئے انھیں احرام باندھنے کی نیت تلقین کرا رہے ہیں[1] احرام بندھوا رہے ہیں۔ لیجیے دوپہر تک سب کے احرام بندھ گئے، سب کے سب اپنے ہاتھوں ہنسی خوشی گویا کفن پوش ہو گئے۔ دل مسرت سے باغ باغ ہوئے جاتے ہیں۔ ایک دوسرے کو مبارکبادیں دی جا رہی ہیں۔ اور ہر طرف سے "لبیک" "لبیک" کی صدائیں بلند ہونی شروع ہو گئی ہیں[2]

سورۃ الکافرون پڑھی تھی اور دوسری رکعت میں سورۃ اخلاص۔

[1] نیت احرام کے یہ الفاظ کتابوں میں نقل ہوئے ہیں:۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُرِیْدُ الْحَجَّ فَیَسِّرْہُ لِیْ وَتَقَبَّلْہُ مِنِّیْ وَاَعِنِّیْ عَلَیْہِ وَبَارِکْ لِیْ فِیْہِ نَوَیْتُ الْحَجَّ وَاَحْرَمْتُ بِہٖ لِلّٰہِ تَعَالٰی

اے اللہ! میں نے حج کا ارادہ کیا پس تو اس کو میرے لیے آسان کر دے اور اس کو میری طرف سے قبول کر اور میری اس میں مدد کر اور مجھے اس میں برکت دے میں نے حج کی نیت کی اور میں نے اس کا احرام باندھا اللہ تعالیٰ کے لیے۔

اگر بجائے حج کے پہلے عمرہ مقصود ہو تو الحج کی جگہ العمرۃ لایا جائے اور ضمیر ہٗ (مذکر) کی جگہ ہا (مونث)

[2] تلبیہ کے الفاظ یہ ہیں۔ لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ لَبَّیْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَۃَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ ؀

فقہا کہتے ہیں کہ الفاظ یہی ادا کیے جائیں، حنفیہ کے ہاں ان میں کمی نہیں ہو سکتی زیادتی کا مضائقہ نہیں۔ شافعیہ کے ہاں کمی و زیادتی دونوں کی گنجائش نہیں۔

آپ نے دیکھا؟ دیکھتے ہی دیکھتے پوشش ولباس کے سارے امتیازات مٹ گئے! اسنتے چلے آئے ہیں کہ "الناس باللباس" انسان اپنی پوشاک سے پہچانا جاتاہے، اوراس کے مرتبہ کا اندازہ اس کے لباس سے کیاجاتاہے - اب کس لباس سے خادم کو مخدوم سے پہچانا جائے گا، اور کس پوشاک سے غلام کو آقا سے الگ کیاجائے گا؟ ابھی کل تک جہاز کی اس وسیع آبادی میں بڑے بھی تھے اور چھوٹے بھی، امیر بھی تھے اور فقیر بھی، رئیس بھی اور مزدور بھی خوشحال بھی اور مفلس بھی، عالم بھی اور جاہل بھی، نامور بھی اور گمنام بھی. تعلقدار بھی اور رعایا بھی، مجسٹریٹ بھی اور چپراسی بھی، پر آج کس کو کس سے شناخت کیاجائے؟ سب سے بڑے مہاراجہ اور شہنشاہ اعظم کی راجدھانی کے حدود شروع ہوگئے اب نہ کوئی راجہ ہے نہ کوئی ٹھاکر، سب کے سب اسی کی پرجا، کل کے کل اسی کے چاکر، سارے کے سارے اسی کی رعایا ہیں۔! مالک کے دربار کی سرحدیں شروع ہوگئیں، اب نہ کوئی بڑا ہے نہ کوئی چھوٹا، نہ کوئی امیر ہے نہ کوئی وزیر نہ کوئی عالم ہے نہ کوئی حاکم، نہ کوئی خان بہادر ہے نہ کوئی لیڈر، سارے کے سارے اسی ملک الملوک کے غلام ہیں، اور سب کے سب اسی کے بیکس اور بے بس بندے! اب نہ ہیٹ ہے اور نہ پگڑی. نہ عمامہ ہے نہ شملہ، نہ ترکی ٹوپی ہے نہ گاندھی کیپ، نہ قمیص ہے نہ عبا، نہ کوٹ ہے نہ شیروانی، نہ کالر ہے نہ ٹائی، نہ پتلون ہے نہ پاجامہ، سب کی زبان پر لبیک لبیک کے ترانے ہیں، اور سب کے جسموں پر بے سلی ہوئی دو دو چادریں، یہ وائسرائے کا دربار نہیں۔

لاٹ صاحب کا ڈنر نہیں، ہائیکورٹ کی عدالت نہیں، یہاں، نہ ایوننگ ڈریس کی ضرورت نہ گاؤن کی حاجت نہ پاتابہ اور دستانہ کی احتیاج! یہ اللہ کے دربار کی حاضری ہے جو لاٹ صاحب اور بڑے لاٹ صاحب، جرمنی کے ڈکٹیٹر اور برطانیہ کے تاجدار، روس کے صدر اعظم اور امریکا کے صدر جمہوریہ، اٹلی کے مسولینی اور انگلستان کے چرچل، ترکی کے مصطفٰے کمال اور ہندوستان کے جواہر لال سب کی جانوں اور سب کی زندگیوں کا یکساں مالک ہے! اس دربار کی وردی سب سے انوکھی، سب سے نرالی، سب سے الگ ہے۔ یہاں قدر زرّین کلاہوں کی نہیں، یہاں عزت رنگین قباؤں کی نہیں، یہاں طلب صرف کفن پوشوں کی ہے یا ان کی جو انھیں کی وضع اختیار کیے ہوئے ہیں، ان کی جو جیتے جی مُردوں کا لباس پہن چکے ہیں، ان کی جو اس لباس کی یاد تازہ کیے ہوئے ہیں، جس کے زیب تن کرنے کے بعد پھر قطعاً کوئی دنیاوی لباس جسم کو مس نہ کر سکے گا!۔ مبارک ہیں وہ جو زندگی میں اپنے نفسوں کو مُردہ کر چکے ہیں! آج ان کا لباس ہی مُردوں کا لباس نہیں، ان کا نفس بھی تو مُردوں کا نفس بن چکا ہے۔ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ۔ لڑنا جھگڑنا، شہوتوں اور خواہشوں میں مبتلا ہونا زندوں کا کام ہے۔ مُردوں کو بھی کسی نے رفث اور فسوق اور جدال میں مبتلا دیکھا ہے؟۔

لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ

لَکَ وَالْمُلْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ اِلٰہَ الْحَقِّ لَبَّیْکَ وَسَعْدَیْکَ وَالْخَیْرُ بِیَدَیْکَ نماز کے بعد صدائیں ہیں تو یہی، اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے، چڑھتے اترتے ایک دوسرے سے ملتے جلتے، صاحب سلامت کرتے، صدائیں ہیں تو یہی ملائکہ کو اگر رشک کا موقع ہو سکتا ہے تو یہی۔ آج حاجیوں سے بڑھ کر خوشی کس کو ہو سکتی ہے؟ جس محبوب کے خاطر اپنا گھر بار چھوڑا، وطن چھوڑا، دوست چھوڑے، عزیز چھوڑے، سفر کی ساری کڑیاں جھیلیں، اسی کے شہر کا پہلا پھاٹک کھل گیا، داخلہ کی اجازت مل گئی۔ حاجیوں سے زیادہ خوش نصیب آج کون ہوگا؟ اور ان سے زیادہ خوشی اس وقت کس کو ہوگی؟ ڈیڑھ ہزار حاجیوں میں سے تقریباً سب کے سب احرام پوش ہو گئے۔ البتہ دیوانوں کی ایک مختصر جماعت ایسی تھی جس نے احرام نہیں باندھا۔ اس جماعت کا ایک خادم گھر سے یہی نیت کر کے نکلا تھا کہ جدہ پہونچ کر پہلے سیدھے آستانۂ نبویؐ پر حاضری دی جاوے گی اور پھر وہاں سے انشاء اللہ حج بیت کی نیت کی جائے گی، بایزید بسطامیؒ کی بابت منقول ہے کہ آپ حج کے ساتھ ضمناً و تبعاً مدینۂ منورہ کی زیارت خلاف ادب اور اپنے لیے ناجائز سمجھتے تھے۔ بلکہ اس کے لیے ایک مستقل سفر، تازہ احرام کے ساتھ اختیار فرماتے تھے۔ خیر یہ تو دوسرے عالم کے لوگوں کی باتیں ہیں، لیکن اگر کسی امتی کو وہیں سے سفرِ حج اختیار کرنے کی سعادت حاصل ہو، جہاں سے اس کے رسول برحق نے کیا تھا اور اسی مقام سے احرام حج باندھنے کی دولت نصیب ہو جائے۔ جہاں سے خود مرشد اعظمؐ نے باندھا تھا، یہ تو سنت سے انحراف

نہ ہوا، شاید ان کا اتباع ہی ہوا۔

معلموں کی ایک خاصی جماعت (اللہ ان پر رحم فرمائے، اور انھیں راہ ہدایت دکھائے) جو بمبئی سے جہاز پر ہمراہ ہو گئی تھی، اس نے کامران سے غل مچانا شروع کر دیا کہ جدہ سے کسی کو براہ راست مدینہ منورہ جانے کے لیے سواری نہ ملے گی، اور سعودی حکومت نے مدینہ منورہ کا براہ راست سفر حاجیوں کے لیے بند رکھا ہے اس لیے سب کو مکہ معظمہ کے قصد سے یلملم ہی میں احرام باندھنا چاہیے۔ اس جماعت میں سب سے پیش پیش خود ہمارے معلم عبد القادر سکندر تھے[1] جو کسی زمانہ میں عرب (یا ترک جیسا کہ ان کے نام سے شبہ ہوتا ہے) رہے ہوں گے، مگر اب تو سالہا سال سے لکھنوی ہی ہیں، اور بمبئی سے جہاز پر ہمراہ تھے۔ بہت سے نیک دل و سادہ مزاج احباب جو اپنے ظرف پر معلموں کو بھی قیاس فرما رہے تھے، دھوکے میں آ گئے اور معلموں کے ہنگامہ سے متاثر ہو کر جہاز پر سب کے ساتھ احرام بند ہو گئے لیکن بحمد اللہ ایک مختصر گروہ آخر تک اس چال میں نہ آیا۔ اور مدینہ پاک کی حاضری سے ابتدا کرنے کی نیت پر قائم رہا۔ موجودہ حالات حجاز کی جو "طلسم ہوشربا" سکندر صاحب نے سنانی شروع کی تھی یہ اس کی پہلی حکایت تھی۔ آئندہ کے لیے تمام عازمان حج کی خدمت میں بڑے اخلاص کے ساتھ گزارش ہے کہ اپنے معلموں

---

[1] ۱۹۴۳ء میں مکہ معظمہ میں انتقال کیا، کئی سال قبل سے وہیں گوشہ نشین ہو گئے تھے۔

کی صداقت و دیانت کے متعلق بہت زیادہ حسن ظن نہ قائم فرمالیا کریں اور ان کی بہم پہونچائی ہوئی اطلاعات کی تحقیق دوسرے ذرائع سے بھی کرلیا کریں۔

باب (۷)

جدّہ

۸ر اپریل، دوشنبہ، خدا خدا کرکے ۲۳۶۰ میل کی سمندری اور وطن سے بمبئی تک صدہا میل کی زمینی مسافت طے کرکے آج جدہ پہونچنے کا دن ہے، آج دلوں کے شوق و اشتیاق کا کیا کہنا؟ اسباب کی بندش رات ہی سے شروع ہوگئی تھی صبح سویرے سے جہاز کے بالائی عرشوں پر حاجیوں کے پرے جمے ہوئے، سب کی نگاہیں ساحل کی طرف لگی ہوئی۔ ساحل جوں جوں قریب آتا جاتا ہے پانی کا رنگ بجائے نیلے کے سبز ہوتا جارہا ہے، اور بحری پہاڑیاں کثرت سے نمودار ہوتی جارہی ہیں دن نکلنے کے بعد ساحل سے ایک کشتی جہاز کی طرف آتی ہوئی نظر آئی۔ اس کشتی پر عرب کپتان سوار ہے۔ اندرون ساحل جہاز کی رہنمائی یہی عرب کپتان کرے گا لیجیے وہ کشتی جہاز سے آکر لگی، اور عرب کپتان دم بھر میں کھٹ کھٹ کرتا ہوا جہاز کے سب سے بالائی حصہ میں کپتان کے پاس پہونچ گیا۔ اب اس وقت سے جہاز کی رہنمائی کا مالک و مختار یہی عرب ہے ــــــ شاید یہ غیبی اشارہ ہے کہ ملک عرب میں داخلہ کے وقت رہنمائی کا فرض عرب ہی رہنما کے ہاتھوں انجام

یا تا رہے ــ آٹھ بجے، ساڑھے آٹھ بجے اب جدہ کی عمارتیں صاف نظر آنے لگیں، مگر شہر اب بھی ڈھائی تین میل دور ہے، نو بجتے بجتے جہاز لنگر انداز تھا، مگر بمبئی کی طرح جدہ میں جہازوں کے لیے کوئی پلیٹ فارم نہیں۔ اور کیوں ہونے لگا تھا؟[1] جدہ میں جہاز آخر حاجیوں ہی کے تو ٹھہرتے ہیں، اور حاجی کیوں یہ ہر مرتبہ بھول جاتے ہیں کہ اس دور علم و تمدن میں ان کا وجود جانوروں اور چوپایوں سے کچھ ہی بہتر ہے۔ ساتویں صدی عیسوی کے "کہنہ و فرسودہ" احکام و شرائع پر عمل کرنے والے آخر اس کی توقع ہی کیوں قائم کرتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ خرچ کرنے پر بھی ان کے نصیب میں بیسویں صدی عیسوی کی سہولتیں اور آسائشیں آسکیں گی؟!

جہاز کی حرکت رکی اور جہاز پر حرکت شروع ہوئی، چیخ و پکار، غل و شور دوڑ بھاگ، ظاہر ہے کہ جہاز کہیں بھاگا نہیں جا رہا ہے۔ ٹھہرنے ہی کے واسطے رکا ہے اور نہ جدہ کی زمین کہیں پھسلی جا رہی ہے لیکن اتنا صبر کس کو اور اتنے انتظار کی توفیق کسے؟ جہاز سے کشتیوں پر اُترنے کے لیے زینے صرف دو اور ان دو زینوں پر ڈیڑھ ہزار کے مجمع کا ہجوم! بجائے اس کے کہ ایک باقاعدہ قطار قائم کرکے ہر شخص بغیر دھکے دیے اور بغیر دھکے کھائے بہ سہولت و اطمینان اتر سکے

---

[1] ۱۹۴۶ء میں اخبارات میں پڑھا کہ اب ڈک یا پلیٹ فارم کا انتظام ہو رہا ہے۔

ہر شخص بیتاب، کہ سب سے پہلے خود ہی اترے گا، اور اپنا اسباب اتارے گا۔ یہ اسے گھسیٹ رہا ہے وہ اسے ڈھکیل رہا ہے۔ یہ ایک کو دھکا دے رہا ہے دوسرا اسے کہنیاں مار رہا ہے، طاقتوروں اور چیرہ دستوں کی بن آئی، باقی کمزوروں اور ناتوانوں، بیماروں اور بچوں، بوڑھوں اور بوڑھیوں پر جو کچھ گزر رہی ہے اس کی بجز خدائے علیم و بصیر، سمیع و خبیر کے اور کسے خبر! ایک نفسی نفسی کا عالم ہے ہر سمت محشر اضطراب! یہ ان لوگوں کا حال ہے جو ایثار و بے نفسی کا سبق لینے نکلے ہیں! یہ اس سفر میں پیش آرہا ہے جس کا مقصد ہی صبر و ضبط نفس کی تعلیم ہے! یہ عین اسی گھڑی پیش آرہا ہے جس وقت دوسروں کی خدمت و اعانت ہی سب سے بڑا مقصود ہونا تھا! غیروں کے جو مظالم آپ پر ہوتے چلے آئے ہیں۔ اور آج بھی زور شور سے ہو رہے ہیں۔ ان کا دکھڑا تو آپ بڑے درد کے لہجہ میں روتے رہتے ہیں لیکن ایک مرتبہ ذرا آئینہ ہاتھ میں لے کر ارشاد ہو کہ خود آپ نے اپنے اوپر ظلم کرنے میں کون سی کسر اٹھا رکھی ہے؟ وَمَا اَصَابَكُمْ مِنْ مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوْ عَنْ كَثِيرٍ۔

جہاز کے رکتے ہی دو موٹر لانچ (دخانی کشتیاں) نمودار ہوئیں، ایک میں جہازی کمپنی (مرنر ماریسن) کے کچھ عہدہ دار تھے اور دوسری میں انگریزی قنصل خانہ کے افسر، ان کے علاوہ کچھ سعودی حکومت کے نمائندے بھی تھے، ڈاکٹر وغیرہ مسافروں کو اترنے کی اجازت ملنے سے قبل ان سب حضرات کو اپنے اپنے سرکاری

خدمات کے ضابطے اور رسوم پورا کرتے تھے اور ان کے لیے خاصا وقت درکار تھا ٹرنر ماریسن کے دفتر میں ہمارے جوار وطن، سیدن پور ضلع بارہ بنکی کے رہنے والے قاضی عزیزالدین صاحب سالہا سال کے کارکن اور بڑے کارگزار رہیں، ان کی کارگزاریوں کے واقعات اپنے جوار کے بعض حاجیوں کی زبانی سُن چکا تھا۔ یہ جہاز پر اپنی سرکاری ضرورتوں سے آتے رہتے ہیں۔ کپتان کے کمرے سے نکل رہے تھے کہ مجھ سے تعارف ہوا، پردیس میں دیس کے آدمی کی شکل دیکھ کر طبیعت کو قدرتاً جو خوشی حاصل ہوتی ہے اس کا اندازہ وہی کر سکتے ہیں جنھیں خود کبھی ایسی صورت پیش آچکی ہو۔ بڑے ہی لطف و اخلاق سے ملے چند ہی منٹ بعد ایک ان سے بھی زیادہ کارآمد اور صاحب اختیار افسر منشی احسان اللہ صاحب سے ملاقات ہوئی یہ عرصہ سے جدہ کے انگریزی قنصل خانہ میں ہیں اور اس وقت شعبۂ حجاج کے ذمہ دار افسر ہیں ان کی بابت مختلف روایات وحکایات سننے میں آئی تھیں، تاہم اتنے جزو پر سب کا اتفاق تھا کہ یہ جس پر مہربان ہو جاتے ہیں اس کا کام اپنے اثر و اقتدار سے خوب نکال دیتے ہیں۔ آدمی باخبر ہیں۔ اخبارات وغیرہ پڑھتے رہتے ہیں۔ میرے نام سے واقف نکلے اور بڑی خندہ جبینی سے پیش آئے، بعض احباب سے ان کے نام کے تعارف نامے میں نے لے لیے تھے، لیکن ان کی خوش اخلاقی کے بعد یہ تعارف نامے غیر ضروری تھے،، ان دونوں جدید مہربانوں نے صلاح دی کہ اپنی پارٹی کو مع اسباب کے سردست جہاز پر چھوڑے جاؤں اور خود ان کے ساتھ ان کی

سرکاری کشتی پر چلا چلوں، بالآخر یہی طے پایا اور اپنے قافلہ کو جہاز پر چھوڑ کر میں تن تنہا قاضی عزیز الدین صاحب کے ہمراہ ٹرنر ماریسن کمپنی کے موٹر لانچ پر سوار ہو کر ساحل کو روانہ ہوا۔ اسی موٹر لانچ پر ہمارے جہاز کے کپتان، پی، ایچ وارڈ اور چودھری محمد علی رئیس ردولی بھی آئے۔

ساحل پر قدم رکھتے ہی قاضی صاحب تو "رُد کردہ از مایکطرف" بغیر ہمیں کوئی ہدایت دیے کپتان کو ساتھ لیے اپنے دفتر کی طرف چلے گئے، اور ہم نووارد اجنبیوں کو بالکل ہماری قسمت پر چھوڑ گئے۔ میں تنہا تھا، چودھری صاحب کے ساتھ مستورات بھی تھیں اور کچھ سامان بھی، اب محکمۂ بحری کے مختلف لوگوں نے ہم سے سوالات شروع کیے، اور زبان کی اجنبیت کا عملاً احساس اس وقت سے شروع ہوا، وہ لوگ نہ فارسی بول سکتے تھے نہ انگریزی نہ اردو، رہی عربی سو عربی اول یہاں آتی ہی کیا ہے اور ٹوٹے پھوٹے ایک آدھ فقرے بولنے کی جو کوشش کی جاتی، سو اس کتابی عربی کو وہاں کے لوگ "نحوی" کہتے اور اس پر ہنستے جیسے یہ سرے سے عربی ہی نہیں —— عرب کی موجودہ بول چال واقعی قدیم ادبی عربی سے اتنی اجنبی ہو ہی گئی ہے! —— پاسپورٹ کی دکھائی یہیں ہوتی ہے۔ اور اس کی اصلی ضرورت سفر بھر میں اسی موقع پر پیش آتی ہے۔ بہرحال چنگی خانہ کے مختلف عمال کے سامنے حاضری دینی پڑی۔ میرے پاس اسباب مطلق نہ تھا، صرف گلے میں ایک تھیلا پڑا تھا۔ اس میں چند تعارف نامے اور

ہنڈیاں وغیرہ تھیں، محکمہ چنگی کے مختلف عمال اپنی ساری قوت تفتیش وتحقیق انھیں کا غذات کی الٹ پلٹ میں صرف فرماتے تھے اور یہ اندازہ ہوتا رہا کہ "سرخ فیتہ" (RED TAPE) خواہ بحر ہند کے ساحل پر ہو یا بحر احمر کے، ہر جگہ یکساں ہی ہوتا ہے۔ اور دفتر شاہی ہند کی ہو یا عرب کی، فرق کچھ یوں ہی سا رکھتی ہے۔ چودھری صاحب کے ساتھ چونکہ بکس وغیرہ بھی تھے اس لیے قدرتًا ان بیچارے سے باز پرس بھی زائد ہوتی رہی۔ اور غالبًا بکس کھلوا کر دیکھے گئے اس دارو گیر میں اور وہ علیحدٰہ ہوگئے اور میں بغیر کسی رفیق و رہنما کے اس اجلنبی مقام میں بالکل تنہا رہ گیا۔ بارے تھوڑی ہی دیر کی حیرانی و سرگشتگی کے بعد ہمارے وکیل کا ایک ملازم مل گیا اور وہ وکیل صاحب کے مکان تک لے آیا۔ فاصلہ گو دو تین فرلانگ سے زائد نہ تھا لیکن ایک تو عرب کی دوپہر اور پھر مقام کی اجنبیت۔ اسی لیے اتنی مسافت بھی اس وقت پیدل طے کرنا بہت کھل گئی۔

سفر حجاز میں جہاں تک حج و متعلقات حج کا تعلق ہے، ہر حاجی کی عقل کل اس کا "معلم" ہوتا ہے، ہندوستان کے لیے حکومت حجاز کی طرف سے سیکڑوں بلکہ شاید ہزاروں کو "معلمی" کی اجازت حاصل ہے۔ ادھر حاجی نے سرزمین عرب پر قدم رکھا ادھر اس کی زندگی کا ہر ہر قدم معلم یا اس کے نائبوں کے حدود اختیار میں آگیا۔ مکہ میں قیام کا انتظام. طواف کا انتظام، سعی کا انتظام، منیٰ، عرفات، مزدلفہ میں رہنے کا انتظام، قربانی کا انتظام، سواری کا انتظام، غرض چھوٹی بڑی

ہر شے معلم ہی کے ذریعہ سے طے پاتی ہے۔ جدہ میں ہر معلم کی طرف سے ایک نمائندہ یا ایجنٹ مقرر رہتا ہے، جو یہاں کی اصطلاح میں اس کا وکیل کہلاتا ہے اور جس طرح مکہ میں حاجی کے لیے معلم ہی سب کچھ ہوتا ہے وہی حیثیت اور وہی مرتبہ یہاں جدہ میں "وکیل" صاحب کو حاصل رہتا ہے، ہم سے ساحل پر اترتے ہی قبل اس کے کہ محصول خانہ اور بہ جنگی گھر کے مرحلے طے ہوں دریافت کیا گیا تھا تمہارا معلم کون ہے؟ اور جب جواب میں عبد القادر سکندر کا نام بتایا گیا تھا تو ان کے وکیل جدہ صالح بسیونی نے بڑھ کر ہمارے پاسپورٹ کو، بلکہ خود ہم کو اپنے قبضہ میں کیا۔ سکندر کے وکیل جدہ کا نام محمود بسیونی ہے، مگر اب وہ کبر سنی کی بنا پر خانہ نشیں ہو گئے ہیں۔ صالح بسیونی ان کے لڑکے ادھیڑ عمر کے ہیں، اور چونکہ ہندوستان میں عرصہ تک رہ چکے ہیں۔ اس لیے اردو بخوبی سمجھ لیتے اور الٹی سیدھی بول بھی لیتے ہیں، ان کا نوجوان لڑکا مصطفیٰ بسیونی گو بے تکلف ہونے سے قبل اردو بولتے ہوئے شرماتا ہے لیکن حاجیوں کا کام نکالنے میں اور انھیں آرام پہونچانے میں اپنے والد سے کہیں بڑھ کر ہے[1]۔ ہم کو انھیں وکیل صاحب کے مکان میں لایا گیا، تھوڑی دیر کے بعد ہمارے سارے قافلہ کے لوگ بھی پہونچ گئے

---

[1] ان سطور کی تحریر کے ۳، ۴ سال بعد غالباً ۱۹۳۳ء میں شیخ مصطفیٰ بسیونی ہندوستان آئے اور دریاباد کو بھی مشرف کیا، اس وقت تک وہ اپنے حسن اخلاق وغیرہ کے لحاظ سے اور بہتر ہو چکے تھے، خدا کرے بخیریت ہوں ان کے والد اسی زمانہ میں سنا تھا کہ آنکھوں سے معذور ہو چکے ہیں۔

اور دوپہر ہوتے ہوتے "چار درویش" کے چہار چند یعنی زن و مرد پورے سولہ درویش ان کے مکان میں اکٹھا ہوگئے۔

جدہ ہندوستان کے شہر کے معیار سے کوئی بڑا شہر نہیں۔ کوئی پندرہ ہزار کی آبادی ہوگی[1] لیکن اپنی جغرافیائی ہیئت کے لحاظ سے اہمیت بہت **خاص** رکھتا ہے، بازار اچھا بڑا ہے۔ ہر قسم کی چیزیں مل جاتی ہیں، اور گرانی کچھ ایسی زائد نہیں، سکّہ ہر ملک کے چل جاتے ہیں، ہندوستان کے چاندی کے سکّے بے تکلف چلتے ہیں۔ البتہ نکل کی ریزگاری نہیں چلتی، ہندی سکہ کا تبادلہ حجازی سکہ سے بآسانی ہوجاتا ہے، کھانے کی دوکانیں بکثرت اور پیٹ بھرنے کے قابل کھانا قدم قدم پر مل جاتا ہے۔ البتہ اچھے ہوٹل ذرا تلاش کے بعد ہی ملتے ہیں، اور ان کے نرخ کا تحمل بھی ہر شخص کے بس کی بات نہیں۔ ڈاک خانہ ہے، اسپتال ہے مہینے میں تین مرتبہ ہندوستان کی ڈاک نکلتی ہے لیکن ہندوستان کے ڈاکخانوں سے یہاں کے ڈاک خانہ کو کوئی نسبت نہیں۔ ہر کام توکل پر چلتا ہے۔ صفائی کا انتظام خاطر خواہ نہیں، یہاں کی مکھیاں اپنی کثرت کے لحاظ سے ضرب المثل ہیں۔

---

[1] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں آبادی ۳۰ ہزار درج ہے اور یہی صحیح معلوم ہوتی ہے، ۱۵ ہزار سفرنامہ کے پہلے ایڈیشن میں اب یاد نہیں آتا کس سند کے اعتماد پر لکھ دی گئی تھی زمین پتھریلی ہے، علاقہ سنگلاخ ہے۔ عرض البلد ۲۱ درجہ ۲۸ دقیقہ ہے، اور طول البلد ۳۹ ڈگری ۱۲ دقیقہ ہے۔

عرب کی سرزمین شروع ہو چکتی ہے اس لیے گرمی کی بات کچھ کہنا تحصیل حاصل ہے، برف مل جاتی ہے، اگرچہ گراں قیمت پر، پانی کی قدر جہاز ہی سے شروع ہو جاتی ہے اور عرب پہونچ کر تو پانی کے بارے میں ہندوستان کی پڑی ہوئی مسرفانہ عادتوں کی اچھی خاصی اصلاح ہو جاتی ہے، جدہ میں میٹھا پانی، یعنی سمندر کا صاف شدہ پانی تلاش سے اور خاصی گراں شرح پر ملتا ہے [1]

کھاری سمندری پانی البتہ بہ افراط، مکانات کی وضع بمبئی کے مکانات سے ملتی جلتی، یعنی صحن کا رواج برائے نام اور اوپر تلے چار چار پانچ پانچ منزلوں کا رواج عام۔ انھیں کمروں کو کھڑکیوں کی مدد سے خاصا ہوادار بنا لیا جاتا ہے۔ ہندوستان کے لوگوں کو جس شے کی زیادہ تکلیف ہوتی ہے، وہ یہاں کے پاخانے ہیں۔ مہتروں کی قسم سے کوئی قوم یہاں موجود نہیں، نتیجہ یہ ہے کہ مکان میں بہت گہرے سنڈاس، کنوئیں کی طرح گہرے بنے ہوئے ہیں انھیں میں رفع حاجت کی جاتی ہے۔ اور ان کی عفونت مکان کے دوسرے حصوں

---

[1] جدہ ۱۹۲۹ء تک جدید معیار سے ایک نیم متمدن، قسم کا شہر تھا، لیکن اس کے بعد جو امریکہ اور برطانیہ سے "صاحب" لوگوں اور میم صاحبات کی بھرمار شروع ہوئی، اس کے بعد اس کا حالت پر قائم رہ جانا کیونکر ممکن تھا؟ اب سنا ہے کہ وہ جدہ "متمدن" شہر ہو گیا ہے اچھے اچھے اونچے ہوٹل ہی نہیں بلکہ نشاط خانے اور رقص خانے تک موجود!

تک پھیلی رہتی ہے، زبان موجودہ بگڑی ہوئی عربی ہے، جسے قرآن مجید کی عربی سے کوئی نسبت نہیں، تاہم اردو بھی اچھی خاصی سمجھ لی جاتی ہے۔ اور محض اردو داں بھی اپنا کام نکال ہی لیتے ہیں۔ حاجیوں کے ہجوم کے زمانہ میں ہر ہر گھر مسافر خانہ بنا ہوا، اس پر بھی ہزارہا غریب حاجی سڑکوں پر اور گلیوں میں پڑے ہوئے مملکت آصفیہ حیدر آباد، ریاست بھوپال اور ریاست ٹونک کی طرف سے مکّہ و مدینہ میں رباطیں (قیام گاہیں) بنی ہوئی ہیں۔ اگر جدہ میں ہندوستانیوں کے لیے دو ایک بڑی رباطیں بن جائیں، اور انتظام اچھے ہاتھوں میں رہے[۱]۔ تو کم سے کم حاجیوں کی ایک جماعت کو تو بڑی سہولت حاصل ہو جائے۔ آبادی میں ہندستانی عنصر بالکل غائب نہیں، مہاجنی اور تجارت کے سلسلہ میں صوبہ بمبئی خصوصاً علاقہ گجرات و کاٹھیاوار کے لوگ اکثر نظر آئے۔ انگریزی قنصل خانہ میں نیز موٹر کمپنیوں میں صوبہ پنجاب کی نمائندگی ممتاز ہے، جہازی کمپنیوں کے دفتر میں بمبئی، بہار، اور اودھ کے چہرے اور حلیے نظر آتے ہیں۔

جدّہ سرزمین عرب کا پھاٹک ہے، حکومت اسلام کا پہلا شہر ہے، بُرا یا بھلا جیسا بھی ہے۔ اپنا ہے۔ اپنوں اور اپنے والوں کی چاہت کسے نہیں ہوتی؟ ــــ لیکن اے سب عزتوں کے مالک، ایک گستاخ مشت خاک کو یہ کہنے کی اجازت

---

[۱] یہ سب خواب ہندوستان کی "آزادی" سے پہلے کے ہیں۔

دے کر ۔۔۔ اب تو کسی کو بھی اپنا کہتے ہوئے دل لرزتا ہے اور زبان ہچکچاتی ہے ، خیر ، قرطبہ ، غرناطہ ، کو تو مدت ہوئی بھول چکے ، لیکن ابھی کل بات ہے کہ بصرہ اپنا تھا ، بغداد اپنا تھا ، حلب اپنا تھا ، بیروت اپنا تھا ، دمشق اپنا تھا ، بیت المقدس اپنا تھا ، قاہرہ اپنا تھا ، استنبول اپنا تھا اور کچھ ہی قبل شاہجہاں آباد بھی اپنا تھا اکبر آباد اپنا تھا ، حیدر آباد اپنا تھا ، لکھنؤ اپنا تھا ، مرشد آباد اپنا تھا ، عظیم آباد اپنا تھا سورت اپنا تھا ، بیجاپور اپنا تھا ، کرناٹک اپنا تھا ، آج ان میں سے کوئی اپنا ہے ؟ پھر جدہ غریب کی خیر کب تک منائی جا سکتی ہے ؟ یاجوج کا پھریرا گو آج ضابطہ و رسم کے ساتھ وہاں نہ لہرا رہا ہو ، لیکن جدہ کے کوچہ و بازار ، در و دیوار سب یاجوج ہی کی عظمت کے نقیب بن چکے ہیں ۔ دوکانوں میں مال ہے تو ولایتی ، جسموں پر لباس ہے تو ولایتی ، بازاروں میں سودا ہے تو ولایتی ، مکانوں میں سامان ہے تو ولایتی ، عقلیں مرعوب ، قلوب مفلوج ، کس چیز سے دل کو سمجھائیے اور کیا کہہ کر اپنے کو دھوکا دیجیے ! سرزمین اسلام کا اسلامی شہر اور دل ترستا رہ گیا کہ کسی محدث کی زیارت سے آنکھیں روشن ہوں ، کسی بزرگ صاحب باطن کی نگاہ کرم دل کو گرمائے ۔ کسی فقیہ کے حلقہ درس و افتاء کی تازگی و شگفتگی تھکے ماندے مسافر کی خستگی و ماندگی کو دور کر دے ! پر آہ یہ کچھ بھی نہ ہونا تھا ! ہر تمنا ناکام ، ہر آرزو منفعل ہو کر رہنی تھی سو ہو کر رہی ، مسجد میں نماز کئی وقت پڑھی ، پر شہر کے عمائد و اکابر ایک وقت بھی مسجد کے اندر نہ دکھائی دیئے اور دل نے تاسف کے ساتھ کہا کہ حضرت اکبر مرحوم کا تجربہ ع

کونسل میں بہت سید، مسجد میں فقط جمن!

ہندوستان ہی تک محدود نہ تھا، دریائے جمنا کا کنارہ ہو یا بحر احمر کا ساحل، آج مسجد کی آبادی جہاں کہیں بھی قائم ہے، میاں جمنؔ ہی کے دم سے!

باب (۸)

جدّہ — راہ مدینہ

صالح بسیونی نے ہمیں اپنے ذاتی مکان میں ٹھہرایا، بمبئی کی طرح یہاں بھی عموماً کئی کئی منزلوں کے مکانوں کا رواج ہے۔ یہ مکان بھی کئی منزل کا ہے ہم لوگوں کو جگہ دوسری منزل میں ملی۔ اس میں دو کمرے ہیں، ایک بڑا اور ایک اوسط درجے کا عورتوں کو بڑے کمرے میں کر دیا، چھوٹے کمرے کو مردانہ رکھا ہے سامان زیادہ تر نیچے کی منزل میں رہنے دیا، سولہ آدمیوں کے لیے دو کمروں کی گنجائش ناکافی معلوم ہو رہی ہے۔ صحن نہ ہونے سے گرمی علی الخصوص محسوس ہو رہی ہے ـــــ لیکن یہ بھی درحقیقت اللہ کی ناشکری ہے، سینکڑوں ہزاروں اللہ کے بندے ایسے بھی ہیں جنھیں اتنی جگہ کیا معنی اس کی آدھی بلکہ چوتھائی بھی نصیب نہیں وہ صبر اور شکر کے ساتھ تیز دھوپ میں تپتی ہوئی زمین کے اوپر سڑکوں اور راستوں میں بستر جمائے بیٹھے ہیں، وہ بھی انسان ہیں، وہ بھی حاجی

ہیں، وہ بھی پردیسی ہیں، وہ بھی اللہ ہی کی راہ میں گھر بار، عزیزوں، دوستوں کو چھوڑ کر نکلے ہیں، اور ان میں سب کے سب مفلس اور کنگلے بھی نہیں، کیا انھیں آرام کی خواہش نہیں؟ کیا انھیں موسم کی سختیوں کا احساس نہیں ہوتا؟ — جدہ کا رقبہ کچھ بہت بڑا نہیں۔ اس لیے مقامات زیادہ دور دور نہیں، جہاں ہم ٹھہرے ہیں، بازار یہاں سے قریب ہیں، ڈاکخانہ بھی زیادہ فاصلہ پر نہیں اور مسجد تو بالکل پڑوس ہی میں ہے، اتفاق سے آج ہی ہندوستان کی ڈاک روانہ ہونے کا دن ہے۔ خطوط لکھ کر لیٹربکس میں ڈالے نہیں گئے بلکہ پوسٹ ماسٹر صاحب کے ہاتھ میں دے دیے گئے۔

سامنے ایک لق ودق شاندار و آراستہ عمارت کھڑی ہوئی ہے معلوم ہوا کہ شیخ محمد نصیف صاحب کا مکان ہے۔ یہ یہاں کے امیر کبیر ہیں۔ بمبئی سے ایک صاحب نے اپنی کسی ضرورت کے متعلق ایک خط ان کے نام مجھے دیا تھا اسے لے کر مولانا مناظر احسن صاحب کے ہمراہ دوپہر کو ان کے ہاں گیا، عربی وسعت اخلاق اور حجازی شان مسافر نوازی کے ساتھ پیش آئے۔ اردو نہیں جانتے صرف عربی میں گفتگو کر سکتے ہیں۔ چنانچہ مولانا سے عربی میں گفتگو ہوتی رہی۔ ایک عظیم الشان کتب خانہ کے مالک ہیں۔ بڑی بڑی الماریوں میں نفاست و سلیقہ کے ساتھ کتابیں چنی ہوئی ہیں۔ اور گفتگو کے بعد معلوم ہوا کہ کتابوں کا ذخیرہ محض الماریوں کی زینت کے لیے نہیں بلکہ دل و دماغ میں بھی اپنا گھر بنا چکا ہے۔ ظہر کی نماز انھیں

کے مکان پر جماعت کے ساتھ نجدی امام کے پیچھے پڑھی۔ یہیں ایک صاحب سے یہ کہہ کر ملایا گیا کہ وہ شیخ محمد بن عبدالوہاب کے پوتے ہیں اور یہ بھی کہا گیا کہ نجد کے مشاہیر علماء میں ہیں۔ مولانا مناظر صاحب نے ان سے کچھ مذہبی سوالات کیے، جوابات اس معیار پر نہ ملے جس کی توقع ایک صاحب نظر عالم سے ہوسکتی ہے۔ اور اگر یہی معیار علماء نجد کے علم و فضل کا ہے تو یہ تو کچھ زیادہ بلند نہیں۔ سُنا ہے کہ سلطان ابن سعود جب جدہ آتے ہیں تو شیخ محمد نصیف ہی کے ہاں فروکش ہوتے ہیں ۱۹۲۶ء میں ہندوستان کا وفد خلافت، جو سلطانی مہمان تھا، وہ بھی جدہ میں شیخ موصوف ہی کے ہاں ٹھہرایا گیا تھا۔ بسیونی کے ہاں بند کمروں میں شب بسر کرنے میں دقت تھی۔ شب میں میں نے اور مولانا مناظر صاحب نے شیخ موصوف سے ان کے کھلے ہوئے ہوادار چبوترہ پر لیٹ رہنے کی اجازت مانگی شیخ نے اپنے لطف و کرم سے بہ مسرت تمام اجازت دے دی۔ اور ہم دونوں کی رات بڑے آرام سے اور شیخ کی شکرگزاری کے ساتھ بسر ہوئی۔

جدہ اترتے ہی سفر مدینہ کے لیے روپیہ کی ضرورت پڑی، عمر بھائی چاند بھائی نے جدہ میں ہنڈیاں ایک ہی نام کے دو ساہوکاروں شیخ جمال الدین اور سیٹھ جمال الدین پٹنی کے نام دی تھیں۔ دونوں سے ملاقات ہوئی، اول الذکر نے بڑی مستعدی اور مستعدی سے بڑھ کر ہمدردی اور دلسوزی کے ساتھ سارا کام کردیا، یہی نہیں کہ رقم فوراً ادا کردی، بلکہ یہ صحیح و ضروری مشورہ دے کر کہ

اندرون حجاز انگریزی نوٹ اور روپیہ سے کہیں بڑھ کر انگریزی گنیاں کام دیتی ہیں[1]۔ رقم کو نوٹ سے گنیوں میں تبدیل کر دیا، روپیہ ہاتھ میں آتے ہی چلنے کی فکر ہوئی جدہ اور مدینہ کے درمیان اونٹ کے قافلے بھی چلتے ہیں[2] اور اب لاریاں بھی بکثرت چلنے لگی ہیں۔ ہم لوگوں نے لاری ہی پر چلنا طے کیا، حجاز میں قدم رکھتے ہی مسافر بالکل معلم یا ان کے وکیل کے ہاتھ میں آجاتا ہے بغیر ان کے وساطت کے کسی سواری کے لیے معاملت نہیں کرسکتا۔ وکیل صاحبوں کے مصالح و اغراض قدرتاً اس کے مقتضی ہوتے ہیں کہ جتنے دن بھی ممکن ہو، حاجیوں کو جدہ میں پڑا رہنے دیا جائے اور جب وہ سواری کے لیے تقاضہ کریں تو انھیں ٹال دیا جائے یہی صورت ہمارے ساتھ پیش آنی شروع ہوئی۔

جدہ میں منشی احسان اللہ صاحب پنجابی (نائب قنصل برائے حجاج ہندا کی ذات ہندوستانی حاجیوں کے حق میں بڑی کارآمد ہے جہاز پر ان سے تعارف ہوچکا تھا۔ سہ پہر کو ان سے ان کے گھر پر ملاقات ہوئی، اخلاق و محبت سے پیش آئے ہمارے وکیل صاحب کو مہمانوں کی کثرت و ہجوم کی بنا پر ہم لوگوں کی جانب توجہ کرنے کی فرصت کم ملتی تھی اور سواری کے جلد بہم پہونچنے کی طرف سے انھوں قطعاً مایوس کر دیا تھا۔ منشی صاحب سے جب ملاقات ہوئی اور ان چیزوں کا

---

[1] یہ صورت ۱۹۲۹ء میں تھی۔ ۱۹۴۷ء میں اس سے بالکل مختلف ہوگئی ہے۔

[2] اونٹ اب ۱۹۴۹ء میں کہاں؟۔

تذکرہ آیا تو انھوں نے ٹیلیفون دے کر وکیل صاحب کو فوراً طلب کیا۔ وکیل صاحب کا اخلاق اسی لمحہ سے بدل گیا۔ اب ہم لوگوں پر توجہ کرنے کی فرصت بھی انھیں زائد تھی اور سواری کے لیے بھی وعدہ ہو گیا کہ کل مل جائے گی، جدہ میں حکومت حجاز کی طرف سے جو حاکم اعلیٰ رہتے ہیں ان کا اسم شریف حاجی عبداللہ رضا زینل ہے۔ جدہ میں ٹرنر مارسن کمپنی کے ایجنٹ بھی یہی ہیں۔ بڑے متمول تاجروں میں ان کا شمار ہے۔ بمبئی میں ان کے بھتیجے محمد علی زینل موتیوں کی تجارت لاکھوں روپیہ کی کرتے ہیں۔ مولانا شوکت علی کے توسط سے بمبئی میں ان سے ملاقات ہو گئی تھی، بلکہ ان کے ہاں دعوت بھی کھائی تھی۔ انھیں نے از راہ عنایت اپنے چچا صاحب کے نام ایک تعارف نامہ دے دیا تھا، سہ پہر کو منشی صاحب اپنے ہمراہ ان کے ہاں لے گئے۔ حج کمیٹی کا اجلاس ہو رہا تھا اور وکیل صاحبوں کو بدعنوانیوں پر سزائیں مل رہی تھیں۔ زینل صاحب کو دیکھا، سن سفید داڑھی چہرہ شرافت و نورانیت کی ایک تصویر۔ بڑی خاطر سے پیش آئے، پوچھا کہ کسی قسم کی تکلیف تو نہیں ہے؟ جدہ بھر میں صحیح و پاکیزہ عربی بولتے ہوئے صرف دو ہی صاحبوں کو پایا، ایک شیخ نصیف کو اور دوسرے حاجی عبداللہ زینل کو ورنہ تو ہر شخص کی زبان سے وہ زبان سنی، جسے خدا معلوم عربی کہا ہی کیوں جاتا ہے۔؟ شام کے وقت منشی صاحب اپنے موٹر پر سمندر کے کنارے ہوا خوری کے لیے گئے اور وہیں نماز مغرب پڑھی، عشا کی نماز پردس کی مسجد میں آکر پڑھی۔

۹ر اپریل سہ شنبہ۔ وکیل صاحب نے آج لاری دلانے کا وعدہ کر لیا تھا، لیکن یہ وعدہ اطمینان و اعتبار کے لیے کافی نہ تھا۔ اگر آج شام کو وہ انکار کر دیتے تو ان کا تو کوئی نقصان نہ ہوتا، لیکن ہم لوگوں کا ایک دن خواہ مخواہ ضائع ہو جاتا اور نہ صرف یہ کہ مدینہ طیبہ کی حاضری میں ایک دن کی تاخیر ہو جاتی بلکہ وہاں کی مدت قیام میں بھی ایک دن گھٹ جاتا۔ وکیل صاحب کے لیے ہماری التجائیں اور درخواستیں قطعاً غیر موثر تھیں۔ آج صبح میں مولانا مناظر احسن صاحب کے ہمراہ شیخ عبدالرحمن محمد الفضل سے ملا جو بمبئی کے عبداللہ الفضل کے حقیقی بھائی ہیں اور جدہ کے مشاہیر اور سلطان کے حاشیہ نشینوں میں ہیں، یہ بہت خوب شخص نکلے۔ خلافت کمیٹی، علی برادران، خدام الحرمین اور ہندوستان کے اور بہت سے مسائل پر آزادی و بے تکلفی سے باتیں کرتے رہے، شرکۃ الحرمین کے نام سے ایک موٹر کمپنی انھیں کی ہے۔ سفر مدینہ کی عجلت ہم لوگوں میں دیکھ کر انھوں نے پورا اطمینان دلایا کہ وکیل پر تاکید کر کے آج ہی لاری کا انتظام کر دیا جائے گا اور شام تک قافلہ روانہ ہو جائے گا۔ اس کے بعد وکیل صاحب کو بھی کوئی راہ گریز باقی نہ رہی، اور آج شام کو روانگی طے پا گئی۔ لاری کی سرکاری شرح آمد و رفت فی کس پندرہ گنی تھی، لیکن مختلف موٹر کمپنیوں میں مقابلہ جاری تھا۔ اس لیے ارزانی ہو کر فی کس دس گنی تقریباً (۱۲۵ روپیہ انگریزی) کی شرح آمد و رفت رہ گئی تھی مولوی شاہ لطف اللہ صاحب مونگیری کی پانچ آدمیوں کی پارٹی بھی ہمارے ہی ہمراہ چلنے پر آمادہ ہوئی، اس طرح کل ۱۲ آدمی ہوئے۔ دو موٹر لاریاں تیرہ تیرہ نشستوں

کی کی گئیں اور الفضل صاحب کی عنایت سے ہمارے لیے مخصوص ہو گئیں، یعنی ۲۱ آدمیوں کے ٹکٹ سے ۲۶ آدمیوں کی جگہ مل گئی۔

روانگی شام کو قرار پائی تھی، عین مغرب کے وقت دونوں لاریاں دروازہ پر آکر لگ گئیں، سب کے سوار ہونے، سامان لادنے، پوری پیشگی اجرت دے کر اس کی رسید حاصل کرنے اور حکومت د بلدیہ کے دوسرے مراحل طے کرنے میں عشار کا وقت آگیا، اور عین اس وقت جبکہ مسجدوں میں عشاء کی اذانیں ہو رہی تھیں ہمارا قافلہ شہر کے پھاٹک سے روانہ ہوا۔ جدہ سے مدینہ تک لاری راستہ میں آرام لیتی، اور ستاتی ہوئی ڈیڑھ دو دن میں پہونچتی ہے۔ اور اونٹوں سے یہ فاصلہ دس دن میں طے ہوتا ہے، جابجا منزلیں بنی ہوئی ہیں، لاریاں عموماً جہاں ٹھہرتی ہیں ان میں سے مشہور منزلیں، طوال، قدیمہ، رابغ، مستورہ، بیر درویش، بیرحسان، مسجد ہیں۔ ہر منزل پر پانی، چائے قہوہ، کی دوکانیں ہیں، اکثر منزلوں پر روٹی اور پکا ہوا گوشت یا ابلی ہوئی مچھلیاں مل جاتی ہیں مگر گوشت بدوی مذاق کا ہوتا ہے ہندستانیوں کے ذائقہ کا نہیں، گو بھوک کے وقت برتنے اچھی معلوم ہوتی ہے۔ بعض منزلوں مثلاً رابغ کا پانی بہت نفیس ہے۔ اور بعض بیرحسان وغیرہ کا اس کے بالکل برعکس[1] پیٹ کی آگ

---

[1] یہ میں نے اپنی زبانی یادداشت کے مطابق لکھا تھا سنہ ۱۹۳۶ء کے ایک حاجی نے توجہ دلائی کہ یہ بات الٹی لکھ دی گئی ہے حقیقتاً رابغ کا پانی کھاری ہے اور بیرحسان کا شیریں، واللہ اعلم۔

ہر جگہ بجھائی جاسکتی ہے، لیکن اگر زبان کا ذائقہ بھی مطلوب ہے تو ان منزلوں کے کھانے کے بھروسے پر ہرگز نہ رہنا چاہیے بلکہ اپنے مذاق و پسند کے مطابق کچھ ناشتہ ضرور ساتھ رکھنا چاہیے۔ بعض منزلوں میں تربوز اور بعض میں کھجور بھی مل جاتی ہے بڑی بڑی منزلوں میں رات کو سونے یا دن کو لیٹنے بیٹھنے کے لیے بان کے اونچے اونچے تکیہ دار کھاٹ مناسب کرایہ پر مل جاتے ہیں۔ گوشت کی بنی ہوئی چیزیں تو گرم موسم میں زیادہ ٹھہر نہیں سکتیں، البتہ ستو، بسکٹ، مکھن وغیرہ اگر اس سفر میں ساتھ رہیں تو کھانے کا مسئلہ بآسانی حل ہوتا رہتا ہے۔ سڑکیں اچھی بری کیا معنی، کہنا چاہیے کہ سرے سے ہیں ہی نہیں چلتے چلتے جو راستہ بن گئے ہیں انھیں کا نام سڑک رکھ لیا گیا ہے۔ حیرت ہے کہ سعودی حکومت جو لاریوں، موٹروں کی سرپرستی میں اتنی عالی ہمتی دکھا رہی ہے (شاید اس لیے کہ موٹر کمپنیوں سے خوب بھاری بھاری ٹیکس وصول ہوتے رہتے ہیں) سڑکوں کی تعمیر کی طرف سے اس درجہ غافل و بے پروا ہے (شاید اس لیے کہ سڑک کوئی آمدنی کی مد نہیں، محض خرچ ہی خرچ کا کام ہے) حالانکہ بہتر سے بہتر سواری بھی بغیر اچھی سڑک کے بیکار ہے۔ راستہ کی اسی ابتری کا نتیجہ ہے کہ سواری کی دو لاریوں کے ساتھ حوادث ناگہانی کے اندیشہ سے ایک ایک خالی لاری بھی رکھی جاتی ہے اور یہ اندیشہ محض موہوم نہیں اکثر ایسے واقعات ہوتے رہتے ہیں، خود ہمارے ساتھ جو لاری زنانہ قافلہ کی تھی دوپہر کے وقت ایک جگہ ریت میں دھنس گئی اور کسی طرح نہ ہٹ سکی، مجبوراً سواریوں کو اس خالی لاری میں منتقل کرنا پڑا۔

موٹریں روانہ ہوئیں اور شب کی تاریکیوں میں سفر شروع ہوا، کس کا سفر کہاں کا شروع ہوا؟ — کون بتائے؟ کس کی زبان جواب دے؟ حاضری کی اجازت اسے مرحمت ہو رہی ہے، جس کے نامۂ اعمال کی سیاہیاں شاید شب تار کی تاریکیوں سے بھی سیاہ تر ہیں۔ حضوری اس کے آستانہ پر ہو رہی ہے جو خود الطارق بنکر رات کی تاریکیوں کو منور کرنے آیا جس کا ظہور اس گھڑی ہوا جب دنیا پر تاریکیوں اور سیاہیوں کے ایک سے ایک گہرے پردے پڑے ہوئے تھے، اور جو اپنے ہمراہ نور اور اُجالا لے کر آیا — ایں! یہ دل کیوں دھڑکتا جاتا ہے؟ یہ آنکھیں کیوں پُرنم ہو رہی ہیں؟ یہ زبان کیوں خشک ہوئی چلی جاتی ہے؟ سامنا اس کا تو نہیں۔ جو محض حاکم و آمر ہے، شارع و داعی ہے، دودھ کا دودھ پانی کا پانی الگ کرنے والا ہے۔ حاضری تو اس کے دربار کی ہے جو ہمہ رحمت و ہمہ مرحمت ہے، جو بدکاروں کی پردہ پوشی کرنے والا ہے، جس کا نام شفیع المذنبین ہے۔ یعنی نیکوں اور پاکوں کا نہیں، گناہگاروں کا نجات دلانے والا، تباہ کاروں کا سہارا! یہ سب کچھ سہی یہ سب صحیح، پر دل اب بھی اپنے قابو میں نہیں۔ نفس کی شرارتیں، اندر کی خباثتیں قلب کی قساوتیں ایک ایک کر کے بے پردہ بے نقاب سامنے آرہی ہیں! اور ریا و نفاق کا جامہ ہر ہر لمحہ چاک ہو رہا ہے، جدہ سے نکلتے ہی ریت شروع ہو جاتی ہے راستہ کا بیشتر حصہ بالکل ریتلا ہے اور جب مدینہ طیبہ کی مسافت بقدر ایک ثلث رہ جاتی ہے تو پہاڑیوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور زمین بالکل پتھریلی ملنے لگتی ہے، ان ناہمواریوں کا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ لاریاں گویا اچھلتی ہوئی چلتی

ہیں اور دھکے دھچکے قدم قدم پر لگتے رہتے ہیں، ادھر دھچکا لگا اور ادھر زبان اعتراض پر کھلی! ——— اے ریاکار! آج تیری اصلیت ظاہر ہوگئی ہے! اے ظاہر دار اس وقت تیری قلعی اُتر رہی ہے، جب قوالی کی محفلوں میں یا شاعری کی دُنیا میں "دشت یثرب میں ناقہ کے پیچھے دوڑتے رہنے" کا یا تلوؤں میں خار صحرائے مدینہ کے چبھنے" کا ذکر آتا تھا، تو خوب گردن ہلا ہلا کر جھومتا تھا، جوش و مستی کا اظہار کرتا تھا اور ہمہ تن اشتیاق و تمنا بن بن جاتا تھا۔ پھر آج تو یہ منظر سامنے ہے تصور و خیال میں نہیں، مادی آنکھوں کے روبرو ہے۔ اس خاک کا سرمہ آنکھوں میں کیوں نہیں لگاتا؟ یہاں کے کانٹوں کو اپنے پیروں میں کیوں نہیں چبھنے دیتا؟ اس دشت میں "جیب و گریباں کی دھجیاں اڑاتے ہوئے کیوں نہیں دوڑ لگاتا؟ محبت رسولؐ کے دعوے زبانی تھے، دوستوں اور معتقدوں کے مجمع میں عشق سرکار مدینہ کی خوب خوب لاف زنی ہوتی تھی آج سارے دعووں کی حقیقت کھل گئی۔ مرکز نور سے جوں جوں قرب حاصل ہوتا جاتا ہے، ہر شے کی اصلیت سے نقاب اٹھتا جا رہا ہے۔ اے نفس کے غلام! کیا تو یہ سمجھے ہوئے تھا، کہ تیری ریاکاری اور ظاہر داریوں پر پردہ یوں ہی پڑا رہنے دیا جائے گا؟

ہماری طرح خدا معلوم کتنی اور موٹریں اور لاریاں سواریوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی اسی راستہ پر چل رہی ہیں۔ ہزارہا انسان اونٹوں کے قافلوں میں چلتے ہوئے مل رہے ہیں، سیکڑوں آدمی پیدل سفر کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، ان میں عورتیں

بھی ہیں اور مرد بھی، بوڑھے بھی ہیں اور بچے بھی۔ غریب بھی ہیں اور امیر بھی، بنگالی بھی ہیں اور پنجابی بھی، دکھنی بھی ہیں اور گجراتی بھی، حجازی بھی ہیں اور نجدی بھی مصری بھی ہیں اور سوڈانی بھی، جاوی بھی ہیں اور چینی بھی، برمی بھی ہیں اور بخاری بھی، افغانی بھی ہیں اور مراقشی بھی، یہ سب کے سب وطن اور عزیزان وطن کو چھوڑے ہوئے۔ تپتی ہوئی ریگ میں چلچلاتی ہوئی دھوپ میں کشمیر اور شملہ کو چھوڑ کر سبزہ زاروں اور آبشاروں کو بھلا کر، بھوک اور پیاس کی مشقتیں جھیلتے ہوئے اور گرد و غبار میں غسل کرتے ہوئے کہاں کو چلے رہے ہیں؟ رامپور کے حاکم وقت رئیس کلب علی خاں کو کس راستہ کی خاک پھانکنے پر فخر تھا؟ بھوپال کی اہل دل فرمانروا سلطان جہاں بیگم کو کس کے آستانہ کی گدائی پر ناز رہا ہے! مملکت آصفیہ کے تاجدار میر عثمان علی خاں نامدار کے دل کو آج بھی کس کے کوچہ کی آرزوئے جاروب کشی تڑپائے ہوئے ہے؟ محمدؐ کے نام سے ابوجہل اور ابولہب کی طرح جلنے والے محمدؐ کی عظمت کو "علمی" توجیہات و تاویلات کر کر کے دلوں سے گھٹانے والے محمدؐ کی سیرت پاک کو اپنی ناپاکیوں اور گندگیوں پر قیاس کر کے مسخ کر کر کے پیش کرنے والے آج کاش اپنے اپنے مٹی کے گھروندوں سے باہر نکل کر دیکھیں کہ اس دور یاجوجیت۔ اس غلبۂ دجالیت کے باوجود دنیا کی کسی یونیورسٹی، اور کسی کالج میں کسی جامعہ اور کسی اکاڈیمی میں، کسی کتب خانہ اور کسی تجربہ گاہ میں کسی "ماہر فن" کے لکچر روم میں کسی پروفیسر کے حلقۂ درس میں، وہ کشش اور دلکشی وہ قوت جذب ہے جو اس مقام میں ہے، جہاں اس امی کا جسد ظاہری آرام

فرمارہا ہے جو اپنے رب کی سب سے زیادہ تعریف کرنے والا (احمدؐ) تھا اور جس کو اس کے رب نے "تعریف کیا گیا" (محمدؐ) کہہ کر پکارا؟۔

باب (۹)

مدینہ

بوئے یار مہربانم می رسد بوئے جاناں سوئے جانم می رسد

باز آمد آب مادر جوئے ما باز آمد شاہ مادر کوئے ما

۱۱ر اپریل ۱۹۲۹ء پنجشنبہ، یکم ذیقعدہ ۱۳۴۷ھ آج کی صبح کتنی مبارک صبح ہے آج کے دن زندگی کا سب سے بڑا ارمان پورا ہونے کو ہے، آج ذرّہ آفتاب بن رہا ہے، آج بھاگا ہوا غلام اپنے آقا و مولا کے دربار میں حاضر ہو رہا ہے، آج گنہگار اُمتی کو شفیع و شفیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانہ پر سلام کی عزت حاصل ہو رہی ہے! ہندوستان کی عورتیں ذیقعدہ کو "خالی" کا مہینہ کہتی ہیں، پر جس کے نصیب میں اس "خالی" مہینہ میں اس دولت سے مالا مال ہونا مقدر ہو چکا ہو وہ اس مہینہ کو کیا کہہ کر پکارے؟ "جمعرات" کو شاید قافیہ کی رعایت سے "پیروں کی کرامات" کہتے ہیں، ہر جمعرات ایسی ہی ہوتی ہو گی لیکن جس جمعرات کو کسی کی قسمت میں یہ کرامت لکھی ہو، اس کا توجی میں آتا ہے کہ پیروں اور بزرگوں

کی نہیں، تباہ کاروں اور سیاہ کاروں کی کرامات، تام رکھیے!

عاذلا چند ایں صداع و ماجرا　　پند کم دہ بعد ازیں دیوانہ را
غیر جعد آں نگار مقبلم　　گر دو صد زنجیر آری بگسلم
وقت آں آمد کہ من عریاں شوم　　جسم بگزارم سراسر جاں شوم

شب منزل بیر حسان میں گزاری تھی۔ صبح سویرے روانہ ہوئے، اور ساتھ بجے مسیجد میں دم لیا۔ سرزمین طیبہ کے انوار و آثار صبح ہی سے شروع ہو گئے تھے، روحانی انوار تو خیر جس کسی کو نظر آتے ہوں گے، اس کے لیے ہیں، باقی مادی فضا کی خوشش آئند تبدیلیاں تو ہم بے بصروں کو بھی محسوس ہو رہی تھیں۔ خوش عقیدگی کا سوال نہیں، محض ثبات حواس و ادراک کی ضرورت ہے۔ ۹ بجے کھڑے چند منٹ کے لیے ایک اور منزل پر رُکے اس کا نام اس وقت یاد نہیں آتا، یہ آخری منزل ہے۔ اس کے بعد کوئی اور درمیانی منزل نہیں صرف منزل مقصود ہے۔ اب گویا نواح مدینہ شروع ہو گیا، کھجور نہایت شاداب و شیریں سامنے لگے ہوئے، ہوا لطیف و خوشگوار، فضا خوشش منظر، سبزہ جو راستہ بھر کہیں نظر نہیں آیا تھا، اب ہر طرف دکھائی دے رہا ہے۔ ریت کے میدان اور ریگستان کے بجائے اب ہر طرف پہاڑیوں کا سلسلہ، سڑک اتنی ہموار و نفیس کہ معلوم ہوتا ہے کہ عرب میں نہیں ہندوستان میں سفر کر رہے ہیں، دس بجے، سوا دس بجے، ساڑھے دس بجے۔ ادھر وقت کی گھڑیاں گزر رہی ہیں، اور ادھر

دلوں کا شوق و اشتیاق ہے کہ ہر منٹ، ہر سکنڈ بڑھتا جارہا ہے، کسی کے ہاتھ میں مناسک و آداب زیارت کے رسالے ہیں، وہ انھیں دیکھ دیکھ کر دعائیں یاد کر رہا ہے، اور کوئی خالی درود شریف کا ورد کیے جارہا ہے۔ ہر قلب اپنے اپنے حال میں گرفتار، ہر دل اپنی اپنی جگہ مضطر و بیقرار، کسی کی آنکھیں اشک بار اور کسی کا دماغ نشۂ لذت و فرحت سے سرشار! اپنی اپنی نسبتیں اور اپنا اپنا اعتبار!

فقیہ نامور صاحب فتح القدیر ابن ہمام نے لکھا ہے۔

كُلُّ مَا كَانَ اَدْخَلَ فِي الْاَدَبِ وَ الْاِجْلَالِ كَانَ حَسَنًا	ادب و تعظیم کے خیال سے جو کچھ بھی کیا جائے اچھا ہی ہے۔

سارا قافلہ ذوق و شوق کی تصویر۔ اور تو اور نجدی شوفر تک چند لمحوں کے لیے بجائے "نجدی" کے "وجدی" بنا ہوا، مولانا مناظر فرط گریہ سے بیتاب ضبط و احتیاط کے باوجود بھی چیخ نکل جانے پر مجبور، ایک سرگشتہ و دیوانہ، عقل سے دور علم سے بیگانہ، نہ گریاں نہ شاداں، نہ اپنی حضوری کی خوش بختی پر خوش اور نہ تباہ کاریوں کی یاد پر مغموم محض اس الجھن میں گرفتار کہ یا الٰہی یہ بیداری ہے یا خواب، کہاں یہ ارض پاک اور کہاں یہ بے مایہ مشت خاک! کہاں مدینہ کی سرزمین اور کہاں اس ننگ خلائق کی جبیں! کہاں سید الانبیاء کا آستانہ اور کہاں اس روسیاہ کا سر و شانہ! کہاں وہ پاک سرزمین کہ اگر اس پر قدسیوں کو بھی چلنا نصیب ہو تو ان کے فخر و شرف کا نصیبا جاگ جائے اور کہاں ایک آوارہ و ناکارہ بے تکلف

اسے پامال کرنے کی جرأت کر بیٹھے، عراقی نے کہا تھا کہ ناپاک کے سجدہ کرنے سے زمین فرط اذیت سے چیخ اٹھتی ہے، ؎

بہ زمین چو سجدہ کردم ززمیں ندا بر آمد
تو مرا خراب کردی بہ ایں سجدۂ ریائی

تو جب ہر معمولی اور عام خطۂ زمین ریاکار کے سجدہ سے یہ ایذا محسوس کرتا ہے تو پھر اس عظمت و تقدس والی سرزمین کے جگر و سینہ پر ایک ریاکار کے بار قدم سے کیا گزر گئی ہو گی!

عزیزو اور بزرگو! یہ شاعری نہیں، وہم و تخیل کی کرشمہ سازی نہیں، ابوداؤد اور صحیح مسلم میں حضرت حذیفہؓ کی زبانی بیان ہے کہ میں راستہ میں جا رہا تھا، اور مجھے غسل کی حاجت تھی، کہ سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے ہوئے ملے، اور میری طرف بڑھے (فاھوی الیہ) لیکن میں الگ ہٹ گیا (فحاد عنہ) اور اس کے بعد غسل سے فراغت کر کے جب خدمت والا میں حاضر ہوا ہوں تو میں نے عرض کیا کہ میں اس وقت پاک حالت میں نہ تھا۔ اور اسی طرح نامور آقا کے ایک دوسرے نامور خادم ابوہریرہؓ اپنی آپ بیتی بیان کرتے ہیں کہ مجھے ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راستہ میں مل گئے اور مجھے اس وقت غسل کی حاجت تھی اور میں الگ ہٹ گیا۔ اور غسل کرنے کے بعد مجلس مبارک میں حاضر ہوا۔ اللہ اللہ! یہ احتیاط کون لوگ کر رہے ہیں؟ حذیفہؓ اور ابوہریرہؓ رضی اللہ عنہما جو پاکوں کے سردار کے

فیض صحبت سے خود پاک و پاکیزہ بن چکے ہیں! اور جو خود اس درجہ پر پہونچ چکے ہیں کہ ان کا سایہ ناپاکوں کو پاک بنادینے کے لیے کافی ہے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم از خود ان کی جانب التفات فرماتے ہیں، اور بڑھ کر ملنا چاہتے ہیں، لیکن ادھر یہ حالت ہے کہ بجائے سر کے بل دوڑنے کے، الٹے پاؤں واپسی اور علیحدگی اور کنارہ کشی ہوتی ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عارضی آزردگی کا خطرہ قبول کرلیا جاتا ہے۔ لیکن یہ گوارا نہیں ہوتا کہ اپنی عارضی اور محض ضابطہ کی ناپاکی کو اس سراپائے نور کے مقابل لایا جائے، جو ہمہ لطافت وہمہ نظافت ہے! جب حذیفہؓ اور ابو ہریرہؓ کا ایک عارضی اور وقتی اور محض فقہی ناپاکی، کی بنا پر یہ حال ہو، یہ احساس ہو، تو اے دین متین کے حاملو! اور اے شریعت اسلامیہ مفتیو! اس کے متعلق کیا فتویٰ دوگے جس کی گندگی عارضی نہیں، دائمی ہے، وقتی نہیں مستقل ہے، جسم کے اوپر نہیں روح کے اندر ہے، ظاہر میں نہیں باطن میں ہے پانی کے چند لوٹوں سے دُھل جانے والی نہیں دریا اور سمندر میں غوطہ کھاکر بھی جوں کی توں رہ جانے والی ہے!

ادب کا تقاضا کہ شہر کچھ دور باقی رہے تو سواریوں سے اتر کر پیدل چلیے، شوق دل کا فتویٰ کہ ضروریات سے فارغ ہوکر، نہا دھوکر، سفر کے گرد آلود کپڑوں کی جگہ نئے کپڑے بدل کر شہر کے اندر قدم رکھیے، لیکن سواری اپنے اختیار کی نہیں موٹر کے شوفروں کی ہر طرح خاطر، ارات کی کہ کسی طرح مان جائیں، لیکن جواب یہی

ملتا رہا کہ حکومت کے قانون اور سرکار کے ضابطہ سے مجبوری ہے، جو جگہ لاریوں کے ٹھہرنے کی اور مسافروں کے اُترنے کی مقرر ہے ٹھیک وہیں پہونچ کر لاری رُکے گی نہ اس سے چار گز اِدھر، نہ چار گز اُدھر! لیجیے بات کہتے کہتے گیارہ بج گئے، اور سواد شہر نظر آنے لگا، شوفر نے پکار کر "مدینہ مدینہ"!! اور سرسبز درخت اور شہر کی عمارتیں دھندلی دھندلی دکھائی دینے لگیں۔ اقبالؒ سے

خاکِ یثرب از دو عالم خوشتر است　　اے خنک شہرے کہ آنجا دلبر است

در دل مسلم مقام مصطفےٰ است　　آبروئے ما زنام مصطفےٰ است

اَللّٰهُمَّ هٰذَا حَرَمُ نَبِيِّكَ فَاجْعَلْهُ لِيْ وِقَايَةً مِنَ النَّارِ وَ اَمَانًا مِنَ الْعَذَابِ وَسُوْءِ الْحِسَابِ ۔

اے اللہ! یہ تیرے نبی صلعم کا حرم ہے، پس اسے میرے حق میں دوزخ سے سپر اور عذاب سے اور حساب کی خرابی سے امن رکھنے والا بنادے!

اب لاریاں قدم قدم پر رُکنی شروع ہوئیں، کہیں سرکاری کارندے اور پیادے شوفروں سے سوال و جواب کر رہے ہیں اور کہیں مزدوروں کی جماعت اہل قافلہ سے سوالوں کی بھرمار کر رہی ہے

"کس شہر سے آرہے ہو"؟ کتنے آدمی ہو؟ "کس رباط میں ٹھہروگے؟"

اس قسم کے سوالات کے مسلسل جوابات دیتے ہوئے ٹھیک دوپہر کے وقت ہندوستان کے حساب سے بارہ بجے تھے اور عربی گھڑیوں میں چھ بجے کا وقت تھا فصیل شہر کے اندر داخل ہوئے اور لاری ریلوے اسٹیشن کے سامنے والے میدان میں اپنے اڈے پر پہونچ کر رک گئی۔ یہ اسٹیشن وہی ہے جو مشہور حجاز ریلوے

کے سلسلہ میں ترکوں کے زمانہ میں تعمیر ہوا تھا، عمارت نہایت وسیع اور عالی شان ہے شام سے اس زمانہ میں ریلوں کی آمد ورفت شروع بھی ہوگئی تھی، ریل کی پٹریاں ابتک بچھی ہوئی ہیں، اور انجن اور گاڑیاں ابتک کھڑی ہوئی ہیں، یہ ریل اس پیمانہ کی تھی جسے ہندوستان میں چھوٹی لائن کہتے ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ، مَا شَاءَ اللّٰہُ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ رَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْکَ سُلْطَانًا نَّصِیْرًا، اَللّٰھُمَّ ھٰذَا حَرَمُ رَسُوْلِکَ فَاجْعَلْہُ لِیْ وِقَایَۃً مِّنَ النَّارِ وَاَمَانًا مِّنَ الْعَذَابِ وَسُوْءِ الْحِسَابِ اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ وَارْزُقْنِیْ مِنْ زِیَارَۃِ رَسُوْلِکَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا رَزَقْتَ اَوْلِیَائَکَ وَاَھْلِ طَاعَتِکَ وَاَخْلِصْنِیْ مِنَ النَّارِ وَاغْفِرْ لِیْ وَارْحَمْنِیْ یَا خَیْرَ مَسْئُوْلٍ!

اللہ کے نام کے ساتھ داخل ہوتا ہوں، اللہ نے جو چاہا ہی ہوا، کسی میں قدرت نہیں بجز اللہ کے، اے پروردگار مجھے خوبی ہی کے ساتھ داخل کیجیو اور خوبی ہی کے ساتھ باہر نکالیو، اور مجھے غلبہ دیجیو اپنی نصرت کے ساتھ ملا ہوا، اے اللہ! یہ تیرے رسول کا حرم ہے پس اسے میرے حق میں سپر بنادے دوزخ سے اور حساب کی خرابی سے امن رکھنے والا بنادے، اے اللہ! مجھ پر اپنی رحمت کے دروازے کھول دے اور نصیب کر مجھے زیارت اپنے رسولؐ کی جو کہ نصیب کی تو نے اپنے اولیاء اور اپنے طاعت گزاروں کو، بچا مجھے دوزخ کی آگ سے اور میری مغفرت کر اور مجھ پر رحم کر اے ان سب سے بہتر جن کے سامنے عرض حاجت کی گئی!

اسٹیشن مسجد نبوی سے کوئی میل بھر کے فاصلہ پر ہوگا، یہیں ترکوں کی بنائی ہوئی ایک مسجد بھی ہے، جس کی سمت قبلہ کہا جاتا ہے کہ بہت غلط واقع ہوئی ہے، اور

اس لیے جماعت میں صفیں ترچھی کھڑی ہوتی ہیں، سامان اٹھانے کے لیے مزدور بکثرت مل جاتے ہیں، ضعیفوں، عورتوں، بچوں اور ناتوانوں کے لیے حیدرآبادی جھٹکے کی قسم کی سواریاں بھی مل جاتی ہیں، جنھیں یہاں کی زبان میں عربیات کہتے ہیں مزدور ہوں یا سواریاں، سب کی اجرتیں پہلے سے چکا کر طے کر لینا ضروری ہے ورنہ بعد کو خواہ مخواہ بدمزگی واقع ہوتی ہے، اور جو مقام تنگی و افتقار کا ہے وہاں خواہ مخواہ زبان بدزبانی پر کھلتی ہے۔

مکہ کے معلموں کی طرح مدینہ میں بھی ایک پیشہ ور جماعت موجود ہے جس کا کام زائروں کے قیام کا بندوبست کرنا اور انھیں آداب زیارت تلقین کرنا ہے، یہ لوگ مزوّر کہلاتے ہیں، ہندوستان کا ایک ایک شہر ہر مزوّر کے حصہ میں تقسیم ہے اسی لیے شہر میں داخل ہونے سے پہلے ہی یہ سوال کر لیا جاتا ہے کہ کس شہر سے آئے ہو، خود مزوّرین تو بہت کم آتے ہیں البتہ ان کے کارندے اور ملازمین لازمی طور پر ہر قافلہ کو ملتے ہیں، اور جو قافلہ جس شہر کا ہوتا ہے اس کے قیام کا ذمہ دار اس شہر کا مزور ہو جاتا ہے. زائروں اور مزوّروں کے لیے عام طریقہ یہی ہے، ان کے علاوہ ہندوستان کے بعض صاحب خیر رئیسوں کی طرف سے رباطیں بھی قائم ہیں مثلاً رباط ٹونک، رباط بھوپال، رباط حیدرآباد[1]، رباط ٹونک تک پہونچنا نہیں ہوا لیکن

---

[1] یہ ذکر اس وقت کا ہے جب ہندوستان کی مسلم ریاستیں قائم و موجود تھیں۔

اس کی تعریف سننے میں آئی ہے۔ رباط بھوپال حرم سے نصف فرلانگ کے فاصلہ پر ہے، اور عمارت گو بہت زیادہ وسیع نہیں، تاہم اچھی حالت میں ہے، اور تھوڑے سے آدمی اس میں پوری آسائش کے ساتھ رہ سکتے ہیں، حیدر آباد کی طرف سے کم سے کم دو عمارتیں ہیں، ایک رباط حسین بی کہلاتی ہے اور دوسری کو مکان حسین بی کہتے ہیں، اور شاید ان کے علاوہ بھی کوئی عمارت ہے۔ حسین بی کا مکان گو مختصر ہے لیکن اچھی حالت میں ہے۔ حسین بی کی رباط گو بہت وسیع اور چومنزلی عمارت ہے لیکن بہت بوسیدہ اور مرمت طلب حالت میں ہے۔ ان حیدر آبادی عمارتوں کے مہتمم شیخ جعفر داغستانی ایک معقول و خوش اخلاق شخص ہیں جو مزوری بھی کرتے ہیں۔ ہم سب لوگوں کے ٹھہرنے کا انتظام ریاست حیدر آباد کی طرف سے انھیں سرکاری عمارتوں میں ہو گیا تھا، اور ان داغستانی صاحب کے نام تعارف نامہ بھی اختیار جنگ[1] بہادر معتمد امور مذہبی مملکت آصفیہ نے دے دیا تھا۔

بزرگوں نے افضل اور مستحب اس کو بتایا ہے کہ مدینۂ طیبہ پہونچتے ہی سب سے پہلے ہی روضہ اقدس پر حاضری دی جائے لیکن ایسے نصیب صرف

---

[1] اصل نام منشی لطیف احمد مینائی رامپوری تھا، مشہور شاعر امیر مینائی کے فرزند تھے، چند سال ہوئے انتقال ہو گیا۔

خوش نصیبوں ہی کے ہو سکتے ہیں۔ یہاں اکیس آدمیوں کا قافلہ ہمراہ تھا، جس میں اچھی خاصی تعداد بوڑھے مردوں اور بوڑھی عورتوں کی تھی، سب سے پہلی فکر قدرتاً ان کے ٹھہرانے اور سامان کے ٹھکانے لگانے کی ہوئی، لاری سے اتر کر سامنے والی مسجد میں چار چار رکعتیں نفل کی پڑھیں، اور سامان اعرابیوں پر لاد کر ہم لوگ پا پیادہ روانہ ہوئے۔ مقام کی اجنبیت، زبان کی اجنبیت، راستہ کی ناواقفیت بہرحال کچھ دیر کے بعد پتہ لگاتے لگاتے۔ مکان حسین بی تک پہونچے، داغستانی صاحب معلوم ہوا کہ نماز ظہر پڑھنے حرم گئے ہوئے ہیں، اور ابھی واپس نہیں ہوئے ہیں۔ وہ خدا معلوم کتنی دیر میں واپس ہوں؟ عورتوں کو اتنی دیر کہاں بٹھایا جائے؟ خود اتنی دیر تک عرب کی اس تیز دھوپ میں ٹھیک دوپہر کے وقت کہاں بیٹھ کر انتظار کیا جائے؟ یہی سوالات پیش نظر تھے کہ مکان کے کوٹھے سے ایک صاحب نے میرا نام لے کر پکارا، حیرت ہوئی کہ یہاں یہ کون شناسا نکل آئے، اتنے میں وہ صاحب اتر کر نیچے آئے تو معلوم ہوا کہ منشی امیر احمد صاحب علوی کاکوروی (ڈپٹی مجسٹریٹ و ڈسٹرکٹ جج پنیم چھاؤنی) ہیں جو کئی ماہ قبل سے یہاں مقیم ہیں، اس وقت ان کا ملنا نعمت غیر مترقبہ تھا، خود مہمان تھے، مگر ہمارے میزبان بن گئے، منشی صاحب اردو کے ممتاز ادیب اور اہل قلم ہیں، اور متعدد ادبی کتابوں کے مصنف، لیکن یہ کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ محض "اہل قلم" نہیں "اہل دل" بھی ہیں، تھوڑی دیر میں صوبۂ بہار کے ایک ہومیوپیتھک ڈاکٹر عبد الرحمن صاحب سے بھی ملاقات ہوگئی، جو ریاست حیدرآباد کی طرف سے دو سال سے خدمت حجاج

کے لیے حجاز آرہے ہیں۔ ان کی وسعت اخلاق نے ثابت کردیا کہ مسافر نوازی میں صوبہ بہار کا قدم صوبۂ اودھ سے کچھ پیچھے نہیں، اتنے میں داغستانی بھی آگئے۔ مولوی لطف اللہ صاحب مونگیری کا قافلہ اسی مکان میں رہ گیا اور ہم سولہ آدمی رباط حسین ہی میں منتقل ہو گئے۔

اس سارے اہتمام وانتظام میں ظہر کا وقت تو جا ہی چکا تھا، عصر کا بھی اول وقت چلا گیا، اور یہ دونوں نمازیں بجائے حرم شریف میں پڑھنے کے گھر ہی میں پڑھیں، اب ڈر ہوا کہ کہیں خدانخواستہ مغرب کا وقت بھی نہ چلا جائے، جلدی جلدی حجامت بنوائی، غسل کیا کپڑے پہنے اور حرم شریف کی حاضری کی فکر ہوئی، جسم ان تیاریوں میں مصروف لیکن دل کس حالت میں؟ آداب زیارت کے جتنے رسالے نظر سے گزرے، یہ سب میں لکھا ہوا ملا کہ غسل کرے، خوشبو لگائے، کپڑے نئے پہنے، لیکن یہ کوئی نہیں بتاتا کہ دل کیونکر قابو میں کیا جائے؟ اس وقت اپنے دل کا کیا حال ہو رہا ہے، خوش ہو رہا ہے؟ مغموم ہے؟ حیرت طاری ہے؟ ہیبت سے دھڑک رہا ہے؟ شوق سے اچھل رہا ہے؟ آخر کیا ہے؟ ——— کون بتلائے اور بتلانے کے لیے الفاظ کہاں سے لائے؟ زبان، گوشت اور پوست کی بنی ہوئی زبان، گفتگو کی ترجمانی کر سکتی ہے، لیکن دل کی ترجمانی کے لیے تو دل ہی کی زبان چاہیے۔ کاغذ کے نقوش اور سیاہی کے حروف میں اسے کیونکر منتقل کیا جائے ع

کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا

باب (۱۰)

آستانۂ نبوتؐ

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۔ یہ کسی فقیہ کا اجتہاد نہیں جس پر ردو قدح کی گنجائش ہو۔ کسی بزرگ کا کشف نہیں جس میں غلطی اور دھوکے کا احتمال ہو، کوئی روایت حدیث نہیں جس کے اسناد میں گفتگو ہو سکے، خدائے پاک کے کلام کی ایک آیت ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ "ان لوگوں نے جس وقت اپنے اوپر ظلم کیے تھے. اے پیغمبر! اگر تمھارے پاس آ گئے ہوتے اور اللہ سے اپنے تصور کی معافی چاہتے اور رسول بھی ان کے حق میں معافی چاہتے تو پاتے اللہ کو معاف کرنے والا مہربان" گویا گناہ گاروں اور تباہ کاروں کو یہ حکم ملا ہے کہ اپنے پروردگار سے معافی طلب کریں، لیکن تنہا اپنے گھروں پر بیٹھے ہوئے نہیں، بلکہ رسول کی خدمت میں حاضر ہو کر، اور ان سے بھی اپنے حق میں دعا کرا کر، ظاہر ہے کہ حکم کا براہ راست تعلق کسی ایسے گروہ سے ہے جو حضور انورؐ کے زمانہ میں موجود تھا، خوش نصیب تھے وہ افراد جنھیں اس حکم پر عمل کی توفیق نصیب ہوئی، جو رسول کی خدمت میں حاضر ہوئے جنھوں نے اللہ سے گڑگڑا گڑگڑا کر معافی مانگی، اور رسول نے جن کے حق میں سفارش

فرمائی، لیکن آج اس چودھویں صدی میں امت کا کوئی فاسق وفاجر، بدعمل ونامہ سیاہ اگر حکم "جاؤک" کی تعمیل کرنا چاہے، تو کیا اس کے لیے، اس سعادت وہدایت کا دروازہ خدا نخواستہ قیامت تک کے لیے بالکل بند ہو چکا ہے؟ اور اس کی قسمت میں بجز مایوسی ومحرومی کے اور کچھ نہیں؟

موسم گل جب چمن سے رخصت ہو چکتا ہے اور کوئی بوئے گل کا متوالا آنکلتا ہے تو عرق گلاب کے شیشوں اور قرابوں کو غنیمت سمجھتا ہے، پھر اگر آج کوئی بوئے حبیب کا متوالا حکم "جاؤک" کی تعمیل میں، اپنے کو ہزاروں میل کے فاصلہ سے دیار حبیبؐ تک پہونچاتا ہے اور اپنے مظالم نفس کی تلافی وعذر خواہی کے لیے اپنے ایمان اور اپنی بیعت کی تجدید کے لیے اپنی تباہ کاریوں پر پشیمانی اور اشک افشانی کے لیے حبیبؐ تک نہ سہی آستانِ حبیبؐ تک گرتا پڑتا پہنچتا ہے تو کیا اس پر "بدعت وشرک" کا ٹھپہ لگایا جائے گا؟ جہاں اللہ کے سب سے بڑے پرستار (صلعم) نے نمازوں پر نمازیں پڑھیں، اور آخری نمازیں پڑھیں، جہاں عبد ومعبود کے راز ونیاز، حیات ناسوتی کی آخری سانس تک جاری رہے، جہاں ہیبت وخشیت سے لرزتے ہوئے گھٹنے خدا معلوم کتنی بار رکوع میں جھکے، جہاں ذوق وشوق سے دمکتی ہوئی پیشانی بارہا سجدہ میں گری، جہاں امت کے گنہگاروں اور سیہ کاروں کے حق میں درد بھری دعاؤں کے لیے ہاتھ اٹھے اور ملے، جہاں ٹوٹی ہوئی آس والوں کی بیشمار مرتبہ تشفی کرائی گئی، جہاں وہ آج جسد اطہر آرام فرما ہے جس کے طفیل میں آسمان بھی وجود

میں آیا اور زمین بھی، چاند بھی اور سورج بھی۔ اس عظمت و جلال والی اس برکت اور نورانیت والی زمین پر مقدس مکین کے مقدس مکان پر بھی جبین نیاز کو خم کرنا اگر شرک ہے" بدعت ہے" تو خدا معلوم کس مقام اور کس مکان پر بھی حاضر ہونا کس آئین "توحید" و سنت کے مطابق ہو سکتا ہے؟

حافظ ابن کثیر دمشقی تیرھویں اور چودھویں صدی کے "مبتدع" نہ تھے۔ ساتویں اور آٹھویں صدی کے محدث تھے۔ اپنی تفسیر میں (اس تفسیر میں جو ایک بار ہندوستان کے مشہور "موحد"، نواب صدیق حسن خاں مرحوم کی تفسیر کے ساتھ شائع ہوئی تھی، اور اب نجد و حجاز کے مشہور "موحّد" سردار سلطان ابن سعود کے حکم سے شائع ہوئی ہے) عتبیؒ کی زبانی نقل فرماتے ہیں، کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربت مبارک کے قریب بیٹھا ہوا تھا کہ ایک اعرابی آیا، اور عرض کی کہ "یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۔ پس میں آپؐ کے پاس حاضر ہوا ہوں، اپنے گناہوں پر مغفرت طلب کرتا ہوں اور اپنے پروردگار میں آپؐ سے شفاعت کی درخواست کرتا ہوں"۔ اس کے بعد نعت میں دو شعر پڑھے۔ عتبی کہتے ہیں کہ اس کے بعد اعرابی تو وہاں سے ہٹ گیا اور مجھے نیند آ گئی، خواب میں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی اور آپؐ نے مجھ سے فرمایا کہ اس اعرابی سے جا کر مل اور اسے بشارت پہونچا دے کہ اللہ نے اس کی مغفرت کر دی (جلد ۲ ص۱۰ مطبوعہ المنار مصر ۱۳۴۳ھ) اور اسی

ملتی جلتی ایک دوسری روایت ابوحیان اندلسی نے بھی اپنی تفسیر بحر المحیط میں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے حوالہ سے نقل کی ہے (جلد ۳ صفحہ ۲۸۳ مطبوعہ مصر ۱۳۲۸ھ) یہ روایات جزئیات و تفصیلات کے ساتھ صحیح ہوں یا نہ ہوں اور خواب و کشف کی بشارتیں حجت ہوں یا نہ ہوں لیکن اتنا تو بہرحال نکلتا ہے کہ یہ "خوش عقیدگی" کوئی آج کی بدعت نہیں، بلکہ صدیوں پیشتر کے "موحدین" بھی اس مرض میں مبتلا رہ چکے ہیں۔

اس کے بعد اب اس بحث میں کیوں الجھئے کہ نیت روضۂ اقدس کی زیارت کی رکھنی چاہیے، یا مسجد نبوی کی؟ انسان کی جدال پسند فطرت ہر سیدھی بات کو ٹیڑھی بنا دیتی ہے، صاف اور سیدھی بات یہ ہے کہ مقصود خود حضور انور کی زیارت ہونی چاہیے۔ ظاہر ہے کہ اب مادی آنکھوں سے اس کا امکان نہیں۔ اس لیے مکان کے جس حصّہ کو مکین سے جس قدر زیادہ تعلق، جس قدر زیادہ قرب ہوگا، اسی قدر اس کی زیارت اہم تر و محبوب تر ہوگی، حجرۂ عائشہ صدیقہ ہو یا مصلّیٰ و منبر، جس شے کو بھی امتیاز و افتخار حاصل ہوا، اسی بنا پر حاصل ہوا کہ حضورؐ کی ذات سے اس کا تعلق تھا، اس میں نہ کسی کو نزاع ہے اور نہ کوئی وجہ نزاع، اس کے آگے جو کچھ اختلاف ہے وہ کسی اصول یا عقیدہ کا اختلاف نہیں، اپنے اپنے ذوق طبعی کا اختلاف ہے بعض کی نظر زمین کے ان ٹکڑوں کی عظمت و تقدیس پر گئی جو سید الانبیاء صلعم کے رکوع و سجود کے لیے مخصوص تھے اور اسی لیے انھوں نے نیت زیارت میں مسجد نبویؐ

کے احترام کو سب پر مقدم و بالا رکھا۔ اور بعض نے یہ خیال کیا کہ وہ شہیدوں اور صدیقوں کا سردار جب اپنی حیات طیبہ کے ساتھ اس وقت بھی زندہ و قائم ہے، تو قدرتاً سب سے زیادہ شرف و احترام مٹی کی اس لحد کو حاصل ہے جس کے اندر جسد اطہر آرام فرما ہے اور اسی لیے سفر کا اعلیٰ مقصود اس تربت پاکؐ ہی کی زیارت ہو تو بہتر ہے، اور فقہائے حنفیہ نے غایت انصاف و اصابت رائے کے ساتھ یہ فیصلہ فرما دیا ہے کہ زیارت تربت مبارک کے ساتھ ہی ساتھ زیارت مسجد نبویؐ کی نیت کو بھی جمع کر لیا جائے۔

وَزِيَارَةُ قَبْرِ الشَّرِيْفِ مَنْدُوْبَةٌ بَلْ قِيْلَ اِنَّهَا وَاجِبَةٌ وَيَنْوِيْ مَعَهُ زِيَارَةَ مَسْجِدِهٖ الشَّرِيْفِ (درمختار) فَاِذَا نَوٰى زِيَارَةَ الْقَبْرِ فَلْيَنْوِ مَعَهُ زِيَارَةَ مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ	قبر شریف کی زیارت مستحب ہے بلکہ بعض علما کے قول کے مطابق واجب ہے جس کو اس کی اور اس کے ساتھ ساتھ آپ کی مسجد شریف کی زیارت کی بھی نیت کر لی جائے، جب زیارت قبر رسول کی نیت کرے تو چاہیے کہ زیارت مسجد نبویؐ کی بھی نیت کر لے۔

مسجد نبویؐ اور روضۂ مبارک الگ الگ عمارتوں کے نام نہیں، اور ایک دوسرے سے جدا نہیں۔ مسجد کی عمارت بہت وسیع شاندار اور اس سے بھی کہیں بڑھ کر حسین و جمیل ہے، اس سے بڑی بعض مسجدیں ہندوستان کے اندر موجود ہیں، اور دوسرے ملکوں میں بھی یقیناً ہوں گی۔ لیکن حسن و جمال کے لحاظ سے، خوبی و محبوبی کے لحاظ سے، زیبائی و دلکشی کے لحاظ سے پردۂ زمین پر اس مسجد کا جواب نہیں، بس یہ جی

چاہتا تھا کہ ہر وقت صحن میں بیٹھے ہوئے عمارت مسجد کی طرف برابر ٹکٹکی لگی رہے اللہ اللہ! کس محبوب کی مسجد ہے، کیسے کیسے محبوبوں نے یہاں ماتھے ٹیکے ہیں، اینٹ اور پتھر، مٹی اور چونے تک پر محبوبیت چھا رہی ہے! مسجد کی پیمائش کا دماغ کس کو اور طول وعرض کے جائزہ لینے کا ہوش کسے۔ لیکن بعض کتابوں میں پڑھا ہے کہ موجودہ مسجد کا طول ۴۰۰ فٹ اور عرض ۳۰۰ فٹ ہے، قبلہ جنوب کے رخ پر ہے، آگے پیچھے دس گیارہ دالان بنے ہوئے ہیں۔ بہترین نقش ونگار سے آراستہ حسن وزیبائش میں ایک سے ایک بڑھے ہوئے۔ اس کے بعد وسیع صحن، صحن کے داہنے اور بائیں دونوں جانب صحن ہی کے برابر لانبے لانبے دالان، بائیں جانب والے دالان میں عورتوں کے لیے جگہ مخصوص، کلام پاک کی آیات، بعض احادیث کے ٹکڑے اسمائے الہٰی، اسمائے رسول ؐ، اسمائے صحابہ کبار، سب موقع موقع سے درودیوار پر کندہ، بڑی محراب محراب عثمانی کے نام سے موسوم، حضرت خلیفۂ ثالث رضؓ کی تعمیر کرائی ہوئی، منبر ٹھیک اسی جگہ پر رکھا ہوا جہاں عہد نبوت میں تھا، اسی منبر اور روضۂ مبارک (حجرۂ عائشہ صدیقہ رضؓ) کا درمیانی حصہ "روضۃ الجنت" کے نام سے حدیث صحیح کی بنا پر موسوم۔ اتنے رقبہ میں کوئی ڈھائی تین سو نمازیوں کی جگہ ہوگی، اسی حصہ میں محراب النبی ؐ اور مصلی نبی یعنی وہ مقام جہاں سرکار ؐ خود کھڑے ہو کر امامت فرمایا کرتے تھے۔ اصلی مصلی ایک دیوار سے چھپا دیا گیا ہے۔ صرف اتنا حصہ کھلا ہے جہاں حضور ؐ کے قدم مبارک ہوتے تھے۔ اس طرح اب جو قسمت کا دھنی وہاں کھڑے ہو کر نماز پڑھتا ہے اس کا سر قدرتاً واضطراراً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

آثار قدم پر جا کر پڑتا ہے، خواجہ حافظ کا یہ مشہور شعر یہاں گویا لفظاً چسپاں ہے

بر زمینے کہ نشاں کف پائے تو بود
ساہا سجدہ صاحب نظراں خواہد بود

اللہ اکبر! کیا شان جمال، کیا وسعت کرم ہے! خدا جانے کتنوں کی نجات اسی بہانہ سے ہو جاتی ہے!

عہد نبوت میں یہ تکلفات اور یہ وسعت کہاں تھی، مختصر سی زمین اور انتہائی سادگی، توسیع فاتح روم و ایران حضرت عمرؓ کے زمانے میں ہوئی، پھر خاص خاص ترمیمات حضرت عثمان غنیؓ اور خلیفہ ولید نے کرائیں، موجودہ عمارت کی زینت و خوشنمائی کا سہرا سلطان عبدالمجید خاں مرحوم و مغفور کے سر ہے، اللہ ان سب خدام حرم نبویؐ کو پورا اجر عطا فرمائے۔ اس وقت مسجد میں پانچ دروازے ہیں۔ دو جانب مغرب، باب السلام اور باب الرحمۃ، ایک جانب شمال باب مجیدی، سلطان عبدالمجید خاں کا تعمیر کرایا ہوا۔ اور دو جانب مشرق باب النساء اور باب جبریل۔ صحن میں شرقی دالان سے ملا ہوا بستان فاطمہ تھا، کھجور کے چند شاداب درخت لگے ہوئے تھے، اور ان کے سایہ میں ایک کنواں تھا، جس کا پانی شیرینی و لطافت میں مشہور تھا، سعودی حکومت نے وہ درخت کٹوا کر صاف کر دیے ہیں۔ اور کنوئیں کو بند کر کے اس میں قفل ڈال دیا ہے۔ مسجد میں خدام پہلے سینکڑوں تھے، اب بہت گھٹ گئے ہیں، خواجہ سراؤں (آغاؤں) کی جماعت پہلے بہت ذی اختیار تھی، اب یہ لوگ بھی تعداد میں بہت کم

رہ گئے ہیں، اور ان کے اختیارات بھی بہت محدود ہو گئے ہیں۔ ان کے بیٹھنے کا ایک وسیع چبوترہ باب جبریل اور باب النساء کے درمیان بنا ہوا، کہا جاتا ہے کہ اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم اجمعین کا بھی یہی چبوترہ تھا، مسجد کے ستونوں پر عہد نبوی کی مسجد کے حدود درج ہیں۔

اسی مسجد کے گوشۂ جنوب و مشرقی میں دالانوں کے اندر وہ سبز گنبد والا روضۂ اقدس ہے، جس کی زمین بقول محدث جلیل قاضی عیاض مالکی کے بلا نزاع و اختلاف سارے روئے زمین سے بڑھ کر ہے۔

وَلَاخِلَافَ فِی اَنَّ مَوْضِعَ قَبْرِہٖ صلعم اَفْضَلُ بِقَاعِ الْاَرْضِ — اس میں تو کوئی اختلاف ہی نہیں کہ روئے زمین کے سارے مقامات سے بڑھ کر رسول اللہ صلعم کی قبر مبارک کا مقام ہے[1]

اور یہ قول ہمارے فقہاء کے:۔

فَمَا ضَمَّ اَعْضَاءَہُ الشَّرِیْفَۃَ فَھُوَ اَفْضَلُ — جس جگہ حضور کا جسد مبارک زمین سے مس ہو رہا ہے

---

[1] قاضی کے اس قول پر جرح بھی بہت ہوئی ہے اور حافظ ابن تیمیہ نے تو اس خبر کا متفق علیہ ہونا الگ رہا اس میں قاضی کو تمامتر منفرد بتایا ہے

وَقَالَ الْحَافِظُ ابْنُ تَیْمِیَۃ فِیْ فَتَاوَاہ اَمَّا نَفْسُ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَمَا خَلَقَ اللّٰہُ خَلْقًا اَکْرَمَ عَلَیْہِ مِنْہُ وَاَمَّا نَفْسُ التُّرَابِ — حافظ ابن تیمیہ نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ ذات رسول تو بے شک اللہ کے ہاں اس کی تمام مخلوقات سے افضل ہے لیکن آپ کی تربت کی خاک

بقاعِ الارضِ بالاجماعِ حتّٰی من الکعبةِ ومن العرشِ فانّہ افضلُ مطلقاً حتّٰی من الکعبةِ والعرشِ والکرسیِّ۔ (باب المناسک القاری)

وہ بالاتفاق روئے زمین کا افضل ترین مقام ہے یہاں تک کہ کعبہ اور عرش سے بھی بڑھ کر، وہ مقام علی الاطلاق سارے ہی مقامات سے افضل ہے یہاں تک کہ کعبہ اور عرش و کرسی سے بھی بڑھ کر۔[1]

فلیسَ ھو افضلُ من الکعبةِ البیتِ الحرامِ بل الکعبةُ افضلُ منہ ولا یعرفُ احدٌ من العلماءِ فضلَ ترابِ القبرِ علی الکعبةِ الّا القاضی عیاضُ ولم یسبقہُ احدٌ الیہ، ولا وافقہُ احدٌ علیہ واللّٰہُ اعلم (فتح الملہم، جلد ۳ ص۲۱۵)

کعبہ بیت اللہ سے افضل نہیں بلکہ کعبہ ہی اس سے افضل ہے، اور کعبہ سے خاک تربت کے افضل ہونے کا دعویٰ بھی بجز قاضی عیاض کے اور اہل علم میں سے کسی سے منقول نہیں ہے، ان سے قبل کسی نے اور نہ ان کے بعد والوں میں کسی نے ان کی موافقت کی، واللہ اعلم۔

وقالَ فی موضعٍ آخرَ من فتاواہ واما التربةُ التی دُفنَ فیھا النبیُّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فلا اعلمُ احداً من الناسِ قالَ انّھا افضلُ من المسجدِ الحرامِ او المسجدِ النبویِّ او المسجدِ الاقصٰی، الّا القاضی عیاضُ فذکرَ ذالک اجماعاً وھو قولٌ لم یسبق الیہ احدٌ فی ما علمناہُ ولا حجةَ علیہ (ایضاً)

اور پھر آگے چل کر فتاویٰ میں ہے کہ آنحضور کے موضع دفن کے متعلق میرے علم میں کسی نے بھی یہ نہیں کہا ہے کہ وہ مسجد حرام سے یا مسجد نبوی سے یا مسجد اقصیٰ سے افضل ہے بجز قاضی عیاض کے، انھوں نے اس کا ذکر بطور ایک اجماعی مسئلہ کے کیا ہے حالانکہ میرے علم میں ان سے قبل کسی نے بھی نہیں کہا ہے اور نہ اس پر کوئی دلیل قائم ہے۔

---

[1] یہ تفاضل کی بحث ہے بڑی نازک اور ہم عامیوں کے لیے بالکل بے نتیجہ ولاحاصل، ہمارے

جس حصۂ زمین کے بابتہ محدثین اور خشک فقہاء یہاں تک فرما جائیں اس کے لیے جذبات کی زبان الفاظ کہاں سے ڈھونڈھ کر لائے؟ اور کسی نے خود جو کچھ دیکھا ہے، وہ اسے کیونکر دوسروں کو دکھائے؟ شاعر کی تخیل نے بڑی بلند پروازی کی تو یہ کہا کہ ؎

انبساط عید دیدن روئے تو
عیدگاہِ ماغریباں کوئے تو

لیکن جس کی دید رخ کو "انبساط عید" سے بھی نسبت نہ ہو، جس کے ابروئے خمدار خود ہلال عید سے بڑھ چڑھ کر ہوں اور جس کی گلی پر عیدگاہیں خود قربان ہوں ؎

صد ہزاراں عید قربانت کنم   اے ہلالِ ما خمِ ابروئے تو!

اس کے زیارت جمال کے بیان کرنے کے لیے دنیا کی کس زبان سے الفاظ

زمانہ کے فاضل جلیل علامہ شبیر احمد عثمانی مدظلہ نے اپنی ضخیم شرح صحیح مسلم میں اس مسئلہ پر کہ عرش الٰہی جو تجلیات رحمانی کا محل براہ راست وبلاواسطہ ہے وہ افضل ہے یا تربت مبارک، بڑی مفصل اور محققانہ گفتگو کے بعد آخر میں لکھا اور بالکل صحیح لکھا ہے کہ ۔

وَاِنِّیْ لَا اُجْزِمُ بِنَفْیِہٖ وَلَا اِثْبَاتِہٖ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ بِمَقَادِیْرِ الْفَضْلِ وَتَفَاوُتِ مَا بَیْنَ اَنْوَاعِ التَّجَلِّیَاتِ وَاٰثَارِھَا۔ (فتح الملہم جلد ۳ صفحہ ۴۲۱)

میں اس سوال کا جواب جزم کے ساتھ نہ نفی میں دے سکتا ہوں نہ اثبات میں، درجات فضیلت اور انواع تجلیات و آثار تجلیات کے باہمی فرق کا تو بس حق تعالیٰ ہی کو علم ہے۔

تلاش کر کے لائے جائیں اور کس اہل زبان کی زبان سے امداد و اعانت کی التجا کی جائے؟ رومیؒ ؎

ہر کجا یوسف رخے باشد چو ماہ — جنت ست آں گرچہ باشد قعر چاہ
ہر کجا دلبر بود خرّم نشیں — فوقِ گردوں ست نے قعر زمیں
خوشترا زہر دو جہاں آنجا بود — کہ مرا با تو سر و سودا بود

یہ تو سب کو معلوم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں عالم ناسوت سے سفر آخرت اختیار فرمایا تھا اور جسد اطہر یہیں سپرد لحد کیا گیا، پہلو میں ادب کے ساتھ ذرا بائیں کی طرف ہٹے ہوئے، صدیقؓ و فاروقؓ دونوں وزیر بھی یہیں آرام فرما ہیں، حجرۂ صدیقہؓ میں اس کے بعد ترمیم اور توسیع ہوتی رہی، یہاں تک کہ اب روضۂ مبارک کوئی ۳۰، ۲۵ فٹ لانبی اور اس سے کچھ کم چوڑی عمارت ہو گی، خانہ کعبہ سے ممتاز رکھنے کے لیے اسے بالقصد بجائے مربع کے مستطیل رکھا گیا ہے۔ سب سے پہلے چاروں طرف لوہے اور پیتل کی جالی یا جنگلے کی دیواریں ہیں، ان جالیوں کی دیواروں میں جنوب، مشرق اور شمال کے رخ پر دروازے بھی ہیں، مگر عام لوگوں کے لیے ہمیشہ بند ہی رہتے ہیں۔ خاص خاص موقعوں پر خدام وغیرہ کے لیے کوئی دروازہ کھلتا ہے۔ جالیوں کے اندر سیسہ بھری ہوئی گہری بنیادوں کے اوپر ایک مضبوط پختہ چار دیواری ہے۔ جو حجرۂ صدیقہ کو پوری طرح گھیرے ہوئے ہے۔ اور جس میں کوئی دروازہ نہیں اس عمارت

پر غلاف پڑا ہوا ہے، اور گنبد خضراء اس عمارت کے اوپر ہے، اس کے اندر اصل حجرۂ صدیقہ ہے، جو عہد نبوی میں خام تھا، بعد کو پختہ کر دیا گیا، یہ بھی ہر طرف سے بند ہے جالیوں والی چار دیواری کے اوپر کے حصہ میں بھی خوش رنگ سبز غلاف ترکوں کے زمانہ کا اب تک پڑا ہوا ہے۔ مدینہ سے کعبہ سمت جنوب میں ہے۔ اس لیے روضۂ اطہر کا جسے صدر دروازہ سمجھا جاتا ہے وہ جنوب رخ ہے اور یہی مواجہہ شریف کہلاتا ہے۔ اس عمارت کے اندر حجرۂ صدیقہ سے ملا ہوا ایک اور حجرہ بھی ہے جس کے اندر ایک مزار سا بنا ہوا معلوم ہوتا ہے کہا جاتا ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا‌ؓ نے یہیں وفات پائی ہے اور مزار کی بابت ایک روایت یہ ہے کہ انھیں سیدہ خاتون جنت کا ہے، اور بعض روایات یوں مشہور ہیں کہ یہ کوئی دوسری بی بی حضرت زہرا کی ہمنام تھیں۔

مدینہ پہونچتے ہی تڑپ تھی تو یہ، بے قراری تھی تو اس کی کہ جس قدر جلد بھی ممکن ہو اس آستان پاک تک پہونچیے۔ لیکن اس ذوق و شوق، اس طلب و تمنا کے باوجود یہ کیا ہے کہ ہمت کے قدم ڈگمگائے جا رہے ہیں اور ارادہ ہے کہ جم جم کر ٹوٹتا ہے اور ٹوٹ ٹوٹ کر جمتا ہے۔ الٰہی یہ آخر کیا اسرار ہے!

باب (۱۱)

گنبد خضراء

طور کی چوٹیاں جس وقت کسی تجلیات جمالی کی جلوہ گاہ بننے لگیں، تو پاکوں

کے پاک اور دلیروں کے دلیر، موسیٰ کلیمؑ تک تاب نہ لاسکے اور اللہ کی کتاب گواہ ہے کہ کچھ دیر کے لیے ہوش وحواس رخصت ہو گئے، معراج کی شب، جب کسی کا جمال بے نقاب ہونے لگا تو روایات میں آتا ہے کہ اس وقت وہ عبدِ کامل جو فرشتوں سے بڑھ کر مضبوط دل اور قوی ارادہ کا پیدا کیا گیا تھا، اپنی تنہائی کو محسوس کرنے لگا اور ضرورت ہوئی کہ "رفیق غار" رضی اللہ عنہ، کا تمثل سامنے لاکر آب وگل کے بنے ہوئے پیکر نور کی تسلی کا سامان کیا جائے ـــــ یہ سرگزشت ان کی تھی جو قدسیوں سے بڑھ کر پاک اور نورانیوں سے بڑھ کر لطیف تھے۔ پھر وہ مشت خاک جو ہمہ کثافت اور ہمہ غلاظت ہو، جس کا ظاہر بھی گندہ اور باطن بھی گندہ، اگر وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد اقدس میں قدم رکھتے ہچکچا رہا ہو، اگر اس کا قدم رسول کے روضۂ انور کی طرف بڑھتے ہوئے لڑکھڑا رہا ہو، اگر اس کی ہمت رحمت وجمال کی سب سے بڑی تجلی گاہ میں قدم رکھنے سے جواب دے رہی ہو، اگر اس کا دل اس وقت اپنی بیچارگی و درماندگی کے احساس سے پانی پانی ہوا جا رہا ہو تو اس پر حیرت کیوں کیجیے؟ خلاف توقع کیوں سمجھیے؟ اور خدا کے لیے اس ناکارہ وآوارہ، بیچارہ و درماندہ کے اس حال زار کی ہنسی کیوں اڑائیے؟

مغرب کی اذان میں چند منٹ باقی تھے کہ قسمت کی یاوری نے باب النساء کے متصل ایک ہندی بزرگ مولانا سید احمد صاحب فیض آبادی مدظلہٗ کی خدمت میں پہونچایا۔ موصوف ہمارے مولانا سید حسین احمد صاحب کے حقیقی بھائی اور سن

میں ان سے بڑے ہیں ۲۵، ۳۰ سال سے اپنے وطن ٹانڈہ ضلع فیض آباد سے ہجرت کیے ہوئے دیار رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) میں حاضر ہیں، اور وطن کے ساتھ ہی یاد وطن کو بھی ترک کر چکے ہیں، مولانا گنگوہی سے بیعت واجازت ہے اور مرشدوں کے مرشد حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے چشمۂ فیض سے سیراب صبح سے لے کر رات تک خدمت خلق میں مشغول، ایثار و استغناء بے نفسی و خود فراموشی، تواضع و فروتنی کا ایک نمونہ ہندوستان میں دیکھا تھا، اور دوسرا نمونہ اللہ تعالیٰ نے اس مقدس سرزمین پر پہونچتے ہی دکھا دیا[1]۔ جلدی جلدی تعارف ہوا، اور فوراً اذان کی آواز فضا میں گونجنے لگی! ایک پرانا مصرع ذہن میں پڑا ہوا تھا ع۔

مومن چلا ہے کعبہ کو ایک پارسا کے ساتھ

حکیم مومن خاں تو شاعری کی دنیا میں چلے تھے۔ یہاں چلنا خیالی دُنیا میں نہیں عملی دنیا میں تھا اور حاضری "بیت خلیل" میں نہیں "بیت حبیب" میں دینی تھی۔ اس گھڑی "ایک پارسا" کی دستگیری و رہنمائی غنیمت نہیں نعمت تھی۔ دھڑکتا ہوا دل کچھ تھما، اور ڈگمگاتے ہوئے پیر کسی قدر سنبھلے! ادھر اذان کی آواز ختم ہوئی اُدھر قدم دروازے سے باہر نکالے، مکان سے حرم کے داخلہ کا دروازہ باب جبریل اگر چند فٹ نہیں تو چند گز پر ہے۔ اتنا فاصلہ بھی خدا معلوم کے منٹ میں طے ہوا۔

---

[1] افسوس کہ اب مولانا کی وفات کو بھی چند سال گزر گئے۔

اس وقت نہ وقت کا احساس نہ فاصلہ کا ادراک، نہ "زمان" کی خبر نہ "مکان" کی!

کہتے ہیں کہ داخلہ باب جبریل ہی سے افضل ہے[1]، یہ فضیلت بلا قصد خود بخود حاصل ہوگئی، حرم کے اندر قدم رکھتے ہوئے یہ دعا پڑھی جاتی ہے۔

اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ وَ	اے اللہ! میرے لیے اپنی رحمت اور فضل کے دروازے
فَضْلِكَ وَارْزُقْنِیْ مِنْ زِیَارَۃِ رَسُوْلِكَ	کھول دے اور اپنے رسول کی زیارت مجھے نصیب
صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَمَا رَزَقْتَ اَوْلِیَائَكَ	کر جیسا کہ تو نے اپنے اولیاء کو نصیب کی اور اے
وَاغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ	الرحم الراحمین میری مغفرت کر دے اور میرے
	اوپر رحم فرما۔

لیکن پہلی مرتبہ قدم رکھتے وقت ہوش و حواس ہی کب درست تھے، جو یہ دعا یا کوئی اور خاص دعاء قصد و ارادہ کر کے پڑھی جاتی، ایک ربودگی بے خبری اور نیم بیہوشی کی حالت میں معمولی درود شریف کے الفاظ تو محض حفظ ہونے پر بلا قصد و ارادہ زبان سے ادا ہوتے رہے۔ باقی بس، ہوش آیا تو دیکھا کہ نماز کو شروع ہوئے دو چار منٹ ہو چکے ہیں اور امام پہلی رکعت کی قرأت ختم کر کے رکوع میں جا رہے ہیں، جھپٹ کر جماعت میں شرکت کی اور جوں توں کر کے نماز ختم کی۔ یہ پہلی نماز وہاں ادا ہو رہی ہے جہاں کی ایک ایک نماز پانچ پانچ سو اور

---

[1] شرح وقایہ وغیرہ کتب فقہ میں یہی درج ہے۔

ہزار ہزار نمازوں کے برابر ہے۔ اللہ اللہ! شان کریمی اور بندہ نوازی کے حوصلے دیکھنا! کس کو کیا کیا مرتبے عطا ہو رہے ہیں!

اس مرتبہ کو دیکھیے اور ہم کو دیکھیے!

وقت نماز مغرب کا تھا، اور مغرب کی نماز سورج ڈوبنے پر پڑھی جاتی ہے۔ لیکن جس کی نصیبہ وری کا آفتاب عین اسی وقت طلوع ہو رہا ہے جس کی سربلندیوں اور سرفرازیوں کی "فجر" عین اس وقت ہو رہی ہو، کیا وہ بھی اس وقت کو مغرب کا وقت کہتا اور سمجھتا رہے؟

لیجیے نماز ختم ہو گئی، فرض ختم ہو گئے، اور روضۂ اطہر کے دروازہ پر ہر طرف سے صلوٰۃ وسلام کی آوازیں آنے لگیں۔ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ، یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔ جس پر اللہ خود درود بھیجے، اللہ کے فرشتے درود بھیجتے رہیں، اس کے آستانہ پر بندوں کے صلوٰۃ وسلام کی کیا کمی ہو سکتی ہے!

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ۔ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَانَبِیَّ اللّٰہِ! اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَاسَیِّدَ الْمُرْسَلِیْنَ! اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَحْمَۃً لِّلْعَالَمِیْنَ! اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ، اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ۔ آج غائب کا صیغہ سرے سے غائب ہے، حضوری کے وقت بھی غیبت کے آداب

ملحوظ رکھنا کیسی کھلی ہوئی بدتہذیبی ہے) وَاَشْهَدُ اَنَّكَ عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ الرِّسَالَةَ وَاَدَّيْتَ الْاَمَانَةَ وَنَصَحْتَ الْاُمَّةَ وَ كَشَفْتَ الْغُمَّةَ وَجَاهَدْتَ فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ اَسْاَلُكَ الشَّفَاعَةَ وَاَتَوَسَّلُ بِكَ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى![1] ہر طرف آوازیں ہیں تو یہی، ہر سمت صدائیں ہیں تو ایسی ہی۔

مواجہہ شریف، مشتاقانِ زیارت سے خالی تو کسی وقت نہیں ہوتا، البتہ پانچوں نمازوں کے بعد زیارت کے اوقات باضابطہ مقرر ہیں، قدرتًا ان اوقات میں بڑی چپقلش ہوتی ہے اور کبھی تو اتنا ہجوم ہوجاتا ہے کہ جو لوگ مسجد کے اندرونی درجوں میں محراب عثمانی کے آس پاس سنن و نوافل میں کچھ دیر مشغول رہنا چاہتے ہیں ان کے لیے قطعًا کوئی موقعہ نہیں باقی رہ جاتا ہے بلکہ بعض اوقات تو وہیے

---

[1] اے اللہ کے رسول آپ پر صلوٰۃ وسلام ہو اے اللہ کے نبی آپ پر صلوٰۃ وسلام ہو، اے سردارِ انبیا آپ پر صلوٰۃ وسلام ہو، اے رحمت عالم آپ پر صلوٰۃ وسلام ہو، اے نبی آپ پر سلام اور اللہ کی رحمت اور برکتیں نازل ہوں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ آپ اسکے بندے اور رسول ہیں، میں اس کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ آپ رسالت کا حق ادا کر گئے، اور امانت (پیام) پہونچا گئے اور امت کی خیر خواہی کر گئے، اور چھپی ہوئی چیزوں کو آپ ظاہر کر گئے۔ اور اللہ کے باب میں آپ جہاد کا حق پورے کا پورا ادا کر گئے۔ اے اللہ کے رسول میں آپ سے شفاعت کی درخواست کرتا ہوں اور آپ کا توسل حضرت حق کے حضور میں چاہتا ہوں۔

پیسے بچ جاتے ہیں! زیارت عموماً مزدوروں کی پیشہ ور جماعت کراتی ہے اور زیارت کا عام طریقہ یہ ہے کہ مواجہہ مبارک کے سامنے ہر مزدور اپنے اپنے گروہ زائرین کو لا کھڑا کرتا ہے اور بآواز بلند صلوٰۃ وسلام پڑھتا جاتا ہے، اور زائرین اسی کے الفاظ کو دہراتے جاتے ہیں، یہاں تک کہ مسجد ان آوازوں سے گونجنے لگتی ہے اور جن کو یہ واضح اور قطعی حکم ملا تھا کہ لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی (نبی کی آواز سے اپنی آواز کو بلند نہ کرو) وہ مواجہہ میں حاضر ہو کر اپنے حلق کی پوری طاقت وقوت کے ساتھ بے تحاشا چیخنے لگتے ہیں اور اس کو اپنے نزدیک کمال عقیدت ومنتہائے تعظیم سمجھتے ہیں! ع

خرد کا نام جنوں پڑ گیا، جنوں کا خرد!

باہر کے آئے ہوئے زائرین تو فی الجملہ ادب ملحوظ رکھ لیتے ہیں اور بہر حال ڈرتے ہی رہتے ہیں، نڈر ہو کر غضب تو زیارت کرانے والے بزرگ کرتے ہیں جن کا پیشہ ہی زیارت کرانا ہے اور جو مدتوں سے اس پاک سرزمین میں آباد ہیں! ان کے لیے نہ اس کی ضرورت ہے کہ اپنی آواز کو پست اور نظروں کو نیچا رکھیں نہ اس کی حاجت کہ روضۂ اقدس کے عین پائین کھڑے ہو کر زائروں سے ہر قسم کی "معاملت" اور وہ بھی آداب شریعت کے ساتھ نہیں بلکہ لوازم "معاملت" کے ساتھ طے فرمانے سے محترز رہیں، اور نہ دوسرے آداب مسجد خصوصاً آداب مسجد نبوی کے لحاظ واحترام کی ضرورت! ان کے لیے یہ بالکل کافی ہے کہ یہ "جیران رسول" ہیں۔ اور "اضیاف رسول" (صلی اللہ علیہ وسلم) جو ہزارہا میل کے فاصلہ سے آئے ہوئے ہوتے ہیں ان کے ساتھ

ان کا ہر سلوک جائز اور برتاؤ درست!

سرگروہ عاشقان حضرت اویس قرنیؒ کی بابت، بعض اکابر صوفیہ سے نقل ہے[1]۔ کہ جب آپ زیارت مدینہ کو حاضر ہوئے آستان حرم (باب جبریل) تک پہونچے ہی تھے کہ کسی نے کہہ دیا کہ" دیکھیے وہ سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرقد ہے" یہ سننا تھا کہ غش کھا کر گر پڑے، اور جب ہوش آیا تو کہا مجھے ابھی واپس لے چلو، جس شہر میں بجائے حبیبؐ کے تربت حبیبؐ موجود ہو وہاں میں ایک لمحہ بھی ٹھہر نہیں سکتا! اویس سے بڑھ کر عاشق وشیدا، اویس سے بڑھ کر عشق ومحبت میں غرق، اویس سے بڑھ کر مجنون ودیوانہ اور کون ہوا ہے؟ اس عشق کے ساتھ یہ لحاظ ادب یہ کمال احترام۔ یہ پاس عظمت! پھر اگر آج حرم رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں مسجد رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں، روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی شریعت رسول کی تحقیر ہوتے ہوئے دیکھے۔ حقوق رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پامال ہوتے ہوئے پائے، آداب رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بیزاری پھیلی ہوئی پائے۔ تو عشق ومحبت کے مدعیو! خدارا بتاؤ کہ کیا کیا جائے؟ خوشی خوشی گوارا کر لیا جائے؟ ٹوکنے کی قوت واستطاعت رکھتے ہوئے محض تقدیر الہٰی کے حوالہ کر دیا جائے؟ اور خوش عقیدگی کا تقاضا یہ سمجھ لیا جائے کہ سیاہ سفید ہے

---

[1] احیاء العلوم غزالی،

اور سفید سیاہ؟

جسے دیکھو مواجہ شریف کی طرف کھنچا چلا آرہا ہے۔ اس وقت رخ قبلہ کی جانب نہیں، پتھر سے تعمیر کیے ہوئے کعبہ کی جانب نہیں بلکہ اس کے در اقدس کی جانب ہے جو دلوں کا کعبہ اور روحوں کا قبلہ ہے! کسی کا نالہ جگر گداز کسی کے لب پر آہ و فریاد ہر شخص اپنے اپنے حال میں گرفتار، ہر متنفس اپنے اپنے کیف میں سرشار، گنہگاروں اور خطاکاروں کی آج بن آئی ہے۔ آستان شفیع المذنبین تک رسائی ہے!

سجدوں سے اور بڑھتی ہے رفعت جبین کی!

یہاں بھی نہ پائیں گے تو کہاں جائیں گے۔ آج بھی نہ گڑگڑائیں گے تو کدھر سر ٹکرائیں گے وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ الخ کا وعدہ پورا ہونے کے لیے ہے، محض لفظ ہی لفظ نہیں ہیں!

ادھر یہ سب کچھ ہو رہا ہے، رند و پارسا، فاسق و متقی سب ہی اس دھن میں لگے ہوئے ہیں، ادھر ایک ننگِ اُمّت حیران و ششدر، فرط ہیبت و جلال سے گنگ و مضطر، حواس باختہ، جیب چاپ، سب سے الگ کھڑا ہوا ہے، نہ زبان پر کوئی دعا نہ دل میں کوئی آرزو، سر سے پیر تک ایک عالم حیرت طاری! یا الہٰی! یہ خواب ہے یا بیداری! کہاں ایک مشت خاک۔ کہاں یہ عالم پاک ـــــ جل جلالہٗ، جہاں ابوبکرؓ اور علیؓ حاضر ہوتے ہوئے تھراتے ہوں، جہاں عمرؓ آواز سے بولتے ہوئے لرزتے ہوں جہاں کی حضوری جبریل امین کے لیے باعث فخر و شرف کا سبب ہو، آج وہاں عبدالقادر

دریابادی کا فرزند عبدالماجد اپنے گندہ دل اور گندہ تر قلب کے ساتھ، بے تکلف اور بلا جھجک کھڑا ہوا ہے! دماغ حیران، عقل دنگ، زبان گنگ، ناطقہ انگشت بدنداں نہ زبان یاوری کرتی ہے، نہ لب کسی عرض و معروض پر کھلتے ہیں، نہ دعاؤں کے الفاظ یاد پڑتے ہیں۔ نہ کسی نعت گو کی کوئی نعت خیال میں آتی ہے! چلتے وقت تک دل میں کیا کیا ولولے، اور کیسے کیسے حوصلے تھے! لیکن اس وقت سارے منصوبے یک قلم غلط، سارے حوصلے اور ولولے یک لخت غائب! لے دے کے جو کچھ یاد پڑ رہا ہے وہ محض کلام مجید کی بعض سورتیں اور آیتیں ہیں۔ یا پھر وہی عام و معروف درود شریف اور زبان ہے کہ بے سوچے سمجھے بغیر غور و فکر کیے ہوئے انھیں الفاظ کو رٹے ہوئے سبق کی طرح اضطراراً ادھر اُدھر سے چلی جارہی ہے! ع

نظارہ ز جنبیدن مژگان گلہ دارد[1]

---

[1] پرچے میں یہ قسط شائع ہی ہوئی تھی کہ مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی (مترجم القرآن) نے اپنی تازہ تالیف تذکرۃ الخلیل لطف فرمائی جو مولانا خلیل احمد صاحب انبیٹھوی قدس سرہ (شارح ابوداؤد و ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور) کے حالات میں ہے۔ مولانا شریعت و طریقت کے جامع ایک مسلم بزرگ تھے، ان کے حالات میں ذیل کی عبارت نظر آئی جو بجنسہ نقل کر دی جاتی ہے۔

"آستانۂ محمدیہ پر حضرت کی عجیب کیفیت ہوتی تھی۔ آواز نکلنا تو کیا مواجہہ شریف کے قریب یا مقابل بھی آپ کھڑے نہیں ہوتے تھے۔ خوفزدہ مودبانہ دبے پاؤں آتے اور

جالیوں کے تین طرف سعودی سپاہیوں کا پہرہ رہتا ہے۔ چوتھی طرف یعنی شمالی سمت سے جالیوں تک پہونچنے کا کوئی آسان راستہ نہیں ہے۔ مسجد نبویؐ کے دروازہ آخر وقت تہجد سے لے کر بعد نماز عشا تک کھلے رہتے ہیں۔ اس درمیان میں پہرے برابر بدلتے رہتے ہیں۔ جنوبی سمت میں جدھر مواجہ شریف ہے پہرہ کا اہتمام زیادہ رہتا ہے۔ چار سپاہی ہر وقت تعینات رہتے ہیں زیارت کی عام اجازت بھی صرف اسی رخ سے ہے۔ مغربی جانب بالین مبارک ہے۔ ادھر سے زیارت کی اجازت نہیں سنا ہے کہ کسی زمانہ میں شیعوں کو زیارت کی اجازت اسی رخ سے تھی مشرقی جانب پائین مبارک ہے اور باب جبریل سے داخل ہونے کے بعد مواجہ شریف تک پہونچنے کا راستہ اسی طرف سے ہے۔ ادھر سے بھی زیارت کی عام اجازت نہیں لیکن سپاہی بھی مختلف مزاجوں اور طبیعتوں کے ہوتے ہیں، اکثر ایسے تندمزاج اور متشدد کہ دھکے دینے میں انھیں باک نہیں، بیدمار بیٹھنے میں انھیں تامل نہیں۔

مجرم و قیدی کی طرح دور کھڑے ہوئے بہ کمال خشوع صلوٰۃ و سلام عرض کرتے اور چلے آتے تھے۔ زائرین جو بے باکانہ اونچی آواز سے صلوٰۃ و سلام پڑھتے اس سے آپؒ کو بہت تکلیف ہوتی اور فرمایا کرتے کہ آنحضرت صلعم حیات ہیں، اور ایسی آواز سے سلام عرض کرنا بے ادبی اور آپؐ کی ایذا کا سبب ہے۔ لہٰذا پست آواز سے سلام عرض کرنا چاہیئے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ مسجد نبویؐ کی حد میں کتنی ہی پست آواز سے سلام عرض کیا جائے۔ اس کو آنحضرت صلعم خود سنتے ہیں،، صن۲۰۶

کمزور کو قوت دالے کا، نابینا کو آنکھوں والے کا سہارا ہاتھ آجانا ایک بڑا سہارا ہے۔

عورتوں کو پکڑ پکڑ کر گھسیٹنے اور ڈھکیلنے میں انھیں دریغ نہیں. کوئی کوئی اس کے برعکس ایسے نرم دل اور روادار، کہ زائروں کو ہر طرح کی بے ضابطگی اور قانون شکنی کرتے دیکھتے اور کچھ نہ بولتے، بلکہ سر جھکا کر کلام مجید پڑھنے لگتے، بعض ایسے بھی دیکھنے میں آئے جو زائر کی معمولی داد و دہش کے بعد پتھر سے موم ہو جاتے! سپاہیوں کے علاوہ اور شاید ان کی نگرانی کے لیے بھی دو چار آدمی محکمۂ امر بالمعروف کے بھی بید یا چھڑی ہاتھ میں لیے ٹہلتے رہتے ہیں اور "شریعت حقہ نجدیہ" کا نفاذ اسی حرم محترم کے حدود کے اندر، زبان اور ہاتھ دونوں سے پوری قوت کے ساتھ کرتے رہتے ہیں!۔

صحابہ نے تابعین نے، مجتہدین فقہ نے، محدثین نے، اکابر صوفیہ نے، کسی نے خوش عقیدگی کے یہ معنی لیے ہیں؟ روم کا عارف کامل تو اپنی مثنوی میں یہ کہہ گیا کہ جب "امر حق" مل جائے تو "نقش حق" کو بھی توڑ ڈالو، اور "شیشۂ یار" کو "سنگ یار" سے چکنا چور کر کے رکھ دو[1]، پھر کیا یہ کہا جائے گا. کہ عارف رومیؒ بھی آداب عشق و محبت سے بے خبر تھا۔

---

[1] نقش حق راہم بامر حق شکن — بر زجاج دوست سنگ دوست زن

باب (۱۲)

زیارت اور آداب زیارت

توحید کا مسئلہ ایک صاف اور سیدھا مسئلہ ہے لیکن دہریوں اور ملحدوں ہی نے نہیں، بلکہ خدا پرستی کے دعویداروں نے بھی عجیب عجیب شگوفہ کاریاں کر رکھی ہیں اسی طرح بارگاہ رسالت کے ادائے حقوق کے معاملہ میں انکار کرنے والوں ہی کے نہیں، اقرار کرنے والوں کے دماغوں نے بھی عجیب عجیب مغالطے کھائے ہیں لوگوں کے کانوں میں کہیں سے ایک لفظ محبت پڑ گیا، بس پھر کیا تھا، اس کی آڑ میں ہر حرام حلال تھا، اور ہر عیب ہنر بن کر رہا۔ ذرا نہیں سوچتے اور دیکھتے کہ محبت اپنی کتنی بیشمار مختلف صورتوں اور قالبوں میں اپنے گرد و پیش ہر وقت ظاہر ہوتی رہتی ہے۔ بیوی کی محبت کی شکل اور ہوتی ہے اور اولاد کی محبت کی صورت اور۔ اولاد سے جس قسم کی محبت کی جاتی ہے کون شخص ہوش و حواس درست رکھ کر اپنے ماں باپ سے اس طرح کی محبت کرے گا؟ پھر خود اولاد کی محبت کا حال یہ ہے کہ بچہ جب تک چھوٹا ہے اسے گود میں لیا جاتا ہے، اور گدگدایا جاتا ہے، اس کے ساتھ کھیلا جاتا ہے، اور جب سیانا سمجھ دار ہوا تو اس کے ساتھ ادب و قاعدہ برتا جانے لگا، اور اب اس کے ساتھ محبت کا برتاؤ بالکل ہی دوسرے انداز کا ہونے لگا اب اگر کوئی شخص اپنے بڑے بوڑھوں، ماں باپ کو اسی طرح

چھیڑنے گدگدانے، کھلانے کدانے لگے، جس طرح اپنے چھوٹے بچوں کو کرتا رہتا ہے تو یہ اس کی "محبت" کی دلیل ہوگی یا انتہائی حمق اور کھلے ہوئے جنون کی؟

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ تو ماں، باپ، بزرگ، استاد مرشد، حاکم، غرض مخلوق کے ہر مرتبہ سے بڑا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رشتہ ہر انسانی رشتہ سے اونچا ہے اس کی شان میں اس کے مرتبہ کے لحاظ سے ادنیٰ فروگذاشت بھی کیسے نظر انداز کی جاسکتی ہے؟ اس کی اطاعت عین حق تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔ اس کی اطاعت کا حکم ایک دفعہ نہیں بار بار وارد ہوتا ہے۔ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ اس کی پیروی کا صلہ اللہ کی محبوبیت ہے۔ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ اس کے مجلس کے آداب تصریح و تاکید کے ساتھ بار بار تعلیم کیے جاتے ہیں اس کے حضور میں آواز بلند نہ کرو۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ، ایسا نہ ہو کہ ایسی نادانستہ گستاخی سے سارے اعمال مٹ کر رہ جائیں۔ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ۔ اس مظہر نور خدا کے سامنے اپنی آواز کو پست رکھنا ہی بڑی پاکبازی اور دینداری ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ

حجروں کے باہر سے آواز دے کر پکارنا شدید بدعقلی ہے ۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّرَاۗءِ الْحُجُرٰتِ اَکْثَرُھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ رسول صلعم کو اس طرح پکارنا جس طرح عام لوگوں کو پکارا جاتا ہے، ممنوع، لَا تَجْعَلُوْا دُعَاۗءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ کَدُعَاۗءِ بَعْضِکُمْ بَعْضًا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق کا اور کسی کے حقوق کا مقابلہ نہیں، مومن کی نظر میں رسول کا مرتبہ اپنے جان و دل سے بھی بڑھ کر ہوتا ہے ۔ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ جس کی مجلس کے آداب کا مخلوق کو نہیں خالق کو، بندوں کو نہیں، پروردگار کو یہ اہتمام ہو جس کے دربار میں حاضری کے یہ قواعد و ضوابط اس تفصیل کے ساتھ ہمیشہ کے لیے اور ہر آنے والی قوم کی ہدایت کے لیے قرآن مجید میں محفوظ کر دیے گئے ہوں ۔ اس کے آستانہ پر دور دراز سے آکر حاضری دینے والے اُمتی، اگر اپنی نادانی اور بے سمجھی سے ان بندھے ہوئے قاعدوں اور ضابطوں کو توڑیں اور اس ربانی دستور العمل کی جگہ اپنے ایجاد کیے ہوئے طریقوں کو رواج دینے لگیں تو بجز اس کے کہ ان کی کم نصیبی پر حسرت و تاسف کیا جائے اور کیا کیا جا سکتا ہے ۔

فقہائے حنفیہ رحمہم اللہ کی ہدایات، آداب زیارت روضۂ انور کے سلسلہ میں بالکل صاف، صریح اور واضح ہیں، جن میں کسی قسم کا اختلاف نہیں علامہ رحمۃ اللہ سندیؒ لباب المناسک میں اور ان کے شارح ملا علی قاری المنسک المتوسط میں کہتے ہیں ۔

ثُمَّ تَوَجَّهَ بِالْقَلْبِ وَالْقَالِبِ مَعَ	پھر دل وجسم دونوں کے حضور کے ساتھ غایت
رِعَايَةِ غَايَةِ الْاَدَبِ تِجَاهَ الْوَجْهِ الشَّرِيْفِ	ادب ملحوظ رکھ کر مواجہ شریف میں حاضر ہو، اس
مُتَوَاضِعًا خَاضِعًا خَاشِعًا مَعَ الذِّلَّةِ وَ	حال میں کہ تواضع، خضوع، خشوع، ذلت انکسار
الْاِنْكِسَارِ وَالْخَشْيَةِ وَالْوَقَارِ وَالْهَيْبَةِ	خشیت وقار، ہیبت اور محتاجی اپنے اوپر طاری
وَالْاِفْتِقَارِ غَاضَّ الطَّرْفِ مَكْفُوْفَ الْجَوَارِحِ	ہو، نظریں نیچی ہوں، اعضا کھٹے ہوئے ہوں، قلب
فَارِغَ الْقَلْبِ، وَاضِعًا يَمِيْنَهُ عَلٰى شِمَالِهِ	یکسو ہو، داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ کے اوپر باندھے
مُسْتَقْبِلًا لِلْوَجْهِ الْكَرِيْمِ مُسْتَدْبِرًا	ہو، چہرہ روے مبارک کے سامنے ہو، پشت قبلہ
لِلْقِبْلَةِ، تُجَاهُ مِسْمَارِ الْفِضَّةِ عَلٰى نَحْوِ	کی جانب ہو۔ اس ہیئت کے ساتھ چاندی کی کیل
اَرْبَعَةِ اَذْرُعٍ لَا اَلْاَقَلِّ اَیْ لِاَنَّهُ	کے پاس آئے اور تقریباً چار گز کے فاصلہ پر رہے
لَيْسَ مِنْ شِعَارِ آدَابِ الْاَبْرَارِ۔	اس سے زیادہ قریب نہ آئے کہ اس سے قریب تر آنا آداب صالحین میں داخل نہیں۔

ادب کی جگہ ہے، ہیبت کا مقام ہے، ناز نہیں، نیاز درکار ہے، ناز کرنے اور اترانے کا نہیں، لرزنے اور تھرانے کا کام ہے، ہیبت، ادب وقار خشیت، مسکینیت پر تمام فقہا نے زور دیا ہے اور سب سے زیادہ زور اس پر ہے کہ لپٹنا، چومنا، مس کرنا، الگ رہا، جالی مبارک کے قریب تک نہ جائے بلکہ کمال ادب کے ساتھ کچھ فاصلہ ہی پر اپنے کو روکے صاحب فتح القدیر فرماتے ہیں۔

ثُمَّ يَاتِيْ الْقَبْرَ الشَّرِيْفَ فَيَسْتَقْبِلُ جِدَارَهُ	پھر قبر شریف کی طرف آئے اسکی دیوار کی طرف رخ اور

وَيَسْتَدْبِرُ الْقِبْلَةَ عَلٰى نَحْوِ اَرْبَعَةِ اَذْرُعٍ

قبلہ کی طرف پشت رکھے اور کوئی چار گز کے فاصلہ پر رہے

اور عالمگیریہ میں ہے:۔

ثُمَّ يَدْنُو مِنْهُ ثَلٰثَةَ اَذْرُعٍ اَوْ اَرْبَعَةٍ وَلَا يَدْنُو مِنْهُ اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَا يَضَعُ يَدَهٗ عَلٰى جِدَارِ التُّرْبَةِ فَهُوَ اَهْيَبُ وَاَعْظَمُ لِلْحُرْمَةِ وَيَقِفُ كَمَا يَقِفُ لِلصَّلٰوةِ۔

پھر تربت شریف سے بقدر تین یا چار گز کے قریب آئے لیکن اس سے زیادہ قریب نہ ہو اور نہ اپنا ہاتھ دیوار مزار پر رکھے کہ یہی مقتضائے ہیبت ہے اور اس طرح کھڑا رہے، جیسے نماز میں کھڑا رہتا ہے

اور طحطاوی شرح درالمختار میں ہے

يَدْنُو قَدْرَ ثَلٰثَةِ اَذْرُعٍ اَوْ اَرْبَعَةٍ وَلَا يَدْنُو اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَا يَضَعُ يَدَهٗ عَلٰى جِدَارِ التُّرْبَةِ فَهُوَ اَهْيَبُ وَاَعْظَمُ

تربت سے بقدر تین یا چار گز کے قریب آجائے لیکن اس سے قریب تر نہ ہو اور نہ دیوار مزار پر اپنا ہاتھ رکھے کہ یہی ہیبت وعظمت کے مقام کا تقاضہ ہے۔

اور فتاویٰ قاضی خاں میں ہے:۔

وَاِذَا اَتَى الْمَدِيْنَةَ يَسْتَعِدُّ لِزِيَارَةِ قَبْرِ النَّبِيِّ صلعم يَاْتِيْهَا بِالسَّكِيْنَةِ وَالْوَقَارِ وَالْهَيْبَةِ وَالْاِجْلَالِ لِاَنَّهٗ مَحَلُّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلعم مَهْبِطُ الْوَحْيِ وَنُزُوْلُ الْمَلٰئِكَةِ

مدینہ پہونچ کر زیارت قبر نبی صلعم کے لیے آمادہ ہو اور وہاں حاضر ہو۔ ادب واحترام وہیبت وعظمت کے ساتھ کہ یہ مقام ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور نزول وحی ونزول ملائکہ کا۔

یہ نہ خیال گزرے کہ یہ احکام وہدایات صرف خشک فقہاء کے ہیں۔ اہل محبت نے جو کچھ کہا ہے وہ بھی بالکل یہی ہے بلکہ اس سے کچھ زیادہ ہی فرما گئے ہیں

شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے بڑھ کر اہلِ دل و اہلِ محبت کے گروہ میں اور کون ہوگا، مگر وہ فرماتے ہیں:۔

وَلَا یَضَعُ یَدَہٗ عَلٰی جِدَارِ الْحَظِیْرَۃِ وَلَا یُقَبِّلُھَا فَاِنَّ ذَالِکَ وَاَمْثَالَہٗ مِنْ صُنْعِ الْجَاھِلِیْنَ وَلَیْسَ مِنْ سِیْرَۃِ السَّلَفِ الصَّالِحِیْنَ بَلْ یَدْنُوْ عَلٰی قَدْرِ ثَلٰثَۃِ اَذْرُعٍ اَوْ اَرْبَعَۃٍ (ماثبت بالسنۃ)	نہ اپنا ہاتھ روضۂ مبارک کی دیوار پر رکھے نہ اسے بوسہ دے اس لیے کہ یہ اور اسی قسم کی حرکتیں جاہلوں کی باتیں ہیں، اور سلف صالحین کے معمولات میں نہیں، اور تین یا چار گز کے فاصلہ پر رہے۔

اس اجمال کی تفصیل خود شیخ ہی کی زبان سے سن لیجئے:۔

واز انچہ در وسع و امکان بود در ظاہر و باطن از خضوع ووقار و ذلت و انکسار، ذرہ نامرعی نگذارد غیر آنکہ از سجود و تمریغ وجہ بہ تراب و استلام و تقبیل شباک شریف و امثال آں، آنکہ در شرع رخصت نہ کردہ اند و در نظر ظاہر بنیان از قبیل ادب نماید اجتناب کنند بلکہ بہ یقین داند کہ حقیقت ادب در رعایت اتباع و امتثال امر آنحضرت (صلعم) است و ہرچہ نہ ازیں باب است از توہم باطل است (جذب القلوب، باب شانزدھم در آداب زیارت)	جہاں تک اپنے امکان میں ہو، ظاہری و باطنی ہر حیثیت سے اپنے میں خضوع و وقار عاجزی و انکسار پیدا کرنے کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھے لیکن سجدہ کرنے اور فرش زمین پر لوٹنے اور جالی کو چومنے چاٹنے سے بچے نیز اسی قبیل کی اور دوسری حرکتوں سے اس لیے کہ شریعت میں ان کی اجازت نہیں گو ظاہر بینوں کی نظر میں یہ ادب معلوم ہوتا ہے یقین رکھنا چاہیئے کہ حقیقتاً ادب نام ہے آنحضرت صلعم کی پیروی و تعمیل احکام کا اور جو کچھ اس کے علاوہ ہے وہ سب توہم باطل ہے۔

سرتاج علماء ربانیین وصوفیہ کرام ،حضرت امام غزالیؒ کا ارشاد

ملاحظہ ہو :۔

وَلَيْسَ مِنَ السُّنَّةِ اَنْ يَّمَسَّ الْجِدَارَ وَلَا اَنْ يُّقَبِّلَهٗ بَلِ الْوُقُوْفُ بُعْدٌ اَقْرَبُ لِلْاِحْتِرَامِ (احیاء العلوم اسرار الحج باب ۳)

یہ مسنون نہیں کہ دیوار (مزار مبارک) کو ہاتھ لگائے یا اسے بوسہ دے، بلکہ احترام کا تقاضہ یہ ہے کہ دور ہی کھڑا رہے ۔

اور پھر چند ورق کے بعد۔

وَاَمَّا زِيَارَةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلعم فَيَنْبَغِيْ اَنْ تَقِفَ بَيْنَ يَدَيْهِ كَمَا وَصَفْنَاهُ وَتَزُوْرَهٗ مَيِّتًا كَمَا تَزُوْرُهٗ حَيًّا وَلَا تَقْرُبُ مِنْ قَبْرِهٖ اِلَّا كَمَا كُنْتَ تَقْرُبُ مِنْ شَخْصِهِ الْكَرِيْمِ لَوْ كَانَ وَكَمَا كُنْتَ تَرَى الْحُرْمَةَ فِيْ اَنْ لَا تَمَسَّ شَخْصَهٗ وَلَا تُقَبِّلَهٗ بَلْ تَقِفُ مِنْ بُعْدٍ مَاثِلًا بَيْنَ يَدَيْهِ فَكَذٰلِكَ فَافْعَلْ فَاِنَّ الْمَسَّ وَالتَّقْبِيْلَ لِلْمَشَاهِدِ عَادَةُ النَّصَارٰى وَالْيَهُوْدِ۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت آپ کے سامنے کھڑے ہو کر اسی طرح کرنا چاہیے جیسا کہ ہم لکھ آئے ہیں آپ کی زیارت موت کے بعد اسی طرح کرو جیسے زندگی میں کرتے۔ اور آپؐ کی قبر مبارک کے قریب اس سے زیادہ نہ ہونا چاہیے جتنا کہ آپ کی حیات میں آپ کے جسم پاک کو ہاتھ لگانے اور بوسہ دینے کو سوءِ ادب سمجھتے بلکہ آپ کی طرف متوجہ کچھ فاصلہ پر سامنے کھڑے رہتے اسی طرح اب بھی کرنا چاہیے اور مزارات کو مس کرنا، اور بوسہ دینا تو نصاریٰ اور یہود کا شعار ہے ۔

محدثین کے گروہ میں قاضی عیاض مالکی سے بڑھ کر جمال رسالت کے شیدائیوں میں اور کون گزرا ہے۔ حقوق رسالت پر ان کی کتاب الشفاء سے جامع تر تو کوئی کتاب آج تک موجود نہ ہو سکی، اپنی اسی کتاب میں خود انھوں نے اور ان کی شرح میں ملا علی قاری نے جو کچھ فرمایا ہے ذرا ایک نظر اس پر بھی فرمالی جائے۔

(وَیَدْنُوْ) اَیْ یَقْرُبُ مِنَ الْقَبْرِ قُرْبًا یُنَاسِبُ الْاَدَبَ (وَیُسَلِّمُ) وَلَا یَمَسُّ الْقَبْرَ وَکَذَا الْجِدَارَ وَقُبَّةً وَشُبْکَةَ حُجْرَةٍ عَلَیْهِ السَّلَامُ (بِیَدِهٖ) وَلَا یُقَبِّلُهٗ لِعَدَمِ وُرُوْدِهٖ عَنِ الصَّحَابَةِ الْکِرَامِ وَلِاَنَّهٗ اَقْرَبُ اِلٰی مَقَامِ الْاَدَبِ وَلِاَنَّ ذَالِکَ مِنْ عَادَةِ النَّصَارٰی عَلٰی مَا نَقَلَهُ الْغَزَالِیُّ۔ (الشفاء جلد ۲ باب رابع فصل حکم زیارة قبرہ صلعم)

قبر شریف کے نزدیک آئے، مگر اسی حد تک جو ادب و تعظیم کے مناسب ہے اور آپ پر سلام بھیجے، لیکن قبر کو ہاتھ نہ لگائے اور یہی حکم ہے قبہ شریف کی دیواروں اور جالیوں کا اور نہ انھیں منھ سے چھوئے اس لیے کہ صحابہ کرام سے ایسا کرنا ثابت نہیں اور اس لیے بھی کہ ادب کا مقتضا یہی ہے نیز اس لیے کہ ایسا کرنا نصاریٰ کا شعار ہے، جیسا کہ غزالی نے نقل کیا ہے۔

غرض یہ کوئی حنفی، وہابی، مقلد و غیر مقلد کا اختلافی مسئلہ نہیں، اہلسنت کے سارے اکابر اور تمام فرقے اسی پر متفق ہیں اور آداب زیارت پر جس کسی نے لکھا ہے یہی لکھا ہے۔

لیکن عمل کی حالت؟ ـــــ آہ! آج کہاں اور کس چیز میں مسلمانوں کا عمل اسلامی تعلیمات کے مطابق ہے، جو ایک اسی معاملہ میں مطابقت کی تلاش کی جائے۔ خدا معلوم کتنے ہر صبح سے شام تک ایسے آتے رہتے ہیں، جنھیں نہ ادب سے واسطہ ہے نہ تمیز سے، وقار و سکینہ و انکسار و مسکنت کا ذکر نہیں۔ کتنے ایسے ہیں جو باوضو تک نہیں ہوتے، ادب سے بیگانہ، آداب سے ناآشنا، سر اٹھائے، قدم بڑھائے، دروازوں میں داخل ہوئے، اور دوڑتے بھاگتے ہوئے حیرت سے آنکھیں پھاڑے چاروں طرف دیکھتے ہوئے روضۂ انور کی طرف دھادا کیے چلے آرہے ہیں، اور پہونچتے ہی یہ چاہتے ہیں کہ جالیوں سے لپٹ جائیں یا ان کے اندر گھس جائیں، ادھر سعودی سپاہی کی نظر چوکی، اور ادھر انھوں نے جالی پر ہاتھ اور منھ رکھ کر اندر کی طرف بیباکی کے انداز اور حیرت کی نگاہوں کے ساتھ جھانکنا شروع کیا اور سلام پڑھنے کے وقت تو جاہل مزوّروں کی رہنمائی میں اس مسجد مطہر میں جہاں عمر فاروق رضؓ زور سے بولتے ہوئے تھراتے تھے وہ شور اور ہنگامہ برپا ہوتا ہے کہ نمازیوں کو نماز پڑھنی اور تلاوت کرنے والوں کو تلاوت کرنی دشوار ہو جاتی ہے، اور پھر مزوّروں کی زائروں سے "لین دین" کی گفتگو! ـــــ ان باتوں کا پڑھنا ناظرین کے لیے ناخوشگوار اور ان کا لکھنا راقم کے لیے ناخوشگوار تر۔!

بہر حال جو نہ ہونا تھا وہ ہوتا ہے اور وہاں ہوتا ہے جہاں ہرگز ہرگز نہ ہونا چاہیے تھا، رحمت عالمؐ کی شان رحمۃ للعالمین سب کے عیبوں پر پردہ

ڈالے ہوئے ہے، اور رحمٰن ورحیم، رب غفار، سب کے مالک اور سب کے پروردگار کی شان ستاری نادان وزیاں کار مجرم وخطا کار، سب کو مہلت دیے ہوئے ہے۔ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ [1]

لیکن ہزاروں کے اس مجمع میں اگر سینکڑوں نہیں تو بیسیوں ضرور ایسے ہوتے ہیں جو دل والے بھی ہوتے ہیں اور آنکھوں والے بھی جو دیکھتے ہیں کہ کس دربار میں حاضر ہیں، جو سمجھتے ہیں کہ ان کا نصیبہ انھیں کہاں لے آیا۔ انھیں دیکھیے تو کبھی مواجہہ شریف کے سامنے، کبھی پائین میں کبھی بالین کی طرف کبھی مصلی نبیؐ پر، کبھی منبر نبویؐ کے قریب، کبھی ستون عائشہ کے متصل، کبھی ستون ابی لبابہ سے لگے ہوئے، کبھی پاک مسجد کے کسی اور پاک گوشہ میں، دبلے اور سمٹے ہوئے

---

[1] سچ میں جن دنوں یہ قسط نکلی تھی، اس کے چند ہی دن بعد ذیل کا مراسلہ اور اس کا جواب بھی سچ میں شائع ہوئے تھے۔ دونوں حسب ذیل ہیں۔

"السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، یا سیدی! ھذا ما اردت ایرادہ فی باب آداب زیارۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم (۱) سیدنا بلال نے حضور (روحی فداہ) کو خواب میں دیکھا، فرماتے ہیں کہ اے بلال! تو نے یہ کیسی جفا کی کہ ہماری زیارت نہ کی۔ بلالؓ اسی وقت شام سے روانہ ہوئے اور مدینہ پہونچ کر جب روضۂ انور پر حاضر ہوئے تو روتے روتے بیہوش ہونے لگے، اور اپنا منہ مزار اقدس پر ملنے لگے (حافظ ابن عساکر عن ابی الدرداء) (۲) مروان نے

روتے اور گڑگڑاتے ہوئے، مناجات میں مشغول ہیں، سجدہ میں پڑے ہوئے ہیں، رکوع میں جھکے ہوئے ہیں، تلاوت میں لگے ہوئے ہیں، درود خوانی میں محو ہیں تسبیح و تہلیل میں غرق ہیں۔ اپنی خطائیں ایک ایک کرکے یاد آ رہی ہیں، اپنے گناہوں

ایک شخص کو مزار اقدس پر منہ رکھے دیکھا تو کہا اے شخص یہ کیا کر رہا ہے، اس شخص نے سر اٹھایا تو وہ ابو ایوبؓ انصاری تھے۔ انھوں نے مروان کو جواب ان الفاظ میں دیا نعم جئت عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولم اٰت ھذا الحجر (امام احمد فی مندہ) (۳) اَخرَجَ البزاز فِی مُسْنَدِہٖ اَنَّ سَیِّدَنَا عُمَرُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ خَرَجَ اِلٰی مِنْبَرِ رَسُوْلِ اللّٰہِ فَاِذَا مُعَاذ ابْنُ جَبَلٍ قَائِمٌ یَبْکِیْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

(محمد افضل سلاچپوری دکن، ۱۲۰ - آذر)

سچ - یہ مراسلہ آج ۲۲ر اکتوبر کو سفر میں ملا، وطن واپس ہونے میں ابھی ڈیڑھ ماہ کی دیر ہے، اور اس اثناء میں کتابوں کی طرف رجوع کرنے کا کوئی موقع نہیں، سچ نمبر ۲۴، ۲۵ میں سفر حجاز نمبر ۱۲ کے ذیل میں آدابِ زیارت روضۂ رسول پر جو کچھ لکھا گیا تھا، مراسلہ نگار نے ان کا معارضہ روایات بالا سے کرنا چاہا ہے۔ لیکن ان روایتوں میں سے تیسری کا مسئلہ زیر بحث سے تو کوئی تعلق ہی نہیں۔ اس میں تو صرف یہ مضمون ہے کہ حضرت معاذؓ، رسول اللہ صلعم کے قریب کھڑے ہوئے مصروف گریہ تھے۔ اور یہ گریہ کا طاری ہونا تو خشوع اور خشیت کی عین دلیل ہوئی نہ کہ ان کے منافی، رہ گئیں وہ دو روائتیں جو ابن عساکر اور مسند احمد کے حوالہ سے بیان کی گئی ہیں یہ روائتیں اگر اسی صورت میں مروی ہیں (مراسلہ نگار صاحب معاف فرما دیں ان کی خدمت میں تعارف سابقہ بالکل نہیں

کی فرد کی ہر ہر سطر سامنے ہے کسی کی رحمت بے حساب کا خیال آکر ٹوٹے ہوئے دل کو تسلی دے رہا ہے، اپنے اور اپنے بزرگوں اور عزیزوں دوستوں کے حق میں دعائیں ہیں، امت اسلامیہ کے حق میں آہیں ہیں، فریادیں ہیں، پکاریں ہیں دردمندیاں ہیں، بیقراریاں ہیں۔ غرض ہر صورت سے اپنی عبدیت اور اپنی بندگی کا تحفہ، محمدؐ کے رب کے حضور میں محمدؐ کے بتائے ہوئے طریقہ کے موافق پیش کیا

ورنہ ان کے اعتماد پر انھیں بالکل صحیح تسلیم کر لیا جاتا) سو اول تو یہ مشہور و معلوم ہے کہ ابن عساکر اور مستدرک کے رجال اس پایہ کے نہیں، جیسے کہ صحاح کے ہیں۔ اس لیے محض یہ روایات استناد کے اعلیٰ مرتبہ پر نہیں لیکن بالفرض یہ تمام ترصحیح بھی ہوں تو حضرت بلالؓ اور حضرت ابو ایوبؓ کے ان افعال کو ان کے غلبۂ محبت اور دفورِ جوش پر محمول کیا جائے گا! (چنانچہ حضرت بلالؓ کے متعلق تو روایت ہی میں تصریح ہے کہ وہ بیہوش ہونے لگے) جو دوسروں کے لیے سند اور حجت کا کام نہیں دے سکتے، قاضی عیاض ملا علی قاری، امام غزالی، شیخ عبدالحق دہلوی، اور فقہا حنفیہ کے حوالوں سے بیچ میں جو عرض کیا گیا تھا وہ شریعت کا ایک عام ضابطہ و قانون تھا۔ اہل محبت پر غلبہ شوق و دفورِ جوش میں اضطراراً جو کیفیات طاری ہو جاتی ہیں۔ انھیں شریعت ہی نے عام ضابطہ سے مستثنیٰ کیا ہے، لیکن دوسروں کے لیے جو "حال" سے بے گانہ ہیں محض رسماً وتقلیداً ان کا اتباع ہرگز جائز نہیں۔ خضر کے لیے ایک بے گناہ کا قتل کر ڈالنا جائز ہو گیا۔ لیکن ہم آپ اگر کسی کو بے قصور طمانچہ بھی مار دیں تو شریعت کے قانون میں مجرم قرار پائیں گے۔"

جارہاہے، کون بتلائے کیا کیا مانگا جارہا ہے؟ کیا کیا مل رہاہے! دینے والے کے کرم کی کوئی انتہا ہے؟ پھر آخر مانگنے والے کیوں اپنی زبانیں روکیں؟ اور کیوں اپنے دل میں کوئی حوصلہ، کوئی ارمان باقی رہنے دیں؟ دینے والا وہی تو ہے جس نے ایک مانگنے والے (صلعم) کے الحاح کو دیکھ کر، غصہ اور خفگی کے لہجہ میں نہیں، پیار کے الفاظ میں اور محبت کی آواز میں "حریص" کہہ کر پکارا تھا، اللہ اکبر! حرص تو جب کی جاتی ہے جب ملنے سے پورا اطمینان نہیں ہوتا، بے حساب دینے والے اور بے اندازہ کرم کرنے والے سے بھی جو کوئی اپنا سوال جاری رکھے اس کی "حرص" شفاعت اس کی "حرص" شفقت کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ دینے والا غیر محدود اس کی فیاضیوں کا اندازہ قوت بشری سے باہر ہے لیکن مانگنے والا غیر محدود نہیں، محدود، اور خدا نہیں بندہ ہی تھا، اس محدود اور متناہی بندہ اور بشر ہی کی "حرص" شفاعت و "حرص" شفقت کا کون اندازہ لگا سکتا ہے؟ آج اور یہاں مانگنے والے اسی حریص شفاعت اسی حریص علیکم بالمومنین رؤف رحیم کا لقب پانے والے کے اُمتی ہیں۔ اسی کے نام لیوا ہیں، اسی کا کلمہ پڑھ پڑھ کر جینے والے اور اسی کا نام لے کر مرنے والے ہیں، ان کی دعائیں اور ان کی آرزوئیں! ـــــ اللہ اللہ! کس کی زبان میں قوت اور کس کے قلم میں طاقت جو اس اجمال کی تفصیل اور ان اشارات کی تشریح کر سکے!

باب (۱۳)

"روضۂ جنّت"

اللہ ٹھنڈا رکھے، اگلوں کی تربتوں کو، تربت مبارک کی حفاظت اور لوگوں کی نظر سے مخفی رکھنے کا کیسا کیسا انتظام کر گئے ہیں، دین کے بادشاہ کا جسد مبارک جہاں مع دونوں وزیروں صدیق و فاروق کے آرام فرما ہے۔ وہ ام المومنین عائشہؓ صدیقہ کا حجرہ تھا۔ ستر اسی سال تک یہ حجرہ اپنی اصلی حالت میں زیارت گاہ خلائق بنا رہا، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جمال دیکھنے والے اور ان دیکھنے والوں کے دیکھنے والے ایک ایک کر کے اٹھتے جا رہے تھے، ہجرت کی پہلی صدی ابھی ختم بھی نہیں ہونے پائی تھی کہ خلیفہ ولید کے حکم سے والی مدینہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے (اپنے دور خلافت سے قبل ہی) ایک مستحکم سنگی عمارت حجرۂ صدیقہ کے گرداگرد تعمیر کرا دی جس میں کوئی دروازہ نہ رکھا، تربت اطہر تو حجاب میں تھی ہی اب حجرۂ شریفہ بھی اس حجاب میں آ گیا۔ اور مشتاقان جمال کو اس بیرونی عمارت کی زیارت پر قناعت کرنا پڑی، کچھ روز کے بعد مزید تحفظ کے خیال سے ایک اور احاطہ پتھر کے ستونوں اور محرابوں کا، اس عمارت کے اردگرد بھی بنا دیا گیا اور گنبد خضرا اسی احاطہ پر قائم ہے۔ اس احاطہ پر کلمۂ طیبہ سے منقش پردے

پڑے رہتے ہیں اور اس کے دو دو ہاتھ کے فاصلہ پر چاروں طرف فولاد یا پیتل کی زرد جالیوں کی دیواریں ہیں اور اب زائر کے پیش نظر صرف یہی جالیاں رہتی ہیں یہ اہتمام اور انتظام چودھویں صدی ہجری اور بسویں صدی عیسوی میں جس پہلو اور جس اعتبار سے بھی دیکھیے سرتاسر ضروری ومناسب نظر آئے گا، تربت مبارک اگر بغیر اتنے حجاب کے کہیں کھلے میدان میں ہوتی تو شریعت سے بیگانے اہل ہوس و اہل بدعت خدا معلوم ابتک کیا کر گزرے ہوتے! اور پھر جو اہل نظر ہیں وہ اس نظارۂ بے حجاب کی تاب کیوں کر لاسکتے، ان کے علاوہ اور بھی متعدد مصلحتیں ہیں جو ہر غور کرنے والے کی سمجھ میں آسکتی ہیں۔

زیارت سے فراغت ہوچکی ہو تو درود وسلام پڑھتے ہوئے اب مسجد کے اس حصہ میں آیئے جس کی بابت زبان اقدس سے ارشاد ہوا ہے کہ:۔

مَا بَیْنَ بَیْتِیْ (اَوْقَبْرِیْ) وَمِنْبَرِیْ	میرے مکان (یا میری قبر) اور میرے منبر کے درمیان
رَوْضَۃٌ مِّنْ رِیَاضِ الْجَنَّۃِ۔	جو کچھ ہے وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔

اور اسی بنا پر اس قطعہ کا نام بھی "روضہ"، یا "جنت کی کیاری" پڑ گیا ہے بالین مبارک کی طرف جو جالیاں ہیں وہاں سے روضہ کے حدود شروع ہوتے اور منبر پر ختم ہوتے ہیں جو تخمیناً پچیس تیس فٹ کے فاصلہ پر رکھا ہوا ہے۔ یہ منبر کہا جاتا ہے کہ سلطان مرّاد کا بنوایا ہوا ہے لیکن رکھا ہوا اسی جگہ پر ہے جہاں منبر نبوی رکھا ہوا تھا منبر اور جالیوں کے درمیان منبر سے ڈھائی تین گز کے فاصلہ پر محراب النبی، اور

مُصلّیٰ نبوی، ہیں، یعنی وہ مقامات جہاں اپنے رب کے سب سے بڑے پوجنے والے نے نمازیں پڑھی ہیں، سجدے کیے ہیں، رکوع کیے ہیں، امامت فرمائی ہے، اس خطۂ نور کی نورانیت کو الفاظ میں کیونکر بیان کیا جائے! حدیث کی شرح میں شارحین کے قول مختلف ہیں۔ کوئی یہ کہتا ہے کہ اتنا ٹکڑا انزدل رحمت وحصول سعادت میں جنت کے باغیچوں کے مثل ہے اور اسی لیے اسے چمن جنت کہا گیا کسی کا فرمانا یہ ہے کہ یہاں کی عبادت نہایت مقبول ہے اور اس کے سبب یقیناً باغ جنت ملے گا، اس مناسبت سے اسے روضۂ جنت ارشاد فرمایا گیا۔ اور بعض شارحین کا قول ہے کہ اس ارشاد کو ظاہر ہی پر محمول رکھا جائے۔ یعنی اتنا ٹکڑا حقیقۃً جنت ہی کا ٹکڑا ہے۔ اور قیامت کے دن بعینہ جنت کی طرف اٹھا لیا جائے گا۔

یہ ساری شرحیں اور تاویلیں جنھیں علامہ ابن حجر نے فتح البارَی میں نقل فرمایا ہے۔ اپنی اپنی جگہ پر بالکل صحیح و درست ہیں۔ عبادت یہاں کی بھی اگر مقبول نہ ہوگی تو اور کہاں کی ہوگی، نزول رحمت اور حصول سعادت اگر یہاں بھی نہ ہوگا تو اور کہاں ہوگا، یہ سب صحیح ہے لیکن دل کہتا ہے کہ صحیح ترین مفہوم وہی ہے جو سب سے آخری قول میں نقل ہوا، کوئی اور مانے یا نہ مانے لیکن جن خوش نصیبوں کو اس خطۂ بہشتی کی زیارت نصیب ہوچکی ہے ان کا دل تو یہی پکارے گا، اسی کو مانے گا اور یہی سمجھے گا۔ اتنا حسین، اتنا جمیل اتنا دلکش، اتنا جاذب نظر اتنا پر انوار قطعہ اس ناسوتی اور فانی دنیا کا ہو نہیں سکتا ہے! یقیناً

اسے جنت الفردوس ہی سے اٹھا کر لایا گیا ہے، اور دنیا کی بربادی کے وقت اسے ہر قسم کے گزند سے محفوظ رکھ کر انشاء اللہ بجنسہ وہیں پھر اٹھا لیا جائے گا۔

اور یہ دل کی آواز محض ایک عامی کی نہیں، اگلے بزرگوں میں بھی بعض محققین اسی جانب گئے ہیں شیخ دہلوی حدیث بالا اور اس کی شرحوں کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

"تحقیق آں ست کہ کلام محمول برحقیقت خود است، وما بین حجرۂ آنحضرت (صلعم) ومنبر شریف بہ حقیقت روضہ ایست از ریاض جنت بآں معنی کہ فردائے قیامت آں را بہ فردوس اعلیٰ نقل کنند ودر رنگ سائر بقاع ارض فانی ومستہلک نہ گردانند، چناں چہ ابن فرجون و ابن جوزی از امام مالک نقل کردہ اند، و اتفاق جماعۂ از علما باوے نیز منضم ساختہ، وشیخ ابن حجر عسقلانی واکثر علماء حدیث ترجیح ایں قول کردہ اند، ابن ابی حمزہ کہ از کبار علمائے مالکیہ است فرمودہ کہ احتمال دارد کہ عین ایں بقعہ شریفہ روضہ از ریاض جنت باشد کہ از آنجا بردار دنیا فرستادہ باشد چنانچہ در شانِ حجر اسود ومقام ابراہیم واقع است و بعد از قیام قیامت ہم بہ مقام اصلی خودش برند"

(جذب القلوب باب ۸)

اور اسے نقل کرنے کے بعد شیخ حسب توقع بھی اسی معنی کی تائید کرتے ہیں:۔

"ایں معنی از روئے حقیقت جامع جمیع معانی ہست کہ دیگران گفتہ اند"

بعض کتابوں میں بیہقی کے حوالہ سے یہ روایت دیکھنے میں آئی کہ ہر صبح کو ستر ہزار فرشتے اس روضہ جنت پر اُترتے ہیں اور شام تک درود شریف پڑھتے رہتے ہیں۔ اس کے بعد واپس چلے جاتے ہیں اور نئے ستر ہزار آجاتے ہیں جو اسی طرح صبح تک درود شریف پڑھتے رہتے ہیں اور اس روایت میں تو ستر ہزار فرشتوں کا ذکر ہے جو پھر بھی ایک تعداد محدود ومتعین کا نام ہے جو آنکھیں اس روضہ کے دیدار جمال سے مشرف ہو چکی ہیں وہ تو اس کی تصدیق کرنے کو تیار ہیں کہ ہزاروں اور لاکھوں کے عدد کیسے، بے شمار اور بے تعداد فرشتے ہر لحظہ اور ہر ساعت اللہ کی رحمتوں اور برکتوں سے اس مرکز نور کو منور اور منور سے منور تر بناتے رہتے ہیں۔!

اسی روضہ کے اندر وہ آٹھ ستون بھی ہیں جنھیں اسطوانات حرمت کہا جاتا ہے، ان کے پاس نمازیں پڑھنے کی خاص فضیلتیں آئی ہیں، روضہ بھر میں کہیں بھی نماز پڑھیے، سارا تختہ تختۂ جنت ہے لیکن اگر آسانی سے بلا زحمت وکشمکش ان میں سے کسی ستون کے پاس جگہ مل جائے تو سبحان اللہ۔ نورٌ علی نور:۔

(۱) اسطوانہ مخلقہ۔ یہ ستون عین مصلی نبی کی پشت پر ہے، منبر تیار ہونے سے قبل رسول اللہ صلعم اسی جگہ کھڑے ہو کر خطبہ جمعہ کو ارشاد فرماتے تھے۔

ستون حنانہ جس نے منبر کی تیاری کے بعد، حضور سے جدا ہونے پر ایک روایت کے مطابق گریہ و بکا کیا تھا، ٹھیک اسی مقام پر تھا۔

(۲) اسطوانہ حرس یا اسطوانۂ علیؓ یہاں صحابۂ کرام حضور کی دربانی یا پہرہ کے لیے بیٹھے رہتے تھے اور اکثر یہ خدمت حضرت علی سے متعلق رہتی تھی، اور آپ کثرت سے نمازیں یہیں ادا فرماتے تھے۔

(۳) اسطوانۂ دفود، باہر سے جو وفد حضور صلعم کی خدمت میں حاضر ہوتے ان سے اکثر اسی مقام پر ملاقات فرمائی جاتی۔

(۴) اسطوانہ ابی لبابہ۔ حضرت ابی لبابہ مشہور صحابیوں میں ہیں، ایک مرتبہ آپ جہاد میں نہ گئے۔ بعد کو خود ہی ندامت ہوئی۔ اور اس زور کا احساس ندامت ہوا کہ اپنے کو مسجد میں ایک ستون سے باندھ دیا۔ بالآخر جب رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم جہاد سے واپس تشریف لائے اور ابولبابہ کی بریت میں وحی نازل ہوئی تو اپنے دست مبارک سے ابولبابہ کو کھولا۔

(۵) اسطوانہ صریر۔ اس ستون کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حالت اعتکاف میں کبھی کبھی کھجور کے بوریئے پر آرام فرماتے تھے۔

(۶) اسطوانہ جبرئیل۔ حضرت جبرئیل، اکثر وحی اسی مقام پر لے کر آئے ہیں۔

چار ستون یعنی اسطوانۂ حرس، اسطوانہ دفود، اسطوانہ صریر، اسطوانہ جبرئیل بالین مبارک کی جالیوں والی دیوار میں ایک ہی قطار میں قریب قریب ہیں۔

(۷) اسطوانہ عائشہ جس جگہ اب مصلی نبی ہے، اس کے اختیار کرنے سے

قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ روز یہیں نماز ادا فرمائی ہے، ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ نکلا تھا کہ میری مسجد میں ایک جگہ ایسی ہے کہ اس کی فضیلت اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے تو وہاں جگہ پانے کے لیے لوگ قرعہ ڈالیں۔ اس وقت سے صحابہ کو برابر اس جگہ کی جستجو رہنے لگی۔ حضور کی وفات کے بعد حضرت عائشہ نے اس جگہ کا پتہ اپنے بھانجے حضرت عبداللہ بن زبیر کو بتایا اسی مناسبت سے اسے اسطوانہ عائشہؓ کہتے ہیں۔

(۸) اسطوانہ تہجد۔ یہ مقصورہ شریفہ کی پشت کی جانب ہے (یعنی شمالی دیوار میں) کہا جاتا ہے کہ یہاں رسول اللہؐ نے تہجد کی نمازیں ادا فرمائی ہیں۔ سعودی حکومت نے یہاں نماز پڑھنے کی بلکہ یہاں تک پہونچنے کی ممانعت کر دی ہے۔ شاید اس خیال سے کہ یہاں کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے تربت مبارک سامنے پڑتی ہے۔

روضۂ جنت میں جہاں کہیں بھی جگہ مل جائے اپنی خوش نصیبی سمجھیے لیکن اس کے لیے دوسروں کی جگہ زبردستی چھین لینا، ایک دوسرے سے دھکم دھکا کرنا، آداب مسجد اور وقار دربار نبوی کے بالکل منافی ہے اور حق یہ ہے کہ اس کی ضرورت بھی نہیں پڑتی۔ شدت ہجوم کے زمانہ میں بھی، اسے یہاں کی کرامت سمجھئے، یا جو کچھ کہ ہر آرزومند کو اس محدود رقبہ کے اندر جگہ مل ہی جاتی ہے حالانکہ کل گنجائش اس میں شاید ڈھائی تین سو نمازیوں سے زائد کی نہ ہو صرف

چند لمحے صبر و انتظار کی ضرورت ہوتی ہے یہاں تک کہ مصلی نبی جو موسم حج میں کبھی نمازیوں سے خالی نہیں رہتا، اور جس پر مشتاقوں کے ٹھٹ ٹوٹے پڑتے ہیں، وہاں بھی کچھ دیر کے صبر و انتظار کے بعد جگہ مل کر رہتی ہے البتہ اتنا خیال اپنے کو بھی رہنا چاہیے کہ اس جگہ پر بہت دیر تک اپنا قبضہ نہ رکھے اس پر سب مسلمانوں کا حق یکساں سمجھے اور ہلکی ہلکی رکعتیں پڑھ کر جلد اس جگہ کو دوسرے آرزومندوں کے لیے خالی کر دے یہیں منبر کے قریب اور ایک دوسرے مقام پر بھی بہت سے کلام مجید رکھے رہتے ہیں جس کا جی چاہے پڑھے ۔ غرض "روضہ جنت" کے اندر قدم رکھنے کے بعد جتنی دیر چاہیے نماز پڑھیے، جب تک جی میں آئے قرآن کی تلاوت کرتے رہیے۔ اور جب تک دل لگتا رہے درود خوانی میں مصروف رہیے۔ ہر عمل جنت ہی کی طرف لے جانے والا ہے، سب سے بڑی بات یہ ہے کہ مواجہہ شریف میں جو رعب و جلال ہے اور وہاں حاضر ہو کر قلب پر جو ہیبت طاری ہوتی ہے وہ یہاں مفقود ہے، یہاں سکون، اطمینان اور ٹھنڈک ہے، یکسوئی اور حضور قلب کے ساتھ جب تک قسمت یاوری کرے مناجات میں لگے رہیے، عرض و معروض کرتے رہیے، دعائیں مانگتے رہیے اپنی ذات کے لیے، بزرگوں کے لیے، عزیزوں کے لیے، دوستوں کے لیے، ساری امت اسلامیہ کے لیے، سب کے لیے بھلائی چاہیے، اپنے گناہوں کو یاد کیجیے اپنی بے حساب تباہ کاریوں کا حساب لگائیے، رو دیئے، اور گڑ گڑائیے، سجدوں میں گر جیئے اور کسی کو منائیے دل سے تو بہرحال رو دیئے اور ممکن ہو تو آنکھوں سے

یہی سیلاب بہالیئے نہ یہ جگہ سب کہیں نصیب اور نہ یہ گھڑیاں ہر وقت حاصل!

جمعہ کا دن مسلمانوں کی عید کا دن ہوتا ہے، پھر مدینہ کا جمعہ اور مدینہ میں بھی مسجد نبوی (صلعم) کا جمعہ! جس کے نصیب میں یہ آجائے اس کے نصیبہ ور ہونے میں کسے کلام؟ لیکن جس نے اپنا نام قادر علی الاطلاق رکھا ہے جس نے اپنی شان غنی عن العالمین بیان کی ہے اس کی کارفرمائیوں کے بھید کون پا سکتا ہے؟ اور اس کی مشیت کی باریکیوں کی تھاہ کس کو مل سکی ہے؟ آفتاب" عالمتاب" ہے سارے عالم کی آنکھوں کو روشن کر دیتا ہے، لیکن اس عالم کے اندر ایسے جاندار بھی موجود ہیں جن کے حق میں یہی نور عالمتاب آنکھوں کا حجاب بن جاتا ہے، مدینہ پر اس وقت سعودی حکومت کا پرچم لہرا رہا ہے، سلطان حجاز کی طرف سے مدینہ میں جو امیر (گورنر) مقرر ہیں وہ شاید عیسائیوں کی طرح ہفتہ میں صرف ایک ہی دن ایک وقت کے لیے مسجد میں حاضر ہونا ضروری خیال فرماتے ہیں" حاضر ہونا" غلط کہا گیا ہے، وہ حاضر نہیں ہوتے ہیں مسجد میں" تشریف لاتے ہیں" تشریف آوری کی شان یہ ہوتی ہے کہ نماز جمعہ کے وقت مقررہ سے تین گھنٹہ قبل (یہ گھڑی کے حساب سے پوری ذمہ داری کے ساتھ عرض کر رہا ہوں) سے" روضہ جنت" کا ایک معتد بہ حصہ نمازیوں اور عبادت گزاروں سے خالی کرایا جانے لگتا ہے اور منبر سے لے کر مصلی نبی تک کا حصہ بقدر تین صفوں کے ہر نماز پڑھنے والے سے ہر تلاوت کرنے والے سے، ہر درود پڑھنے والے سے کبھی طوعاً اور زیادہ تر

کر گا خالی کرالیا جاتا ہے۔ اس لیے کہ امیر مع اپنے خدم وحشم کے تشریف لا رہے ہیں! (خدا کا شکر ہے کہ اس طرح کی تشریف آوری ہفتہ میں ایک بار ہوتی ہے) اور یہ خالی کرانے والے سعودی حکومت کے پیادے نیز محکمۂ "امر بالمعروف" کے عہدیدار ہوتے ہیں! محکمہ کا مقصد شریعت کا نفاذ اور بدعتوں کا مٹایا جانا ہے لیکن خاص جمعہ کے مبارک ومتبرک دن عین صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں بدعتوں کو یوں مٹایا جاتا ہے! امر بالمعروف "کی یوں جسارت کی جاتی ہے! توحید عملی کی یوں منادی کی جارہی ہے مساوات واخوت اسلامیہ کا درس صرف رعایائے حجاز ہی کو نہیں ساری دنیائے اسلام کو یوں دیا جاتا ہے! کون کہتا ہے کہ بنوامیہ کی زیادتیاں انھیں کے دور پر ختم ہو گئیں۔

نماز سے ذرا پہلے امیر صاحب (غالباً موٹر پر) تشریف لاتے ہیں، اور مسجد کے اندر اس شان سے داخل ہوتے ہیں کہ بندقچیوں کا ایک پورا دستہ ہمراہ آگے بھی سپاہی اور پیچھے بھی سپاہی اور اس غول کے اندر امیر صاحب نہ کسی سے سلام علیک! قدم قدم پر حکومت کی شان عیاں اور "امارت" کے نشانات نمایاں۔ بس یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا پنجاب کی سرزمین پر مائیکل اوڈوائر یا جنرل ڈائر اپنے اردلیوں اور اپنے فوجیوں کی قوت پر نازاں اپنی کالی رعایا کے سامنے اکڑتا اور جھومتا ہوا چل رہا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ ترک بادشاہ اپنے نام کے ساتھ "خادم الحرمین الشریفین" لکھتے تھے اور اس پر فخر کرتے تھے۔ اب جلالۃ الملک سلطان نجد کو اپنی سلطنت اور وجاہت میں ان سے بہت چھوٹے ہیں وہ ایسا

کیوں نہیں کرتے؟ جواب ظاہر ہے جس سلطان کے نائب اور جس "مُلک" کے گورنر تک "خادم" ہونے کے بجائے "مخدوم" ہوں اور حرم کے اندر عین عبادت و تضرع کے وقت، عین خشیت و انابت کے موقع پر بھی اپنے مخدوم اور اپنے حاکم ہونے کا یوں مظاہرہ فرماتے رہیں، وہ کیا کوئی دیوانہ ہے جو اپنے کو "خادم" کہتا رہے، اور اپنے تذلل و افتقار کو اپنے لیے باعث شرف سمجھتا رہے؟

دوستو اور عزیزو! یہاں سوال حنبلیت، حنفیت کا نہیں، وہابیت اور سنیت کا نہیں، ابن تیمیہؒ اور ابو حنیفہؒ کی تقلید کا نہیں، سوال صرف قوت و اقتدار حکومت و امارت کا ہے اور ملکیت کا احساس بنو امیہ کو ہو یا آل سعود کو نتیجہ کچھ یکساں ہی رہتا ہے[1] اقبال نے کہا تھا ؎

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز!

لیکن دنیا اس وقت سے بہت آگے بڑھ چکی ہے، اب "محمود" اپنی صف ہی "ایاز" کی صف سے الگ رکھے گا، بھلا اب تو کوئی "بندہ" اور "بندہ نواز" کے فرق و امتیاز کو مٹا دیکھے؟

---

[1] یہ مشاہدات و تاثرات ۱۹۲۹ء کے تھے۔ بعد کے آنے والوں کا بیان ہے کہ اس صورت حال میں اب اچھی خاصی اصلاح ہو گئی ہے ــــــ فالحمد للہ ــــــ اس سے زیادہ مسرت انگیز خبر اور کیا ہو سکتی ہے

باب (۱۴)

مسجد نبویؐ

مسجد پاک کے کن کن حصوں کی پاکیاں اور کن کن گوشوں کی بڑائیاں گنائی جائیں اور جو ہمہ خوبی ہمہ محبوبی ہے اس کے کس کس جزو کے حسن وجمال کا نقشہ کھینچا جائے، سوائے اس کے کہ ایک ہی بار۔

گلچیں بہار تو ز داماں گلہ دارد!

پڑھ کر خاموشی اختیار کرلی جائے، ابھی "روضۂ جنت" کا ذکر تھا۔ روضہ کے اندر ہی محراب النبی ہے۔ روضہ کے باہر، منبر نبوی کے دوسری جانب محراب عثمانی ہے۔ سال کے بیشتر حصہ میں چونکہ جماعت دمسجد کی وسعت گنجائش کے لحاظ سے بہت مختصر ہوتی ہے۔ اس لیے امام محراب نبویؐ میں کھڑا ہوتا ہے اور نمازی روضہ میں ہوتے ہیں، لیکن حج کے آگے پیچھے موسم زیارت میں جب مجمع کئی گنا بڑھ جاتا ہے تو امام محراب النبی کو چھوڑ کر چند صفیں آگے بڑھ کر محراب عثمانی میں کھڑا ہونے لگتا ہے، اور نمازی مسجد کے سارے عرض وطول میں پھیل جاتے ہیں، یہ محراب ذوالنورین خلیفہ ثالث رضؓ کی تعمیر کرائی ہوئی ہے۔ اس کی نورانیت کا بیان کس زبان سے ہو! — غرض ساری مسجد اللہ ہی کی

ہے اور اللہ کے بندوں کے لیے ہے۔ جہاں چاہیے نماز پڑھیے اور جس جگہ دل میں آئے اپنے مولا سے راز و نیاز میں لگ جائیے، چپہ چپہ انوار سے معمور، ذرہ ذرہ برکتوں سے پرنور، کس حصہ کو بڑھائیے اور کس حصہ کو گھٹائیے یہ فخر عمر بھر کہیں مٹنے والا! اور یہ شرف زندگی بھر کہیں بھولنے والا ہے کہ جس زمین کے ذرات کو رسول خدا کے قدموں نے مس کیا، جہاں صدیقوں نے نمازیں پڑھیں، جہاں شہیدوں نے سجدے کیے جہاں نور کے بنے ہوئے فرشتوں نے بار بار فخر و ناز کے ساتھ حاضری دی۔ ہاں، زمین کے جس ٹکڑے پر آسمان کو رشک آرہا ہو۔ آج وہاں ایک خاک کا پتلا، حرص و ہوا کا بندہ آزادی کے ساتھ بے روک ٹوک چلے پھرے، ہنسے بولے، روئے گڑگڑائے!۔

یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے!

پہلے کسی زمانہ میں چار مصلّے تھے، جو چاروں اماموں کی جانب منسوب تھے، اب صرف ایک ہی مصلی ہے، جس پر مذاہب اربعہ کے امام مختلف اوقات پنجگانہ میں باری باری نماز پڑھاتے ہیں، اور ہر امام کے پیچھے ہر وقت نمازیں باقی مذاہب ثلاثہ کے پیرو جوق در جوق نمازیں پڑھتے ہیں۔ چار مصلوں کو توڑ کر ایک مصلی قائم کر دینا، نجدی حکومت کی یقیناً ایک بدعت حسنہ ہے، کاش اسی طرح تفریقوں کو مٹا کر وحدت امت کا خیال اس حکومت نے دوسری چیزوں میں بھی رکھا ہوتا۔ فجر کی نماز حنبلی (نجدی) امام پڑھاتا ہے۔ ظہر شافعی امام سے متعلق ہے

عصر مالکی امام کی اقتداء میں ادا کی جاتی ہے۔ مغرب کی امامت پھر حنبلی امام کے پیچھے ہوتی ہے اور عشا کے وقت حنفی امام کی نوبت آتی ہے، نماز جمعہ بھی حنبلی امام کے پیچھے پڑھی جاتی ہے، اس طرح حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، سب کو ایک دوسرے کے پیچھے ہر روز پڑھنی پڑتی ہیں[1]۔ اور یہی معنی ہیں وحدت امت اسلامیہ کے مذاہب اربعہ کی تقسیم تو سہولت اور آسانی پیدا کرنے کے لیے ہے، نہ کہ امت اسلامیہ کو مختلف ٹکڑیوں میں توڑ دینے اور ایک کو دوسرے کے مدمقابل و حریف بنا دینے کے لئے چار جماعتیں الگ الگ ہونے میں وہ لطف اور وہ حسن کہاں باقی رہ سکتا ہے جو سب کے یکجا پڑھنے اور ایک امام کی اقتدا کرنے میں آتا ہے۔ شیعوں کے لیے کسی علیحدہ جماعت کا انتظام نہیں، خالی اوقات میں شیعوں کی چھوٹی چھوٹی جماعتوں کو "روضہ" میں اپنے امام کے پیچھے نماز پڑھتے دیکھا گیا اور چودھری محمد علی ردولوی کے سے شیعہ تو ہم لوگوں کی جماعت میں بے تکلف شریک ہو جایا کرتے تھے، کاش یہ فراخ دلی شیعہ فرقہ میں عام ہو جاتی!

فرض نمازوں کی اذان کے علاوہ یہاں تہجد کی اذان بھی ہندوستان کے وقت کے اندازہ سے کوئی ڈھائی پونے تین بجے شب کو ہوتی ہے، اسی وقت حرم مدنی

---

[1] بعد کو خبر آئی کہ حنفی اور شافعی امام موقوف کر دیے گئے اور صرف مالکی اور حنبلی امام باقی رہ گئے، افسوس!

کے دروازے کھل جاتے ہیں اور اسی وقت خلقت کے ٹھٹ کے ٹھٹ جو دروازوں سے لگے ہوئے باہر کھڑے ہوتے ہیں، ذوق و شوق کے ساتھ لمبے لمبے قدم رکھتے ہوئے اندر داخل ہونے لگتے ہیں اور سب کی تمنا یہ ہوتی ہے کہ سب سے پہلے مصلّی نبوی پر یا کم سے کم "روضہ" کے کسی حصہ تک جا پہونچیں، تخمیناً گھنٹہ پون گھنٹہ کے بعد فجر کی اذان ایسے وقت ہوتی ہے کہ خوب اندھیرا چھایا ہوتا ہے، حنبلی امام کی قرائت عموماً طویل ہوتی ہے۔ پھر بھی جب نماز ختم ہوتی، اندھیرا خاصا باقی رہتا اور لوگ تاروں کی چھاؤں میں گھر واپس جاتے، دن نکلنے سے لے کر کوئی چار ساڑھے چار گھنٹہ کا وقت مسجد نبوی میں نسبتہً تخلیہ کا ہوتا ہے اس وقت ہجوم اور وقتوں کے مقابلہ میں کم ہوتا ہے "روضہ" کے اندر نفلیں پڑھنے کا بھی بہترین وقت ہوتا ہے، جس خوش قسمت کی رسائی یہاں تک ہو جائے اسے نہ بھول جانا چاہیے کہ خدا معلوم کتنے دوسرے بھی اس مصلے پر نماز پڑھنے کے آرزو و اشتیاق میں ہیں۔ اس لیے اس جگہ پر بہت دیر تک اپنا قبضہ نہ جمائے رکھے بلکہ جلد دوسروں کے لیے جگہ خالی کر دے، حضور قلب کے ساتھ اگر چار بلکہ دو رکعتوں کا بھی موقعہ مل جائے تو بالکل کافی ہے۔ ظہر میں ابھی گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ باقی ہوتا ہے کہ پھر زائروں اور نمازیوں کا ہجوم بڑھنے لگتا ہے، ٹھیک دوپہر کو بالکل اول وقت نماز ظہر ادا ہوتی ہے اور اسی طرح اس کے کوئی تین گھنٹے بعد بالکل اول وقت نماز عصر بھی۔ عصر کے بعد پھر گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ ذرا مجمع کم رہتا ہے یہانتک کہ مغرب میں جب گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ باقی رہتا ہے تو پھر بڑھنا شروع ہو جاتا ہے اس وقت

صحن بھی عموماً گھر جاتا ہے اور درس حدیث و درس صرف دنحو کے حلقے جا بجا قائم ہو جاتے ہیں، مغرب کے بعد بعض لوگوں کے وعظ بھی اکثر سننے میں آئے، ان میں ایک "واعظ" بڑی بلند آہنگی کے ساتھ اردو میں بولتا رہتا تھا۔ اپنے کو دہلی کا باشندہ بتاتا تھا، لیکن لب ولہجہ میں پنجابیت اچھی خاصی تھی، ہندوستان میں تو کوئی اسے جانتا نہیں، مگر یہاں اس کا شمار "علما" میں تھا۔ قرآن کی عبارتیں غلط پڑھتا اور اس کے معنی غلط تر بیان کرتا اور "غیر مقلدی" کی تبلیغ بیباکی اور بدزبانی کے ساتھ کیا کرتا۔ ایک روز میں ذرا کھڑا ہو کر سننے لگا تو کہہ رہا تھا کہ جو لوگ یہاں کی خاک بطور تبرک لے جاتے ہیں وہ سخت گنہگار ہوں گے اور ہرگز نہ بخشے جائیں گے۔ اس لیے کہ قرآن میں آچکا ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ۔ عشا کی نماز مغرب کے کوئی ڈیڑھ گھنٹہ بعد ہوتی ہے اس وقت کے امام حنفی ہوتے تھے، جو ماشاء اللہ تجوید سے واقف ہیں اور خوش الحان بھی ہیں۔ حنبلی امام کے برخلاف قرأت مختصر کرتے اور ارکان نماز بڑے اطمینان سے ادا کرتے، اس لیے قدرۃً اس نماز میں اور تمام نمازوں سے زیادہ جی لگتا، جماعت عشا کے کچھ دیر کے بعد مسجد ہر شخص سے خالی کرائی جاتی ہے، خدام کھوج لگاتے ہیں کہ کہیں کوئی شخص چھپ کر تو نہیں بیٹھ رہا ہے۔ روشنیاں گل کر دی جاتی ہیں اور دروازے بند ہو جاتے ہیں، صرف دو ایک خادم اندر رہ جاتے ہیں۔

مسجد کے خدام عموماً یہ فام خواجہ سرا ہیں، جبشہ، مراقش، زنجبار وغیرہ افریقہ کے مختلف علاقوں سے ترکوں کے زمانہ میں نوعمر خواجہ سرا آ آکر بکتے تھے، اور ترک سلاطین انھیں خدمت حرمین کے لیے خرید لیتے تھے۔ سلطان ابن سعود نے اس دستور کو جو ہرگز نہ سنت رسول کے مطابق تھا، نہ سنت صحابہ کے، بحمد اللہ بند کر دیا ہے، تاہم پرانے خواجہ سراؤں کی ایک تعداد پچیس تیس کے قریب ہوگی، اب بھی باقی رہ گئی ہے، حرم نبوی کے اصلی خدام، چند سال قبل تک یہی لوگ تھے اور مقدس چار دیواری کے اندر سیاہ و سپید سب انھیں کے ہاتھ میں تھا، اب ان کے اختیارات بہت گھٹ گئے ہیں۔ اور تنخواہیں بھی بہت کم ہو گئی ہیں، نذرانوں کی آمدنیاں بھی یوں ہی سی رہ گئی ہیں، تاہم ان کے حُسنِ اخلاق اور ان کے ولولۂ خدمت ان کے حبِّ رسول میں اب بھی کوئی فرق نہیں، ان کا وہ سر سے پیر تک سفید براق لباس، وہ اونچی اونچی پگڑیاں، وہ ڈھیلی ڈھیلی عبائیں، وہ لمبی آستینیں، ایک مرتبہ دیکھ لینے کے بعد ان کی صورتیں نظر میں ایسی کھپ جاتی ہیں کہ پھر نکالنا چاہیے بھی تو نہیں نکلتیں، مدینہ والے خصوصاً حرم مدینہ والے یوں تو سب ہی آپ کی امداد و اعانت کے محتاج و منتظر ہیں، لیکن بن پڑے تو ان خدام کی کچھ خدمت، خلوص دل سے ضرور کیجیے، ان کو یہاں کی اصطلاح میں "آغا" کہتے ہیں، بیچارے اپنے وطن سے دور اور اپنے عزیزوں قریبوں سے مہجور آستانۂ نبی پر پڑے ہوئے ہیں۔ نہ کہیں آنے کے نہ کہیں جانے کے، کچھ بھی ہو جائے کیسے بھی انقلابات آئیں، سارے شہر مدینہ

کی آبادی خالی ہو جائے، پر یہ یہاں سے نہیں ٹلتے، جب دیکھیے حجرۂ مطہرہ کی پشت پر، جانب شمال، باب جبریل، و باب النساء کے درمیان اپنے وسیع چبوترہ دکۃ الاغوات پر بیٹھے ہوئے اور کہا جاتا ہے کہ یہی چبوترہ کبھی اصحاب صفہ کا صفہ (چبوترہ) تھا، ان کے کمزور جثوں، ان کے نحیف جسموں، اور سب سے بڑھ کر ان کے سیاہ رنگ پر اگر کبھی نظر جائے تو فوراً یاد کر لیجیے کہ فخر امت بلال کس ملک کے اور کس رنگ کے تھے۔ موجودہ آغاؤں کے سردار خلیل آغا خاص طور پر خوش اخلاق ہیں، ہندوستان بھی آ چکے ہیں اور دیوبند کے بڑے معتقد اور گرویدہ ہیں۔

حرم کے اندر ایک خاص شخصیت "شیخ الروضہ" شیخ توفیق کردی کی ہے جو ترکوں کے زمانہ سے اسی عہدہ پر ہیں، نورانی چہرہ، سفید رنگ، پرسن سفید داڑھی بہت سے کلام مجید آس پاس لیے ہوئے، روضہ کے اندر منبر نبوی و مصلی نبوی کے درمیان بیٹھے ہوئے تلاوت کے لیے جس وقت جتنی دیر تک جی چاہے ان سے کلام مجید لے کر پڑھتے رہیے۔ ایک صاحب نقیب العلماء کے لقب سے باب مجیدی کے قریب صحن کے شمالی دالان میں لڑکوں کو درس دیتے رہتے ہیں، یہ بھی ملنے کے قابل ہیں، ذی علم، خوش اخلاق، بے طمع، ہندوستان کی سیر کیے ہوئے، پانچوں دروازوں پر ایک ایک دو دو بواب یعنی دربان ہیں جن کا کام یہ ہے کہ جب آپ مسجد کے اندر قدم رکھنے لگیں تو اپنا جوتہ، یا

چھتری یا لالٹین ان کے پاس رکھا دیں، واپسی پر بحفاظت آپ کی چیز آپ کو مل جائے گی، اس مقدس مکان کی دربانی کوئی معمولی چیز ہے؟ جس کے نصیب میں آجائے اس کی خوش نصیبی قابل رشک! باب جبرئیل کے دربان سے سابقہ زیادہ پڑتا رہا، ایک ہندوستانی ہیں، صوبہ بہار کے رہنے والے، قمر الدین نام ہے، سالہا سال سے ترک وطن کیے درِ رسول پر پڑے ہیں، عربی، فارسی سب زبانیں بقدر ضرورت سیکھ لی ہیں، ذرا خوش دلی سے ان کی خدمت کر دیجیے بس پھر دیکھیے کیسے مہربان ہو جاتے ہیں، اور آپ کے کیسے کیسے کام نکال دیتے ہیں، باب الرحمتہ پر جو دربان ہیں ایک نورانی شکل کے پیر مرد ہیں، ثقہ لوگوں سے سننے میں آیا کہ صاحب دل و صاحب نسبت ہیں۔ باب مجیدی کے بواب سے صرف دو ہی ایک بار سابقہ پڑا، لیکن ان کی خدمت میں جو کچھ پیش کیا گیا اسے کسی طرح قبول نہ فرمایا، یہی کہتے رہے کہ میرے لیے کعبہ و عرفات میں دعا کر دینا یہی معاوضہ کافی ہے، یہ بے طمعی، اور ایسی متوکلانہ روش ایسے موقع پر جہاں ترغیبات موجود ہوں قائم رکھنا بجائے خود ایک مجاہدہ ہے۔

بلدہ طیبہ میں قیام کی جگہیں بہت سی ہیں، علاوہ کرایہ کے مکانات کے رباط بھوپال، رباط ٹونک، حیدر آباد کی متعدد رباطیں وغیرہ، اوپر گزر چکا ہے کہ اپنا قافلہ حیدر آباد کی ایک رباط میں آکر اترا، لیکن دوسرے تیسرے ہی روز قافلہ مختلف ٹکڑیوں میں تقسیم ہو گیا۔ مولانا مناظر صاحب، مولوی عبدالباری صاحب

وغیرہ بدستور رباط حسین بی میں مقیم رہے جو حرم سے دو فرلانگ کے فاصلہ پر ہے بعض دوسرے رفقاء بھی الگ الگ مکانات میں اُٹھ گئے، لیکن جو جماعت بھر میں سب سے زیادہ کم ہمت اور بہانہ باز تھا اسے مع خاص اس کے چھ آدمیوں کے قافلہ کے اللہ کے فضل وکرم نے حرم کے باب جبرئیل وباب النساء سے کل دس بیس گز کے فاصلہ پر مولانا سید احمد کے مدرستہ الیتامیٰ سے متصل مولانا ہی کے ذریعہ سے جگہ دلادی! وہ کمزوروں اور ناتوانوں کا رب، اپنے پست ہمت بندوں کی شاید یوں ہی دستگیری کرتا رہتا ہے۔ مولانا سید احمد فیض آبادی کے احسانات وعنایات کا بیان کن الفاظ میں ہو۔ محض انھیں کے لطف وتوجہ نے قیام کا مسئلہ یوں حل کر دیا، اور اس کا پورا موقع بہم پہونچا دیا، کہ جتنی دیر تک اور جتنی بار جی چاہے حرم میں حاضری ہوتی رہے اور پھر کھانے پینے اوڑھنے بچھانے، اور ہر قسم کے سامان آسائش کی جس اہتمام والتزام کے ساتھ، وہ ہر وقت خبر لیتے رہے اس کی تفصیل اگر تحریر میں لائی جائے تو یقیناً ایک گروہ اسے مبالغہ بیانی پر محمول کرے۔

حرم کے دروازے نماز عشاء کے کچھ دیر بعد بند ہو جاتے ہیں، اور شب میں کسی کو اندر رہنے کی اجازت نہیں الا یہ کہ خدام ومحافظین سے مخصوص اجازت قبل سے حاصل کر لی جائے[1]۔ کون ایسا بدنصیب ہے جسے اس کی تمنا نہ

[1] بعد کی اطلاع ہے کہ اب یہ اجازت بھی نہیں مل سکتی۔

ہوئی ہوگی؟ لیکن اس آرزو کے پورا ہونے کی آخر کیا صورت؟

حل ایں نکتہ ہم از روئے نگار آخر شد!

ایک بار پھر اپنے انھیں فیض آبادی بزرگ اور ان کے حقیقی بھائی مولانا حسین احمد صاحب کا نام لینا پڑتا ہے کہ ایک کے مکتوب نے اور دوسرے کی زبانی گفتگو نے اغوات حرم خصوصاً شیخ خلیل آغا کو (جو حدیث میں موجودہ شیخ الحدیث دیوبند کے شاگرد بھی ہیں) مہربان کر دیا، اور ایک شب کہ شب دوشنبہ تھی قیام کی اجازت اس نامہ سیاہ اور اس کے رفیقوں میں مولانا مناظر صاحب کو مل گئی چند اور اصحاب کو بھی جو سب کے سب ہندی ہی تھے، اسی شب اجازت ملی جن میں قابل ذکر میر نیرنگ صاحب (معتمد انجمن تبلیغ اسلام انبالہ) اور حیدر آباد دکن کے وکیل مولوی ابوالخیر خیر اللہ صاحب ہیں، یہ شب کس طرح گزری اور کس نے کیا کیا کیا؟ اس کی شرح اخبار اور کتاب کے صفحہ پر لانے کی نہیں، صرف لوح دل پر محفوظ رکھنے کی ہے، البتہ ایک بدنصیب ایسا تھا، جس نے اپنی ناقدری سے اس شب قدر کو بھی بالکل ضائع کر کے رکھا، وہ صحن میں جا کر سویا بھی اور جتنی دیر جاگا، اتنی دیر بھی اس کا وقت غفلت ہی کی نذر رہا وہ اپنی محرومیوں، اور کوتہ بینیوں کا گلہ کس سے اور کن لفظوں میں کرے! سکندر کو حضرت خضر جیسے رہبر کامل ملے اور چشمۂ حیوان تک رسائی ہوئی لیکن نتیجہ؟ یہ واقعہ دنیا کی تاریخ میں صرف ایک ہی بار ایک ہی شخص کو پیش نہیں آیا ہے۔ خدا معلوم کتنے سکندر ہیں جنھیں ہر جگہ ہر وقت یہی پیش آتی رہتی ہے ـــــ باقی اور بعض مہربانوں

نے اس شب میں جو کچھ کیا حکومت کے قانون اور شریعت کے قانون دونوں کو جس طرح توڑا، آستانۂ مبارک پر جس طرح سجدے کیے، اس کے آستانے پر سجدے کیے جس کی ساری زندگی کا منشا اسی انسان پرستی کو مٹانا تھا۔ ان کی بابت کیا کہا جائے اور بیسویں صدی عیسوی کا دوریا جو جی جو کچھ دکھا رہا ہے اس کا رونا کہاں تک رویا جائے۔

باب (۱۵)

انوارِ مدینہ

مسجدِ نبویؐ کی زیارت ہو چکی، آستانۂ نبوت پر سلام عرض کیا جا چکا، صدیقؓ اور فاروقؓ کے دربار میں حاضری کے آداب بجا لائے جا چکے، گھڑیاں اور گھنٹے گزر چکے، راتیں آئیں اور جا چکیں، دن طلوع ہوئے اور ختم ہو چکے لیکن ابھی وہاں حاضر ہونا باقی ہے جہاں آدھی رات کو، خواب اور آرام چھوڑ کر تشریف لے جانا، اور اپنے مولیٰ سے راز و نیاز میں مصروف ہو جانا۔ خود محبوب رب العالمین کو محبوب تھا، اس مقام کا نام کون مسلمان ہے جس کو معلوم نہیں؟ اس جگہ کی حاضری کو نسا دل ہے جس میں اس کا ارمان نہیں؟ بقیع الغرقد، یا عرف عام کے مطابق جنت البقیع وہ خاک پاک ہے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے چہیتے اور لاڈلے، اللہ کے برگزیدہ اور پیارے ایک دو نہیں، دس بیس نہیں خدا معلوم کتنے اور کس تعداد میں آرام فرما رہے ہیں! حرم نبوی سے کچھ زیادہ دور نہیں، مسجد نبوی سے مشرق کی جانب پیدل ٹہلتے ہوئے چلیے تو آٹھ دس منٹ میں بآسانی پہونچ جایئے گا۔ آبادی سے الگ ایک نہایت وسیع چار دیواری اور اس احاطہ کے اندر کیا بتایا جائے کہ کیسے کیسے گوہر نایاب زیر خاک آسودہ ہیں! ادھر دیکھیے تو جگر گوشۂ رسول (صلعم) صاحبزادہ ابراہیمؓ جو اگر زندہ رہتے تو نبی ہوتے اور نور نظر سیدنا حسنؓ، ادھر دیکھیے تو دونوں صاحبزادیاں حضرت رقیہؓ، حضرت ام کلثومؓ اور شہید کربلا کے لخت جگر سیدنا زین العابدینؓ ایک طرف امت کی شفیق مائیں، مائی عائشہؓ، اور مائی حفصہؓ، مائی زینبؓ، اور مائی ام سلمہؓ اور تقریباً ساری امہات مومنین اور دوسری طرف عم رسولؐ عباسؓ اور عمہ رسول صفیہؓ ایک گوشہ میں خلیفہ ثالث عثمان ذوالنورینؓ اور ایک ٹکڑے میں عبد الرحمٰن بن عوفؓ اور سعد بن ابی وقاصؓ اور اگر ایسی روایات بھی قبول کر لی جائیں جو اب تک محققین کے ہاں قبول نہیں کی گئی ہیں تو خاتون جنت فاطمہ زہرا اور امیر المومنین علی مرتضیٰ بھی ہیں۔

ایسے ایسے آفتاب اور ماہتاب، جہاں زیر خاک ہوں، اس زمین کی نورانیت پر اگر خود آسمان بھی رشک کرنے لگے تو کس کو حیرت ہو سکتی ہے اور یہ چند نام تو صرف نمونہ کے طور پر لے دیے گئے۔ کہ ان سے اس خطہ صالحین

کی عظمت، نورانیت کا کچھ اندازہ ہو سکے، ورنہ جہاں ایک نہیں، چند نہیں ہزاروں صحابی آرام فرما ہوں، جہاں بے گنتی شہدا و صدیقین مدفون ہوں اور جہاں زمانہ صحابہ و تابعین سے لے کر اس تیرہ سو برس کے اندر بے شمار اولیاء کاملین اور ابرار صالحین کی ایک پوری بستی کی بستی آباد ہو چکی ہو وہاں کے انوار و برکات کا احاطہ کرنا کس کے بس کی بات ہے! آج ان میں کوئی ایک ہستی بھی علیحدہ مدفون ہوتی، تو اس کا مزار مرجع خلائق بن جاتا۔ اور اس کے آستانہ پر ایک پورا میلہ لگا رہتا۔ لیکن یہاں روضۂ رسول کا جوار ہے، بجلی کے قمقمے بڑے روشن سہی، ستاروں کی روشنی شب تار کی تاریکیوں کو کافور کر دینے والی سہی، اور خوش جمال ماہتاب ان سب سے روشن تر سہی لیکن جب آفتاب عالمتاب طلوع ہوتا ہے تو اس کے پہلو میں کون ایسا ہے جس کی روشنی ماند نہیں پڑ جاتی! آستانۂ رسول (صلعم) سے فرصت کس کو، اور فرصت ہو بھی تو دل کس کا، کہ بقیع تک جائے خواہ اس کا فاصلہ چند قدم ہی سہی! اسی حیص بیص میں دن گزرتے گئے اور ٹلتے گئے، لیکن بالآخر ایک روز صبح سویرے بعد نماز فجر کہ وہ وقت بقیع میں بالکل ہجوم کا نہیں ہوتا حاضری کا ارادہ کر لیا اور داغستانی صاحب کی رہبری میں چل کھڑا ہوا۔

بقیع کو جا کر دیکھا، اچھی طرح دیکھا، کاش نہ دیکھا ہوتا، کاش وہاں جانے

کی نوبت نہ آئی ہوتی! کاش وہاں کی حاضری جہاں چند روز تک ملتوی ہوتی رہی تھی ہمیشہ ٹلتی ہی رہتی! شاعر کا مصرعہ۔

ہمہ شوق آمدہ بودم ہمہ حرماں رفتم!

پڑھا بارہا تھا، معنی کا تحقق آج جا کر ہوا! شریعت کے قانون میں شاندار مقبروں اور اونچے اونچے قبوں کی یقیناً گنجائش نہیں، قبروں کے پختہ کرنے تک سے نہی آئی ہے (گو وہ نہی، نہی تنزیہی سمجھی جائے)۔ لیکن کیا قبور مسلمین کی توہین، چہ جائیکہ قبور صالحین وصدیقین کی اہانت کا حکم بھی کہیں وارد ہوا ہے؟ حکم نہ سہی، کسی امام فقہ نے اس کی اجازت بھی دی ہے؟ نجدیوں نے قبے گرا دیے درست، قبریں بھی تمام تر کچی بنا دی گئی ہوتیں تو حکومت کا ہاتھ پکڑنے والا کوئی نہ تھا۔ لیکن یہ کیا قیامت ہے کہ مقبرۂ صالحین کو گرے ہوئے مکانات کا ملبہ بنا دیا جائے، بلکہ (مسلمانوں کے کان اس سے بھی زیادہ صاف صاف سننے کے لیے تیار ہیں؟) اس کی ہیئت اس درجہ مسخ کر دی جائے کہ دیکھنے والوں کو پاکوں کے پاک مدفن پر، نعوذ باللہ ایک طرح کے مزبلہ یا گھورے کا دھوکہ ہونے لگے! اینٹ کے ٹکڑے، ٹاٹ کے سڑے گلے ٹکڑے، بالوں کے گچھے اور اسی قسم کی دوسری چیزیں جو عموماً گھورے پر پھینک دی جاتی ہیں۔ ان پاک جسموں کی پاک تربتوں پر کثرت کے ساتھ پڑی ہوئی اپنی انھیں آنکھوں سے دیکھنی پڑیں! بقیع کے مقابر ایک احاطے کے اندر ہیں، احاطہ کا ایک پھاٹک ہے، پھاٹک پر سرکاری

پہرہ رہتا ہے۔ ان پہرہ داروں کا کام یہ ہے کہ زائروں کو ہر بدعت سے روکیں۔ لیکن "بدعت" کی نجدی تعریف میں قبور صالحین کی توہین اور ان پر گندگی کا ڈالنا یقیناً داخل نہیں! گویا قبور صالحین کو اتنی گندی اور غلیظ حالت میں رکھنا (نعوذ باللہ) سنت و آثار سلف کے مطابق ہے!

امت اسلامیہ کی شوربختیوں کی کوئی انتہا ہے؟ ایک طرف اگر محبت کا نام کہیں سے کان میں پڑ گیا ہے تو بس "مزارات" پر راگ ہے، ناچ ہے نشہ بازیاں ہیں، بدکاریاں ہیں، طواف ہے سجدہ ہے، چادر ہے، گاگر ہے۔ دوسری طرف اگر "اصلاح" اور "بدعت شکنی" کی بولی زبان نے سیکھ لی ہے تو یہ بے ادبیاں ہیں، بے احترامیاں ہیں، اہانتیں ہیں، زندوں کی دلآزاریاں ہیں، اور مردوں کی ذلیتیں اور خواریاں ہیں! ضد اور نفسانیت کا دور دورہ ہے، فریقانہ جنبہ داریوں کی گرم بازاری ہے، کون کسے روک سکتا ہے ہر زبان آزاد، ہر قلم بے باک، ہر ہاتھ گستاخ!

جو گنہ کیجیے ثواب ہے آج

اس سطور کے پڑھنے والوں میں بہت سے ایسے ہیں جو دلسوزی و نیک نیتی کے ساتھ نجدی حکومت کے ہمدرد و ہوا خواہ ہیں، اور ان میں سے ان سطور کے لکھنے والے کے مکرم و مخدوم بھی ہیں۔ ازراہ کرم وہ عالم الغیب والشہادہ کو گواہ کر کے خود اپنے قلب سے استفتا کریں کہ آج اگر امام احمد بن حنبل

زندہ ہوتے اور امام احمد نہ سہی حافظ ابن قیم یا ان کے استاد شیخ ابن تیمیہ بھی ہوتے تو وہ بقیع کی اِس گندی حالت کو گوارا فرما سکتے تھے۔ جو چودھویں صدی کے نجدی "حنابلہ" نے اس کی بنا رکھی ہے؟ یہ تو ایسی شے ہے کہ بالفرض فقہ حنبلی نے اسے جائز رکھا ہوتا، تو بھی نجدی حکومت کو جمہور مسلمین کے مذاق کی رعایت لازمی تھی، چہ جائیکہ جب فقہ حنبلی میں سرے سے اس کی بابت کوئی حکم ہی موجود نہ ہو۔ امصالح امت کی اہمیت اسی سے واضح ہے کہ خود صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کا لحاظ رکھا اور حطیم کو خانہ کعبہ میں شامل کرنے سے اسی بنا پر اعراض فرمایا کہ اس سے امت میں ایک تفریق اور فتنہ پیدا ہونے کا احتمال تھا، پھر کسی غیر نبی کا جزئیات میں اس قدر غلو و تشدد اپنے اندر کیوں کر کوئی پہلو جواز کا رکھ سکتا ہے!

سعودی حکومت کے روشن اور یقیناً بہت سے روشن پہلوؤں سے انکار نہیں لیکن نہ ہو کہ کسی اہل دل کی زبان پر آیۂ کریمہ اِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا کا مضمون آجائے اس کی ساری خوبیاں ایک طرف، اور جنت البقیع کی یہ ناقابل برداشت حالت تنہا دوسری طرف۔ کم سے کم، عام مسلمان تو اس مشاہدہ کے بعد اپنے دماغوں میں سعودی حکومت کی کوئی خوشگوار یاد لے کر نہیں واپس ہو سکتے۔ اور حکومت کی فہرست جرائم کا یہ آخری عنوان ہرگز نہیں، خود مسجد نبوی کے ساتھ جس بے التفاتی و سرد مہری کا مستقل برتاؤ قائم ہے، اسے بھی کوئی

کیسے بھلا سکتا ہے؟ مسجد میں قالین بچھے ہوئے ضرور دیکھے گئے، لیکن اول تو یہ سننے میں آیا، کہ یہ قالین ہمیشہ نہیں بچھے رہتے بلکہ صرف موسم زیارت بھر کے لیے بچھوا دیے گئے ہیں۔ باقی سال کے بیشتر حصہ میں محض چٹائی بچھی رہتی ہے! اور پھر جو قالین بچھے ہوئے دیکھے گئے وہ اتنے بوسیدہ اور ایسے ادنیٰ درجہ کے تھے کہ مسجد نبویؐ تو الگ رہی، اگر دہلی کی جامع مسجد میں بچھا دیے جائیں تو بجائے زیب زینت کے، بدنمائی اور بدزیبی کا سامان بن جائیں! یہ صحیح ہے کہ سعودی حکومت ترکوں کی سی دولت نہیں رکھتی، لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ سعودی حکومت اتنی مفلس و نادار بھی نہیں کہ مسجد نبویؐ کے لیے ایسے قالین بھی بہم نہ پہونچا سکے جن کا انتظام بھوپال، ٹونک، بھاول پور، اور رامپور کی مسلمان ریاستیں بدقت نہیں، بلا دقت، کر سکتی ہیں! اور تنہا فرش ہی پر موقوف نہیں، روشنی کا انتظام بھی ایسا ہی ناقص و ابتر ہے، بجلی کا انجن خاص مسجد نبوی کے لیے موجود ہے لیکن خدا معلوم انجن کا قصور ہے یا انجن چلانے والوں کا کہ روشنی اول تو ہے بہت ناکافی یعنی جس وقت سارے قمقمے روشن ہوتے ہیں اس وقت بھی دھندلی سی رہتی ہے، دوسرے بجلی کی رو بار بار "فیل" ہوتی رہتی ہے۔ بارہا ایسا اتفاق ہوا کہ تہجد کی اذان ہو گئی، دروازوں پر نمازیوں کا ہجوم ہے لیکن پھاٹک اس لیے نہیں کھلتے کہ اندر اندھیرا گھپ پڑا ہوا ہے، اور روشنی کی رو کسی طرح آ نہیں چکتی! بجلی کی روشنی اور ایسا اندھیر!

فرش اور روشنی کی بدانتظامی سے کہیں زیادہ تکلیف دہ وضو خانوں

کی بدانتظامی ہے، جس قسم کے وضو خانے اور حوض ہندوستان کی بڑی بڑی مسجدوں میں عموماً ہوتے ہیں اس طرح کی کوئی چیز مسجد نبوی میں سرے سے موجود ہی نہیں البتہ مختلف دروازوں کے باہر پانی کے نل کی چند ٹوٹیاں لگادی گئی ہیں، یہ گنتی کی چند ٹوٹیاں اول تو کسی بڑے مجمع کے لیے کسی طرح کافی نہیں ہوسکتی، پھر اکثر تجربہ یہ ہوا ہے کہ جن حوضوں میں یہ ٹوٹیاں لگی ہوئی ہیں نماز کے وقت سرے سے وہ حوض ہی خشک ہیں اور اگر ٹوٹیوں سے پانی آتا ہوا دیکھا بھی گیا تو خدا جانے ٹوٹیوں میں کیا نقص ہے کہ پانی نکلتا بہت قلیل مقدار میں ہے اور بہت باریک دھار سے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ جتنے وقت میں تین آدمی وضو کر سکتے ہیں، اتنی دیر ایک آدمی کو لگ جاتی ہے اور ہجوم کی کش مکش میں پورا، ادھورا الٹا سیدھا جس طرح بھی وضو کرنے کو مل جاتا ہے وہ بیچارہ اسی کو غنیمت سمجھتا ہے، وضو خانوں کی طرح طہارت خانوں کے بھی کافی انتظام کی شدید ضرورت ہے، یہ سارے انتظامات ایسے ہیں جو تھوڑی ہی سی توجہ سے بغیر کسی غیر معمولی بار مصارف کے انجام پاسکتے ہیں، کاش! سعودی حکومت کو اس کی توفیق ہوتی، کہ اختلافی ونزاعی جزئیات امور کو چھوڑ کر اپنی توجہ و التفات کا مرکز انھیں معاملات کو بناتی جن کا تعلق بلا نزاع و اختلاف، زائروں اور نمازیوں کے ہر فرقے اور ہر طبقے سے ہے[1]۔

---

[1] اس سے ملتی ہوئی گو اسی سے کہیں زیادہ تکلیف دہ ذہنیت کے تجربہ آج (۱۹۶۰ء) میں

اپنے ملک کے فرقہ شیعہ کی حالت دیکھ کر خیال یہ ہوتا تھا کہ حج و زیارت کے لیے شیعہ تو جاتے نہ ہوں گے لیکن تجربہ سے معلوم ہوا کہ یہ خیال غلط تھا ہندستان کے شیعہ تو بیشک برائے نام ہی تھے لیکن عراق و خراسان کے شیعہ ہزاروں کی تعداد میں آئے ہوئے تھے، شیعوں کے مزوّر علیحدہ ہیں، انھیں آداب زیارت وہی تلقین کرتے رہتے ہیں "روضہ جنت" کے اندر شیعوں کو بکثرت نماز پڑھتے دیکھا گیا، فرداً فرداً بھی اور اپنی جماعتیں بنا بنا کر بھی، اہل سنت کے پنجوقتہ جماعت کے وقت یہ لوگ الگ الگ ہٹ جاتے تھے یا اکثر باہر چلے جاتے تھے، بعض فراخدل شیعہ ایسے بھی دیکھنے میں آئے جو ستون عائشہؓ صدیقہ کے پاس کھڑے ہو کر دیر تک نمازیں پڑھتے رہے، اور اپنے شیعی دوست چودھری محمد علی ردولوی کا یہ فقرہ مجھے کسی طرح نہیں بھولتا، جو اس موقعہ پر انھوں نے فرمایا تھا کہ "بیوی عائشہ جیسی بھی ہوں بہرحال ہمارے رسول کی محبوب تھیں،" لیکن یہ حال سب کا نہ تھا، بیشتر تو یہ ہوتا رہتا کہ یہ لوگ نہایت

ہندوستان میں ہو رہے ہیں کہ جہاں طبقہ اکثریت کی بالعموم توجہ نہ اسطرف ہے کہ غلہ کی ہوشربا گرانی کو مٹایا جائے، نہ اس طرف کہ کپڑے کی کمیابی کی مصیبت کو دور کیا جائے، نہ اس پر کہ ریل کے کرایہ یا ڈاک کے محصول کو کم کیا جائے نہ فلاح عام کی کسی اور شق اور مد پر بلکہ سارا زور اسی پر صرف ہو رہا ہے کہ اردو زبان مٹا دی جائے، ہر شہر، دریا اور پہاڑ کا نام ہندی کر دیا جائے۔ وغیرہا

کثیف جسم ولباس کے ساتھ کئی کئی غول آتے اور جالیوں کو یا منبر رسول کو بوسہ دینے کی کوشش کرتے، سعودی سپاہیوں کی نظر پڑجاتی اور وہ انھیں ڈھکیلتے اور کبھی کبھی مارتے بھی، یہ لوگ بھاگتے اور سپاہی انھیں پکڑنے دوڑتے یہ ماجرا عموماً خراسانی شیعوں کے ساتھ پیش آتا رہتا تھا، عراق کے شیعہ اپنے خراسانی بھائیوں سے جسم ولباس میں ہر طرح بہتر ہوتے تھے یہ لوگ مقابلہ پر آمادہ ہو جاتے تھے، اور سپاہیوں سے کلہ بکلہ لڑتے، غرض دونوں صورتوں میں وہ مقدس جگہ جو صرف نماز، عبادت، تضرع والحاح کے لیے تھی، اور جس کا ادب واحترام فرشتے تک کرتے ہیں، خود امت محمدیہ کے نادانوں کے ہاتھوں بے ادبیوں اور بدتمیزیوں کی تماشہ گاہ بن جاتی، ایسا ہی ہنگامہ مصری عورتوں کی زیارت کے وقت برپا رہتا۔ ماشاء اللہ بڑی قدآور تنومند، چہرے کھلے ہوئے، لیکن اور ہر طرح پر مستور سر سے پیر تک سیاہ لباس میں ملبوس غول باندھ کر آتی ہیں اور آتے ہی جالیوں سے چمٹ کر بوسہ دینا چاہتی ہیں سعودی سپاہی عموماً جبشہ کے لاغر و نحیف، بڑھ کر انھیں روکنا اور دھکے دینا چاہتے ہیں، لیکن خود ہی شکست کھاتے ہیں اور اس ہاتھا پائی آپادھاپی میں جو بدتمیزیاں، نادانستہ سہی عین مواجہ مبارک میں سرزد ہوتی رہتی ہیں خدا کرے آئندہ کبھی واقع نہ ہوں اور ان کے ذکر کرنے کی ضرورت کسی کسی کو پیش نہ آئے۔

بوہروں کے مختلف فرقوں، داؤدیوں، اور سلیمانیوں کو اور دوسرے اسلامی فرقوں کو اپنے اپنے طریقوں پر نمازیں پڑھتے اور زیارت کرتے دیکھا۔ رحمتِ عالم کا دربار، سب کی عقیدتوں کا مرکز ہے۔ اختلافات جتنے ہیں باہر ہیں، اندر نہیں، راہ میں ہیں، منزلِ مقصود میں نہیں، امام ابو حنیفہ ہوں یا امام شافعی، حضرت جیلانی ہوں یا خواجہ اجمیری سب آستانِ رسالتؐ تک پہونچانے کے واسطے اور ذرائع ہیں، حرم کے اندر داخل ہوکر درِ رسول پر پہونچ کر نہ کوئی حنفی ہے نہ شافعی، نہ مالکی ہے نہ حنبلی، نہ اشعری ہے نہ ماتریدی، نہ قادری ہے نہ چشتی، نہ صابری ہے نہ مجددی، نہ مقلد ہے نہ غیر مقلد سب کے سب صرف محمدی ہیں، رسول کی حیات میں صحابہ کا کیا مذہب تھا؟ کیا وہ بجز محمدی ہونے کے کچھ اور تھے؟ حضور کے مواجہ میں اپنے آپ کو کسی اور کی جانب منسوب کرنا کتنی بڑی گستاخی اور نادانی تھی! پھر آج جب آپ کی خوش نصیبی آپ کو درِ رسول تک لے آئی ہے اور آپ کو یقین ہے کہ آپ کا رسول زندۂ جاوید ہے[1] تو یہ کتنی بڑی گستاخی اور کیسی کھلی ہوئی نادانی ہوگی کہ آپ نبی کے ہوتے ہوئے کسی غیر نبی کے ساتھ اپنا رشتہ جوڑے رہیں اور اس رشتہ پر فخر و ناز کرتے رہیں! رات کی تاریکیوں میں بے شبہ ہر روشنی ایک نعمت ہے لیکن جب آپ

---

[1] زندہ، اسی مفہوم میں جس میں ہر صدیق اور ہر شہید زندہ رہتا ہے، ورنہ جسد ظاہری کے لحاظ سے تو اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّ اِنَّھُمْ مَیِّتُوْنَ (الزمر) کی نصِ قرآنی ہی موجود ہے۔

آفتاب کے سامنے ہیں تو اتنی دیر کے لئے تو اپنی قندیلوں اور اپنی مشعلوں کو گل ہی کر دیجئے اور ہو سکے تو آج نئے سرے سے مسلمان ہو جیے، اپنے اسلام کی تجدید کیجیے، اللہ اور رسول کے سامنے اپنے عہد پیمان کو استوار کیجیے اور اس کے ہاتھ پر بیعت کیجئے جس کا ہاتھ قادر مطلق کا ہاتھ اور جس کی بیعت خالق کائنات کی بیعت ہے۔ اِنّ الذین یبایعونک انما یبایعون اللّٰہ ید اللّٰہ فوق ایدیھم مبارک ہیں وہ جنھیں اس عہد کی توفیق نصیب ہو مبارک تر ہیں وہ جنھیں اس عہد پر ثابت قدمی نصیب ہو!

باب (۱۶)

آثار مدینہ

مدینہ وحوالی مدینہ میں مقامات زیارت کی کیا کمی، ذرہ ذرہ مقدس اور چپہ چپہ زیارت گاہ، مزوروں کے ہاتھ میں اپنے آپ کو دیدیجیے، تو خدا معلوم کتنے مقامات کی زیارت کرادیں گے، مقبرے، مسجدیں، پہاڑیاں کنویں، ولادت گاہیں اور کتنے ہی اور مقدس آثار ومشاہد! زیادہ مشہور زیارت گاہوں کے نام یہ ہیں، مسجد قبا، مسجد ذو القبلتین، جبل احد، بیر اریس بیر رومہ، مقتل شہدائے احد۔ ان میں سے کوئی مقام بہت زیادہ فاصلہ پر

نہیں عموماً دو دو چار چار میل کے اندر ہیں، اگر پیدل چلنے کی عادت و ہمت ہو اور وقت کافی ہو تو پا پیادہ ہی زیارت ہو سکتی ہے، ورنہ یہاں کی سواریاں جو اعرابی کہلاتی ہیں چند روپے کے کرایہ پر آمد و رفت کے لیے طے ہو سکتی ہیں دوستوں اور رفیقوں نے اکثر مقامات پر حاضری دی، اور خصوصاً مولانا مناظر احسن صاحب تو ہمہ تن ذوق و شوق بنے ہوئے ہر جگہ۔

تمتع ز ہر گوشۂ یافتم!

پر عمل کرتے رہے اور ہر بابرکت زمین سے مشرف ہوتے رہے، لیکن قافلہ میں ایک کاہل و بے ہمت ایسا بھی تھا جو باوجود خاصے طویل قیام کے کہیں نہیں نکلا، اور اس کا نفس ہمیشہ یہ تاویل کرتا رہا، کہ آستان پاک مسجد نبوی سے کہیں ہٹنا آفتاب کو چھوڑ کر قندیلوں اور مشعلوں کی روشنی تلاش کرنا ہے۔ البتہ ایک مسجد قبا اس سے مستثنیٰ تھی، اس کی زیارت کی فضیلت کسی ظن و قیاس سے نہیں، نص سے ثابت ہے اور حدیث میں وارد ہو چکا ہے کہ مسجد قبا میں نماز پڑھنے کا اجر عمرہ کے اجر کے مساوی ہے۔ مَنْ تطهر فی بیته ثم اتی مسجد القباء فصلی فیه صلوٰة کان له کاجر العمرة۔

اسلام میں جو مسجد سب سے پہلے تعمیر ہوئی، وہ یہی مسجد قبا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے جب مدینہ کو ہجرت فرمائی ہے تو اول اول قیام اسی مقام قبا میں فرمایا تھا، اور یہیں اس مسجد کی تعمیر شروع فرما دی، اللہ اللہ! بڑے بڑے صدیقین اور ایک سے ایک بڑھ کر اولیائے امت یعنی حضرات

صحابہ کرام جس مسجد کے مزدور اور معمار ہوں اور جس کی تعمیر میں خود رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک شامل ہو اس کی نورانیت اور اس کے تقدس کا کوئی اندازہ ہو سکتا ہے! بہت سے مفسرین اس جانب گئے ہیں کہ آیہ کریمہ لَمَسۡجِدٌ اُسِّسَ بُنۡیَانُہٗ عَلَی مَنۡ تَقۡوٰی اَوَّلِ یَوۡمٍ اَحَقُّ اَنۡ تَقُوۡمَ فِیۡہِ۔ میں جس کی مدح آئی ہے وہ یہی مسجد ہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ عادت مبارک یہ تھی کہ ہر شنبہ کو اس مسجد میں تشریف لے جاتے تھے۔ ایک سنیچر کی صبح کو مولانا مناظر احسن صاحب کی رہنمائی میں اپنے چھوٹے سے قافلہ کو ہمراہ لے کر اس مسجد میں حاضری کے لیے روانگی ہوئی۔ شہر مدینہ سے کچھ ایسا زائد فاصلہ نہیں مسجد نبویؐ سے تخمیناً ڈھائی میل ہوگی۔ عورتیں ہمراہ تھیں، ایک اعرابی کرایہ پر کر لی تھی، کرایہ یوں بھی بہت ارزاں رہتا ہے۔ لیکن حج و زیارت کے موسم میں قدرۃً بڑھ جاتا ہے۔ آمد و رفت کے لیے غالباً آٹھ روپیے طے ہوئے شہر سے باہر نکلے تو دیہات کا سماں نظر آیا، کھجور کے درخت اور باغ ہر طرف لگے ہوئے۔ اکثر نہایت سرسبز و شاداب، عرب کی خشکی پر ہندوستان کی شادابی کا دھوکہ ہوتا تھا۔ راستے بھر چھوٹے لڑکوں اور لڑکیوں کی ٹولیاں نعت و سلام کے اشعار پڑھتی ہوئی اور گاتی ہوئی کثرت سے ملتی رہیں، صبح کا سہانا وقت ہر طرف سناٹا، معصوموں کی زبان کا پیارا لب و لہجہ، ہر قلب

متاثر اور ہر روح کو وجد، تھوڑی دیر میں یہ سفر ختم ہوگیا۔ مسجد قبا خاصی بلندی پر واقع ہے۔ اچھی خاصی وسیع عمارت، سفید رنگ، پرانی وضع کی بنی ہوئی، ہر قسم کی تصنع و آرائش سے خالی۔ سادگی کی موثر تصویر، یہاں نہ کسی ہجوم کا کھٹکا، نہ کسی چپقلش کا اندیشہ۔ پورے سکون و اطمینان، یکسوئی و فراغ خاطر کے ساتھ، جہاں جتنی دیر تک چاہیے نمازیں پڑھیے، سجدے کیجیے عبادت کرتے رہیے۔ صحن میں ایک مسقف چبوترہ اور اس پر عربی میں یہ عبارت کندہ کہ یہ وہ جگہ ہے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی بیٹھی تھی۔ ذرہ ذرہ آنکھوں سے لگانے کے قابل!

یہ وہ جگہ ہے جہاں اللہ کے سب سے زیادہ تعریف کرنے والے اور سب سے زیادہ تعریف کیے گئے بندہ کو اس وقت پناہ ملی تھی جب اس کے وطن والے اس کے خون کے پیاسے ہو چکے تھے، غَنِیٌّ عَنِ الْعَالَمِیْن کی شان بے نیازی کا کوئی ٹھکانہ ہے! پناہ اسے ڈھونڈنی پڑی تھی، جو خود اس واسطے بنایا گیا تھا کہ سارا عالم اس کی پناہ میں آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے آئینے میں امت کی ساری تاریخ کا عکس دکھادیا گیا، جس رسول (صلعم) پر ایک روز مکہ کی زمین تنگ کردی گئی تھی آج اس کی امت پر عرصۂ عالم تنگ ہے۔ رسول (صلعم) کی جان کے دشمن ایک ابوجہل اور ایک ابولہب تھے۔ رسول کی عزت کے، رسول (صلعم) کے

پیام کے۔ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دین کے دشمن، آج خدا معلوم کتنے ابوجہل اور کتنے ابولہب پیدا ہو گئے ہیں۔ ان مکی دشمنانِ حق کا خاتمہ ہلاکت و بربادی پر ہوا تھا۔ کیا یہ بیسویں صدی عیسوی کے "روشن خیال" اور "وطن پرست" ابوجہل و ابولہب ہمیشہ مہلت ہی پاتے رہیں گے؟ مکہ کے مہاجر کو اپنے رب کا نام پکارنے توحید کا کلمہ بلند کرنے کو قبا کا ایک ٹھکانا مل گیا تھا۔ کیا اس محبوب کی امت کی قسمت میں کوئی قبا نہیں۔ اور کیا اسے خدانخواستہ ہمیشہ بھٹکتے ہی رہنے دیا جائے گا!

مسجد نبوی میں ایک روز حاضر تھا عصر کی جماعت کے بعد سلام پھیرا تو ایک صاحب نے ایک دستی خط لا کر دیا، حیرت ہوئی کہ یہاں خط بھیجنے والا کون، لفافہ کھول کر پڑھا تو امیر مدینہ کا کرم نامہ تھا "مدیر جریدۂ سچ" کے نام کہ جلالۃ الملک سلطان عبدالعزیز ابن سعود، ریاض سے مکہ جاتے ہوئے مدینہ سے گزریں گے، ان کے ورود مدینہ کے دن سہ پہر کو امیر مدینہ کی طرف سے ان کی دعوت ہو گی، اس میں شریک ہو۔ مزید حیرت ہوئی کہ مدیر سچ نے تو یہاں اپنے تئیں مخفی و گمنام رکھنے کا پورا اہتمام کر لیا تھا اس کے وجود کی خبر سرکاری حلقوں کو کیوں کر ہو گئی، بہت کھوج لگایا کچھ پتہ نہ چلا اب سوال یہ پیدا ہوا کہ آیا اس دعوت نامہ کو قبول بھی کیا جائے؟ جس نے آغاز سفر حج سے اخبارات کا پڑھنا تک ترک کر دیا ہو اس کے لیے ایسے

سرکاری مجمع اور شاہی دعوت میں شرکت آسان نہ تھی۔ بڑی اندرونی کشمکش رہی، حیص بیص اور ایک بزرگ دوست کے مشورے کے بعد بالآخر طے پایا کہ جب تحریک خود اسی طرف سے ہوئی ہے تو چلنا چاہیے اور سلطان سے مل کر، مسجد نبوی اور بقیع وغیرہ سے متعلق جو زیادتیاں، بدانتظامیاں اور بدتمیزیاں مشاہدہ میں آ چکی ہیں، سب ان کے گوش گزار کر دینا چاہیے۔ یہ سوچ کر تمام اصلاح طلب پہلوؤں کی ایک مفصل یادداشت قلمبند کر لی اور مولانا مناظر صاحب سے اس کا عربی ترجمہ کرا لیا کہ ملاقات کے وقت ایک مختصر تمہیدی گفتگو کے بعد اسے سلطان کی خدمت میں پیش کر دیا جائے گا۔ سلطان کی آمد ایک مدت تک برابر ملتوی ہوتی رہی۔ آخر کار ایک صبح کو ان کا ورود ہوا، اور اسی روز بعد عصر وہ دعوت ہوئی۔ دعوت کا مقام وہ تھا جہاں حجاز ریلوے اسٹیشن بنا ہوا ہے۔ اتفاق سے فوراً بعد عصر بارش شروع ہو گئی، کچھ دیر یوں ہوئی، اور پھر جب بارش کے ہلکے ہوتے ہی مولانا مناظر صاحب کو بطور ترجمان اپنے ہمراہ لے کر روانہ ہوا ہوں تو مقام دعوت کا فاصلہ اندازہ سے زائد نکلا، غرض جب پہونچے ہیں تو وقت سے کچھ دیر ہو چکی تھی، اسٹیشن کی عمارت جھنڈیوں وغیرہ سے خاصی آراستہ تھی، صحن میں فوج پولیس، چوکی پہرہ کا ہر طرف انتظام بدوی سادگی کے دیکھنے کی حسرت ہی رہ گئی۔ آرائشیں اس درجہ کی تھیں، جیسے ہندوستان میں اوسط درجہ کے والیان ریاست کے دربار کے موقع پر ہوتی ہیں، دعوت اندر بڑے ہال میں ہو رہی

تھی، اور دروازوں پر بجائے اس کے کہ میزبان یا ان کے نائب مہمانوں کے استقبال کے لیے کھڑے ہوتے، بندوق اور سنگین لیے پہرہ دار نے کہ نہ ہم اس کی زبان سمجھ سکتے تھے، اور نہ وہ ہماری، جانے سے روک دیا۔ عربی اخلاق اور میزبانی کا یہ تجربہ شاید نجدی دور سے پیشتر کسی کو نہ ہوا ہو! — مجبوراً برآمدہ میں کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ کچھ دیر بعد سلطان مع اپنے رفقاء کے کھانے سے فارغ ہو کر برآمدے میں آئے اور ایک آراستہ صوفہ پر جلوس فرمایا، سلطان کے لباس و وضع میں واقعتہً کوئی امتیازی شے نہ تھی، ان کی اس ذاتی سادگی کی داد جس قدر بھی دی جائے درست ہے۔ ان کے اسٹاف کے لوگ ان سے کہیں زیادہ زرق برق لباس میں تھے، اور اگر کوئی بتانے والا نہ ہوتا تو محض وضع ولباس سے سلطان کو پہچاننا ممکن نہ تھا، کاش جس طرح سلطان کا لباس اور ظاہر سادہ ہے۔ ایسی سادگی حق تعالیٰ انھیں زندگی اور اخلاق کے ہر شعبہ میں نصیب کر دے، آمین۔ بہر حال جب سلطان صوفہ پر آکر بیٹھ لیے تو لوگ ان کے سامنے پیش ہونے لگے۔ ہم لوگوں نے اس وقت پھر اپنے میزبان امیر مدینہ کو تلاش کرنا شروع کیا کہ جنھوں نے خط بھیج کر مدعو کیا تھا وہ دعوت کے بعد ہی سہی، کم از کم مل تو لیں۔ تلاش ناکام رہی انتظار کے بعد مجبوراً ہم دونوں پردیسی خود ہی بغیر کسی تعارف کرانے والے کے ہمت کر کے سلطان کے صوفہ کی طرف بڑھے اور قریب پہونچ کر السّلام علیکم کہا سلطان نے وعلیکم السّلام کہا اور کھڑے ہو کر مصافحہ فرمایا۔ ہم لوگوں نے اپنا تعارف

دیا اپنی تعریف) خود کرنا چاہا، لیکن ابھی زبان سے صرف دو لفظ "نحن ہندیون" نکلنے پائے تھے کہ شاہی چوبدار نے ہاتھ پکڑ کر ہم لوگوں کو فوراً کھینچ لیا اور کہا کہ یہ گفتگو کا محل نہیں۔ ہم لوگوں نے ہرچند سمجھانا چاہا کہ ہماری حاضری کا مقصد ہی ضروری گفتگو کرنا تھا۔ لیکن بھلا وہ چوبدار صاحب ہمارے سمجھائے کیا سمجھ سکتے تھے۔ اتنے میں دوسرے لوگ سلطان کے سامنے پیش ہوتے لگے، اور ہمیں ایک بار پھر جبراً صبراً اختیار کرنا پڑا اتنے میں سلطان کا موٹر آ لگا اور وہ سوار ہو گئے۔ آخری بار امیر مدینہ کی تلاش پھر شروع کی۔ اور ابکی وہ مل گئے ہم نے ان کے سامنے ساری سرگزشت سنائی، بغیر کسی اظہار تاسف و معذرت کے فرمایا کہ آج تو موقع نہیں رہا۔ اور کل سلطان چلے جائیں گے، البتہ کل صبح اگر آجاؤ تو ملاقات کرا دوں گا۔

مشیت الہٰی میں جو کچھ ہوتا ہے وہی ہو کر رہتا ہے، طبیعت کچھ خراب پہلے سے تھی، سلطانی دعوت گاہ سے واپسی پر طبیعت زیادہ بگڑ گئی، اور شب میں اچھا خاصا تیز بخار ہو آیا۔ ضعف اس درجہ ہو گیا کہ سلطان کے ہاں جانے کا کیا ذکر کوٹھے سے اترنے اور عشا و فجر کی نماز جماعت کے لیے مسجد نبویؐ تک حاضر ہونے کی سکت باقی نہ رہی۔ مجبوراً صبح کو ایک مختصر خط مولانا مناظر احسن سے عربی میں لکھوا کر سلطان کی خدمت میں بھیج دیا، جو صاحب لے کر گئے تھے ان کا بیان ہے کہ سلطان نے پڑھ کر اپنے ایک سکرٹری کو

دے دیا اور فرمایا "اسے رکھ لو، مکہ میں حج کے زمانہ میں یاد دلانا اس وقت ان صاحب سے ملاقات کروں گا۔ اور اسی واقعہ پر سلطان وگدا کی ناتمام ملاقات تمام ہوگئی۔ یادداشت جو ان کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے لکھی گئی تھی اس کا لکھنے والا محض سچ کا مدیر ہی نہ تھا بلکہ ہند کی مرکزی خلافت کمیٹی کا بھی ایک خادم تھا اور یہ دونوں حیثیتیں اس میں واضح کردی گئی تھیں لب ولہجہ میں آداب شاہی کا پورا لحاظ کر لیا گیا تھا۔ اور اس کا شائبہ بھی نہ آنے پایا تھا کہ سلطان کی کسی قسم کی اہانت ہو، ادب کے ساتھ اصلاح طلب امور کی فہرست نمبروار درج تھی اور آخر میں پورے زور کے ساتھ یہ گزارش کی گئی تھی مسجد نبویؐ، مقصورہ شریفہ، جنت البقیع وغیرہ پر سارے اسلامی فرقوں کے یکساں حقوق ہیں، اس لیے یہاں کے آداب زیارت وانتظامات میں بڑی فراخدلی سے کام لینا چاہیے اور تا بہ امکان ہر فرقہ کے، یہاں تک کہ گمراہ وباطل اسلامی فرقوں کے معتقدات ومزعومات کی رعایت تاوقتیکہ وہ صحیح اصول اسلامی سے معارض نہ ہوں، رکھنی چاہیے اور دولت حجاز کے محکمۂ مذہبی کی خدمت میں یہ مشورہ پیش کیا گیا تھا کہ دوسرے اسلامی ملکوں کے متدین ومصلحت فہم علما سے برابر مشورہ جاری رکھنا چاہیے، ہندوستان کے گروہ اعظم اہلسنت میں خدا کے فضل سے متعدد بزرگ ایسے موجود ہیں جو دولت حجازیہ سعودیہ کی مشکلات میں اضافہ کیے بغیر اس باب میں اسے بہترین مشورے دے سکتے ہیں، مولانا حسین احمد صاحب، مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب جماعت

اہلحدیث کے مولانا قاضی محمد سلیمان منصور پوری[۱] (مصنف رحمتہ للعالمین)، شیخ الاسلام مملکت آصفیہ مولانا شروانی شیخ الحدیث جامعہ عثمانیہ مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی، فاضل محترم مولانا سید سلیمان ندوی، اور اسی قسم کے دوسرے صاحب علم ونظر علمائے اہل سنت سے اگر حکومت حجاز آداب و زیارت وغیرہ کے باب میں مشورہ کرتی رہے تو ہندوستان کے مسلمانوں کے ایک خاصے بڑے گروہ کے دل میں اس کی طرف سے جو تلخیاں پیدا ہو رہی ہیں وہ یقیناً بڑی حد تک دور ہو سکتی ہیں۔

اس قسم کے تذکرے جو بار بار اس سفرنامہ میں آرہے ہیں اس سے اگر ایک طرف لوگوں کو صحیح حالات اور ضروری معلومات سے باخبر کرنا ہے تو دوسری طرف حکومت حجاز اور اس کے ہواخواہوں کو خود اپنی فلاح واصلاح پر توجہ دلانا ہے اور یہ جو کچھ لکھا جا رہا ہے حاشا نجدیوں کی مخالفت وعناد میں نہیں ان کی بدنامی ورسوائی کے لیے نہیں بلکہ ان کی سچی دوستی اور حقیقی خیر اندیشی میں وہ لاکھ بُرے سہی پھر بھی بہرحال وہ کلمہ گو ہیں، دائرہ اسلام سے خارج نہیں، خاطی ہیں، کافر نہیں، نادان ہیں، باغی نہیں، بھائی ہیں دشمن نہیں ان کی رسوائی مسلمانوں ہی کی رسوائی ہے۔ ان کی پردہ دری کرکے خوش ہونا، محمد کا

---

[۱] افسوس ہے کہ قاضی صاحب نے ۱۳۴۹ھ میں حج سے واپس ہوتے ہوئے جہاز میں انتقال فرمایا۔

کلمہ پڑھنے والوں کی پردہ دری پر خوش ہونا ہے، خانہ جنگی قابل داد کبھی بھی نہ تھی، لیکن آج تو اس سے بڑھ کر شاید ہی کوئی گناہ ہو، آج وقت نجدی، حجازی کی آویزش کا، حنفی و حنبلی کی جنگ کا، اہل سنت و اہل بدعت کے کارزار کا نہیں وقت اس کا ہے کہ سب مل کر یاجوج کے اس بے گنتی اور بے تعداد لشکر سے مقابلہ کریں، جو بیشمار ناموں اور نشانوں کے ساتھ بے حساب لباسوں اور نقابوں کے ساتھ ہر سمت اور ہر جہت سے، ہر پہلو اور ہر گوشہ سے مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُوْنَ اللہ کے دین پر، رسول کی شریعت پر، اسلام کے پیام پر حملہ آور ہو رہا ہے، اور جس کی زد سے نہ ہندوستان محفوظ ہے نہ نجد اور نہ مرکز اسلام کے وہ مقدس و محترم مقامات ـــ نام لکھنے کی جرأت قلم کہاں سے لائے۔ جن کے شرف سے اسلام کا شرف قائم ہے اور جن کی عظمت سے اسلام کی عظمت وابستہ ہے! جہاد کی ضرورت ان کے مقابلہ میں نہیں جنھوں نے عثمان غنیؓ کے قبہ مزار کو گرا دیا اور فاطمہ زہراؓ کی تربت کو کھنڈر بنا دیا جہاد ان پر کرنا ہے جو عثمانؓ و فاطمہؓ کے دین کے دشمن ہیں جو قبہ عثمانؓ کو نہیں خود عثمانؓ کے کارناموں کو فنا کر رہے ہیں، اور جو تربت فاطمہ کی نہیں خود فاطمہ کی تحقیر اور بے وقعتی دلوں میں پیدا کر رہے ہیں۔!

اہل دل بزرگوں اور نیک نفس دوستوں کی ایک جماعت حسرت و تاسف خلوص و ہمدردی کے لہجہ میں زیر لب کہہ رہی ہے کہ مشاہد متبرکہ کے

انوار و برکات کی شرح کرنے کے بجائے یہ بے محل سیاسی رجز خوانیاں کیسی شروع ہو جاتی ہیں۔ لیکن بزرگو اور دوستو! للہ کوئی بتائے کہ کلمہ توحید کی بنیاد نفی غیر اللہ پر کیوں ہے؟ انوار و تجلیات کا مشاہدہ جنھیں ہوتا ہوگا ہوتا ہوگا ایک عامی اور دنیا دار تباہ کار سے اس کی توقع ہی کیوں قائم کی گئی، وہ تو وہی لکھے گا جو کچھ اس نے خود محسوس کیا۔ اس کا مال گھٹیا سہی، ناقص سہی، ادنیٰ درجہ کا سہی لیکن بہر حال اس کا اپنا مال ہوگا۔ کیا دوسروں کا حسن ظن قائم رکھنے کے لیے صوفیوں کی بول چال کی نقالی شروع کر دی جائے؟ کیا خود وہ بزرگ اس سے خوش ہوں گے کہ ان کے خوش کرنے کے لیے جھوٹے موتی کشتیوں میں لگا لگا کر پیش کیے جانے لگیں؟ یہاں تو مسجد نبوی کے ہر ہر ستون اور ہر ہر محراب سے ایک ایک در اور ایک ایک دیوار سے قبا کی ایک ایک اینٹ سے بقیع کے ذرّہ ذرّہ سے شہر مدینہ کے چپہ چپہ سے ایک ہی پکار سنائی دی اور وہ پکار مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰہِ کی تھی۔ ہر جگہ ایک ہی جلوہ دکھائی دیا اور وہ جلوہ دین کی تقاضائے نصرت کا تھا!

آج اللہ کے بجائے یاجوج کی اِلٰہیت و الوہیت کا کلمہ ہر جگہ پڑھا جانے لگا ہے۔ عدالتوں میں حاکم مسلمان بنائے جاتے ہیں، اور ان مسلمان حاکموں سے شریعت کے فیصلوں میں ترمیم کرائی جاتی ہے، کونسلوں میں ممبر مسلمان لیے جاتے ہیں اور مسلمان ممبروں کی تجویزوں اور تقریروں سے شریعت کی

دھجیاں اُڑائی جاتی ہیں، وزارت و امارت کی کرسی پر مسلمان بٹھلائے جاتے ہیں، اور ان مسلمان امیروں اور وزیروں کے احکام سے شریعت کو توڑا جاتا ہے، یونیورسٹیاں اور درسگاہیں مسلمانوں کی قائم کرائی جاتی ہیں اور مسلمان ماہرینِ فن کے مقالات و مضامین سے شریعت پر قہقہے لگائے جاتے ہیں حب وطن اور حب قوم کا جذبہ مسلمانوں میں پیدا کرایا جاتا ہے اور نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ترک ترکیت کی، مصر، مصریت کی پرستش شروع کر دیتے ہیں اور ہندی مسلمان بھی اپنے اسلام کو چھوڑ کر اپنی ہندیت پر فخر و ناز کرنے لگ جاتا ہے[۱]! قوالی کی محفلیں بہت دیکھ لیں، نعتیہ نظمیں بہت سی سُن لیں، شعر و شاعری بہت ہو چکی، اب اللہ کے ہاں سے پکار ہے تو یہ اور محمدؐ کے دربار سے طلب ہے تو اس کی کہ کچھ اللہ کے بندے اور محمدؐ کے امتی اٹھیں اور دین کی غیرت سے مست و دیوانے ہو کر، دوستوں اور عزیزوں سے بیگانے بن کر یاجوج کے لشکر کے مقابلے میں صف بستہ ہو کر کانھم بنیان مرصوص باہر نکلیں اور اس ہاری ہوئی لڑائی میں حق کا علم بلند کر کے اپنے سر اور اپنی جانیں نذر کر دیں!

---

[۱] غیر اللہ کی یہ پرستش جب ۱۹۲۹ء میں زور پر تھی تو ۱۹۴۳ء میں تو اس کا زور کہیں زائد بڑھ گیا۔ اور اب تو خدا پرستی بھی کھلم کھلا وطن پرستی کے ماتحت کرائی گئی ہے!

باب (۱۷)

دیارِ حبیبؐ

مدینہ شہر کی موجودہ بستی کچھ ایسی بڑی نہیں، آبادی ہندوستان کے چھوٹے شہروں یا بعض بڑے قصبوں کے برابر ہوگی، سنتے ہیں کہ کسی زمانے میں آبادی کی وہ کثرت تھی کہ راستہ چلنا مشکل تھا، لیکن جس وقت سے ریل کے قدم آئے، حجاز ریلوے کا اسٹیشن کھلا اور شام سے ریل کی آمد و رفت شروع ہوئی اسوقت پہلے تو اخلاق و قلوب کے عالم میں انقلاب آیا اور جو چھپ چھپا کر بھی نہ ہوتا تھا وہ کھلے خزانے ہونے لگا، اور پھر وہ زبردست مادی جھٹکے لگے کہ ساری آبادی تباہ ہو کر رہ گئی، ترکی حکومت کی بربادی، شریفی دور، نجدی دور ہر سیاسی زحمت کا پہلا ہدف اس شہر کو بننا پڑا، اور اس وقت مدینہ دنیا کے مظلوم ترین شہروں میں ہے، سچے اور مدینہ والے سچے کا قول بالآخر پورا ہو کر رہنا تھا کہ ظہور دجال کے وقت بیت المقدس آباد ہوگا اور مدینہ تباہ۔ بیت المقدس کی آبادی اور روز افزوں رونق و آبادی سب دیکھ رہے ہیں۔ پھر مظلوم مدینہ کی تباہی و بربادی پر حیرت کیوں ہو؟ —— لیکن شہر آباد ہو یا برباد، آبادی خواہ بڑھے خواہ گھٹے۔ بس ایک مدینہ والا سلامت رہے کہ اس کے طفیل میں مدینہ بھی ہمیشہ سلامت ہی رہے گا۔ شاعر نے کہا ہے۔ ع۔

مکیں کی خیر ہو یا رب مکاں رہے نہ رہے

لیکن اگر مکین سلامت ہے تو مکان کی سلامتی بھی یقینی ہے، اور بھلا کون ایسا مکان ہوگا کہ سارا عالم تو اس کے مکین کی برکتوں سے مہک رہا ہو، اور خود ہی مکان محروم رہ جائے۔!

صاحب جذب القلوب نے ایک مستقل باب فضائل شہر مدینہ کا باندھا ہے۔ اور اس کی فضیلت پر مفصل عقلی و نقلی دلائل قائم کئے ہیں، لیکن درحقیقت اس تفصیلی بحث کی سرے سے ضرورت ہی نہیں۔ جن کے پہلو میں دل ہو ان کے لیے تو بس یہی ایک دلیل سب سے بڑی دلیل ہے کہ ان کا محبوب آقا، اور ان کے رب کا محبوب ترین بندہ اس سرزمین پر آرام فرما ہے! ؎

خاک یثرب از دو عالم خوشتر است
اے خنک شہرے کہ آنجا دلبر است

اور جن کے سینہ میں دل ہی نہیں ان کے لیے دلیل و حجت کے دفتر بھی بیکار ہیں۔ مثنوی میں مولانا نے ایک حکایت لکھی ہے کہ کسی کنوئیں کو ایک دیوزاد نے اپنا مسکن بنا لیا تھا اور جو کوئی اس کنوئیں کے اندر اترتا اس سے وہ سوال کرتا کہ بہتر شہر کون ہے؟ ہر شخص اپنی اپنی پسند کے مطابق کسی شہر کا نام لیتا اس پر وہ ناخوش ہو کر اسے وہیں قید کر لیتا اور باہر نکلنے نہ دیتا۔ آخر میں ایک مرد دانا اترا اور اس سے جب حسب معمول سوال ہوا تو اس نے جواب میں کہا کہ

"جہاں اپنا محبوب موجود ہو" وہی مقام سب سے بہتر ہے، اس جواب پر وہ دیوزاد خوش ہوگیا اور خوشی میں آکر تنہا اسی کو نہیں بلکہ سارے قیدیوں کو بھی رہا کر دیا پس مومن کے لیے تو اسی قدر کافی ہے کہ یہ شہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شہر ہے اور یہی وہ شہر ہے جس کا نام طابہ (پاک، پاکیزہ، اچھا) کسی بندہ نے نہیں بندوں کے پروردگار نے رکھا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ تَعَالیٰ سَمّی الْمَدِیْنَۃَ طَابَۃَ مدینہ کا نام طابہ اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے۔

اور "پاک" کی شرح میں ائمۂ فن نے لکھا ہے کہ مدینہ کفر و شرک کی نجاستوں سے پاک ہے۔

مدینہ والوں کے ساتھ جس نے دھوکہ بازی کی، وہ خود دھوکا کھا گیا جس نے ان کی بدخواہی کی، اس نے خود اپنی بدخواہی کرلی، جس نے انھیں تباہ کرنا چاہا وہ خود تباہ ہوکر رہا، حدیث میں آیا ہے کہ وہ اس طرح گھل جاتا ہے جس طرح نمک پانی میں گھل جاتا ہے۔ بخاری و مسلم کی روایت کے الفاظ ہیں۔ لَا یَکِیْدُ اَھْلَ الْمَدِیْنَۃِ اَحَدٌ اِلَّا انْمَاعَ کَمَا یَنْمَاعُ الْمِلْحُ فِی الْمَاءِ۔ یاجوج کے دور میں سب کچھ ہوگا۔ اور سب کے نتیجے بھی ظاہر ہوکر رہیں گے، سختیاں اور ناگواریاں کہاں نہیں پیش آئیں؟ لیکن اس ارضِ محبوب کی سختیاں بھی رحمتیں ہیں، اور یہاں کی ناگواریوں کو گوارا بنا لینے والوں کے لیے وہ انعام اور قطعی انعام ہے جس کی تمنا ہر مسلم کے سینہ میں ہے، ارشاد ہوتا ہے بہ روایت صحیح مسلم کہ:-

لَا يَصْبِرُ عَلٰى لَأْوَاءِ الْمَدِيْنَةِ وَ	میری امت میں کوئی ایسا نہیں کہ وہ مدینہ
شِدَّتِهَا مِنْ اُمَّتِیْ اِلَّا كُنْتُ لَهٗ	کی سختیوں اور محنتوں پر صبر کرے اور میں قیامت
شَفِيْعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔	کے دن اس کی شفاعت کرنے والا نہ ہوں۔

اب اس کے بعد بھی کوئی مرتبہ رہ جاتا ہے! ایک دوسری روایت میں یوں آتا ہے۔

مَنْ سَكَنَ الْمَدِيْنَةَ وَصَبَرَ	جس نے مدینہ میں سکونت اختیار کی اور یہاں کی
عَلٰى بَلَائِهَا كُنْتُ لَهٗ شَفِيْعًا	بلاؤں پر صبر کیا تو میں قیامت کے دن اس
يَوْمَ الْقِيَامَةِ	کی شفاعت کرنے والا ہوں گا

اتنے بڑے انعام کے وعدہ کے بعد کچھ حیرت نہ کرنا چاہیے۔ اگر مدینہ میں زحمتوں سے بچنے کے بجائے اور دوڑ دوڑ کر زحمتوں میں اپنے تئیں ہنسی خوشی مبتلا کیا جانے لگے اور یہ سختیاں اور ناگواریاں تو ان کو پیش آسکتی ہیں جو اس سرزمین پر زندہ رہیں، لیکن اگر یہیں موت آجائے تو؟ اس "تو" کا جواب بھی بشارتیں دینے والے کی یہی زبان سے سنیے۔

وَمَنْ مَاتَ فِیْ اَحَدِ الْحَرَمَيْنِ	جس شخص کی وفات مکہ یا مدینہ میں ہو جائے
بَعَثَهُ اللّٰهُ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ	وہ قیامت کے دن ان لوگوں میں اٹھے گا
يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔	جو بے خوف ہوں گے۔

اور بعض احادیث میں بجائے حرمین کے صرف مدینہ کا لفظ آیا ہے۔ من مات بالمدینہ کنت لہ شفیعا یوم القیامۃ۔ اور بعض روایات میں لے

محض بطور خبر کے نہیں بیان فرمایا گیا ہے بلکہ مدینہ میں مرنے کی رغبت بھی دلائی گئی ہے۔

مَنِ اسْتَطَاعَ اَنْ یَّمُوْتَ بِالْمَدِیْنَةِ فَلْیَمُتْ فَمَنْ مَاتَ بِالْمَدِیْنَةِ کُنْتُ لَهٗ شَفِیْعًا اَوْ شَهِیْدًا۔

جس کے لیے ممکن ہو کہ وہ مدینہ میں آکر وفات پائے تو اسے چاہیے کہ یہیں آکر مرے اسلیے کہ جو یہاں مرے گا میں اس کا گواہ اور شفیع ہوں گا۔

اس سے ملتے جلتے ہوئے مضمون کی متعدد احادیث ہیں، اور صحابہ کرام برابر مدینہ میں اپنے مرنے کی دعائیں اور آرزوئیں کرتے رہتے تھے، پس جس شہر میں جینا اور جس شہر میں مرنا دونوں اس قدر مبارک ہوں کس کو وہاں حاضر ہونے اور حاضر رہنے کی تمنا نہ ہوگی۔

یوں تو سال کے بیشتر حصہ میں سناٹا چھایا رہتا ہے۔ دکانیں بند، بازار سرد، مکانات مقفل رہتے ہیں. لیکن موسم حج میں تین چار مہینے کے لیے اچھی خاصی چہل پہل ہو جاتی ہے اور سڑکوں اور بازاروں میں اچھا خاصا مجمع رہنے لگتا ہے۔ ذی الحجہ کی ۲۰، ۲۲ تاریخ سے حاجیوں کے قافلے ماشاء اللہ بہت بڑی تعداد میں آنے لگتے ہیں اور یہ مجمع آخر محرم تک قائم رہتا ہے۔ شوال و ذیقعدہ میں مجمع نسبتاً ہلکا رہتا ہے پھر بھی ہزاروں کی تعداد میں رہتا ہے خصوصاً ذیقعدہ میں، بازاروں میں ضرورت کی سب چیزیں مل جاتی ہیں اور نرخ بھی کچھ زیادہ گراں نہیں، گوشت (بکرے اور دنبہ دونوں کا) گھی، شکر، گیہوں کا آٹا، بعض

سبزیاں، دودھ دہی ان میں سے ہر چیز اچھی حالت میں بآسانی دستیاب ہوجاتی ہے۔ عام دستور یہ ہے کہ لوگ روٹی گھر میں نہیں پکاتے بلکہ بازار سے خرید لیتے ہیں، باقی سالن وغیرہ گھروں میں پکتا ہے، صبح کے وقت بہت تڑکے سے جو ناشتہ بازاروں میں ملنے لگتا ہے وہ خاص طور پر لذیذ وخوش ذائقہ ہوتا ہے[1] اور قیمت میں بھی ارزاں، شام کا کھانا عموماً عصر کے وقت ہوجاتا ہے۔ شب میں کھانے کا دستور نہیں، دوکانیں بھی شام ہی کو بند ہوجاتی ہیں اور عشا کے بعد بالکل سناٹا چھا جاتا ہے، کپڑے وغیرہ کی بھی ضرورت ہی کی نہیں بلکہ شوق کی بھی سب چیزیں مل جاتی ہیں۔

مادّی نعمتوں میں دو چیزیں ایسی ہیں جو صرف مدینہ ہی کے لیے مخصوص ہیں۔ ایک تو کھجور ہے جس کے خدا معلوم کتنے اقسام بازاروں میں ڈھیر لگے رہتے ہیں[2]۔ بڑے اور چھوٹے، میٹھے اور بڑے میٹھے، خشک وشاداب، سیاہ سرخ جتنے طرح کے اور جس نرخ کے چاہیے لیجیے، اتنے لذیذ اور نفیس کہ پیٹ بھر جائے گا لیکن جی نہ بھرے گا۔ افسوس ہے کہ ہندوستان زیادہ مقدار

---

[1] اس ناشتہ کے ایک اہم اور لذیذ ترین جزو کا نام "مطبخ" ہے جو شاید انڈے اور میدے کا مرکب ہوتا ہے۔

[2] ٹھیک اسی طرح جیسے آم کے موسم میں ملیح آباد وغیرہ کے باغات میں آموں کی بیسیوں قسمیں دکھائی دینے لگتی ہیں۔

میں لانا اول تو دشوار و زحمت طلب اور پھر اگر دشواریاں برداشت کرکے لایا بھی جائے تو یہاں زیادہ عرصہ تک ٹھہرتے نہیں، خراب ہو جاتے ہیں، بمبئی میں جو کھجور ملتے ہیں وہ عراق وغیرہ کے ہوتے ہیں، مدینہ کے کھجور بجز مدینہ کے اور کہیں نہیں دستیاب ہوتے، اور بجز مدینہ کے شاید کہیں کی ہوا انھیں راس نہیں آتی، دوسری مادی نعمت اس سے بھی کہیں بڑھ کر مدینہ شریف کا پانی ہے، زبان اس کی تعریف سے حقیقتاً قاصر ہے۔ اتنا سرد لطیف، اتنا ہلکا ایسا ہاضم پانی شاید پردۂ ارض پر کہیں بھی نہ ہو، بار بار برف کا دھوکا ہوتا تھا، جتنا چاہیے پیتے چلے جایئے۔ ذرا بھی گرانی محسوس نہ ہوگی۔ جنت میں جو پانی، ساقی کوثر کے ہاتھ سے ملے گا۔ شاید اسی کا نمونہ اس جنت ارضی میں دکھا دیا گیا ہے! افسوس ہے کہ اس تحفہ کو مدینہ سے باہر لانے کی کوئی صورت اس وقت تک ممکن نہیں ہوئی ہے۔

مکانات کے کرائے بہت ارزاں، موسم حج میں نسبتاً گراں ہو جاتے ہیں، پھر بھی کہاں تک؟ کوئی پرانا مکان خریدنا منظور ہو تو وہ بھی بہت سستے داموں مل سکتا ہے۔ اللہ غریق رحمت کرے مولانا عبدالباری فرنگی محلی کو، اس طمع میں ایک مکان مدینہ طیبہ میں خرید رکھا تھا کہ شاید اسی بہانے حشر میں اپنا شمار اہل مدینہ میں ہو جائے! یہ راہ ہر خوش عقیدہ اور خوشحال مومن کے لیے اب بھی کھلی ہوئی ہے۔ اور لکھنؤ کے ایک مشہور تاجر اعظم کا تو عمل ہی اسی پر

ہے۔ آبادی میں بیرونی عنصر کثرت سے شامل ہو گیا ہے، ترک، کرد، عراقی، ہندی مصری، نجدی، مغربی، خدا معلوم کتنے خاندان باہر سے آکر آباد ہو گئے ہیں، سب کے اخلاق اور سب کے مزاج جداگانہ، باقی جو چند مخصوص گھرانے اصلی اہل مدینہ یعنی سادات و انصار کے رہ گئے ہیں ان کے اخلاق اور ان کے جوہر شرافت کا کیا کہنا، ہم لوگوں کو قدرتاً ہندیوں ہی سے زیادہ سابقہ پڑا، ان سب میں ایک بار پھر سب سے پہلا نام قلم کی زبان پر مولانا سید آحمد فیض آبادی کا آتا ہے جنھوں نے مسافرت کو ہر پہلو سے گویا وطن بنا دیا، جی میں آتا ہے کہ اس پیکر اخلاص و ایثار، اور مجسمہ بے نفسی و خدمت خلق کے رازوں کو خوب کھول کر بیان کر دیا جائے، لیکن پھر انہیں کی ناخوشی و ناخوشگواری کا خوف غالب آکر زبان روک دیتا ہے۔ اب یہ اللہ ہی جانے کہ نفس کا اتنا پاک ہو جانا حرم رسولؐ کی تیس سالہ مجاورت کی برکت ہے یا نفس پہلے ہی سے خود اتنا پاک ہو چکا تھا کہ اس نے وطن اور عزیزان وطن سے ہزاروں میل دور کسی کے آستان پاک پر پڑے رہنے پر آمادہ کر دیا! اللہ ان کے مقاصد دینی و دنیوی پورے کرے اور ان کے مدرسۃ الیتامیٰ کو اپنے خزانۂ غیب سے مالامال کرے[2]۔ انھیں کے

---

[1]۔ ایک بار پھر خیال کر لیجیے کہ یہ ذکر ۱۹۲۹ء انگریزی، ۱۳۴۸ ہجری کا ہے نہ کہ اس کے برسوں بعد کا۔

[2]۔ اس مدرسہ کے متعلق سچ نمبر ۱۳ جلد ۵ میں حسب ذیل نوٹ شائع ہوا تھا۔

مدینہ طیبہ کی ایک صحیح خدمت

ہم نشینوں میں ایک صاحب منشی محمد حسین فیض آبادی ہیں، ان کی یاد بھی

حجاز کا سفر کیے بغیر اہل حجاز کی موجودہ دردناک اور عبرتناک پستیوں کا اندازہ نہیں ہوتا مدینہ طیبہ کے دوران قیام میں اس کی بیشمار فضیلتوں اور بے حساب برکتوں کے باوجود یہ منظر دیکھ کر قلب کو کس درجہ تکلیف ہوتی تھی، کہ ہر ہاتھ ہر موقع پر آپ کی طرف پھیلا ہوا ہے، اور وہ جن کا کام غیرت مندی و استغنا کا سبق دینا تھا عین اس "محترم ہستی" کے جوار محترم میں، جس مسجد میں سوال کرنا حرام ٹھہرایا ہے، ہر ہر لمحہ اس کے حکم کو توڑ رہے ہیں۔ اس کا علاج سختی نہیں اور اہل مدینہ کے ساتھ سختی اور بیدردی تو کسی صاحب ایمان کے خواب وخیال میں بھی آ نہیں سکتی تاہم نفس علاج نہایت ضروری ہے اور مرض سے بے پروائی مریض سے دوستی نہیں دشمنی ہے، صحیح علاج صرف یہ ہے کہ صحیح دینی تعلیم میں لگا کر اور ایثار و استغنا و غیرتمندی کا عملی نمونہ پیش کر کے عادتوں کو بگڑنے سے روکا جائے اور بگڑی ہوئی عادتوں کو حتی الامکان درست کیا جائے۔

اللہ کا شکر ہے کہ اس خطہ پاک کی اس اہم خدمت کا شرف ہمارے ایک ہندی بزرگ کے نصیب میں آیا ہے اور انھوں نے نہایت صحیح اصول پر ایک دینی درسگاہ مدرسۃ الیتامیٰ کے نام سے انھیں اصلاحی مقاصد کے ساتھ حرم نبویؐ سے بالکل متصل قائم کر دی ہے ان بزرگوار کا (جو رسماً تعظیماً نہیں حقیقتہً اور اپنے صحیح معنی میں ایک قابل صد رشک بزرگ ہیں) اسم مبارک مولانا سید احمد فیض آبادی ہے۔ حضرت مولانا حسین احمد صاحب (شیخ الحدیث دیوبند) کے برادر کلاں ہیں اور اپنی عمر جوار و جیران رسول کی خدمت کے لیے وقف کر چکے ہیں، مدرسہ کا تفصیلی "معائنہ" مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی کے قلم سے انشاء اللہ

شکر گزاری کے ساتھ دل میں قائم ہے[1]۔

لکھنؤ کے خاندان فرنگی محل کے ایک ممتاز و مسن رکن اور مولانا عبدالباریؒ کے حقیقی بہنوئی مولانا عبدالباقی صاحب بھی سالہا سال سے ترک وطن کیے ہوئے یہیں مقیم ہیں[2]۔ اور مدرسہ نظامیہ کو چلا رہے ہیں

آئندہ نمبر میں نکلے گا۔ مختصراً اس وقت اس قدر عرض ہے کہ سچ کے جو پڑھنے والے اہل ایمان اپنے دل میں اہل مدینہ کی حقیقی خدمت کا ارمان اور ولولہ رکھتے ہوں وہ بلاتامل اور بے تکلف اس مدرسہ کی اعانت کو اپنا فرض سمجھیں مولانا موصوف سے بڑھ کر امین اور قابل اعتماد و اطمینان بزرگ اس زمانہ میں تلاش کے بعد بھی شاید نہ مل سکے۔

روپیہ بھیجنے کے پتے:۔

(۱) حکیم ڈاکٹر عبدالعلی صاحب گوئن روڈ لکھنؤ۔

(۲) کوٹھی حاجی علی جان چاندنی چوک دہلی۔

(۳) عبداللہ بھائی عبدالقادر نمبر ۲۰۶ ناگ دیوی اسٹریٹ بمبئی۔

(۴) مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور۔

[1] افسوس ہے کہ اب مولانا سید احمد فیض آبادیؒ اس عالم میں ہیں نہ ان کے رفیق منشی محمد حسین، رہے نام اللہ کا۔

[2] اب یہ بھی مدت ہوئے مرحوم ہو چکے ہیں۔

بڑی شفقت اور بزرگانہ نوازش سے پیش آئے اور اپنے ہاں ٹھہرانے پر اصرار فرماتے رہے۔ ان کے مدرسہ کی عمارت بہت وسیع اور مہمانوں کے لیے ہر طرح آرام دہ تھی، لیکن مسجد نبوی سے ذرا فاصلہ پر تھی اس لیے معذرت کر دینی پڑی، ہندی تاجروں میں اطراف بمبئی کے ایک صاحب عبد الغنی دادا نامی ہیں، چائے اور غلہ کی دوکان ہے۔ دوکان کا نام عثمان احمد وشرکا ہے۔ بڑے ہمدرد و خدمت گزار، معمولی تعارف پر ہر طرح امداد و دستگیری فرماتے رہے۔ اللہ انھیں جزائے خیر دے۔

ہم لوگ یکم ذیقعدہ کو داخل ہوئے تھے ہندی عشاق میں معلوم نہیں کتنے ایسے تھے جو اس سے قبل سے یہاں حاضر تھے۔ منشی امیر احمد صاحب کاکوروی کا ذکر اس سے قبل آچکا ہے مہینوں پیشتر سے حجاز آچکے تھے، اور مکہ معظمہ میں حاضری دے کر اور عمرہ سے فارغ ہوکر آستان حبیب پر مقیم تھے اسی طرح مولوی غلام بھیک صاحب نیرنگ (ایڈوکیٹ انبالہ و معتمد انجمن تبلیغ الاسلام) بھی ایک مدت سے حاضر آستانہ تھے ان صاحبوں کے ذوق و شوق کا کیا پوچھنا جس دربار کی زیارت اگر ایک دن کے لیے بھی میسر آجائے تو خوش قسمتی ہے، وہاں یہ حضرات مہینوں کی مسلسل حاضری سے بھی سیر نہ تھے۔ بہار کے ہومیوپیتھک ڈاکٹر عبد الرحمن بھی حکومت نظام حیدر آباد کی طرف سے خدمت حجاج پر متعین یہیں مقیم تھے اور فرائض علاج و تیمارداری کے علاوہ یوں بھی ہر طرح حاجیوں اور زائروں کی خدمت میں لگے رہتے تھے۔ خدا جانے کتنے لوگوں

کے کام ان کے ذریعے سے نکلتے تھے۔ حیدرآباد کے وکیل مولوی ابوالخیر خیراللہ صاحب جو سچ کے صفحات میں کبھی کبھی جلوہ گر ہو چکے ہیں[1]۔ اور فیض آباد کے منشی محمود عالم صاحب جن سے بہت قدیم خاندانی تعلقات ہیں، بار بار ملاقاتیں ہوتی رہیں، زیادہ ملنے جلنے کی یہاں فرصت کسے تھی، ہر شخص اپنے اپنے مشاغل میں مست تھا، پھر بھی بشریت سے منزہ تو کوئی ہو نہیں گیا تھا۔ ملاقاتیں بھی ہوتیں، اور دعوتیں بھی، آپس کے لوگ ہنستے بھی اور بولتے بھی، بعض خوش نصیبوں کی موت بھی اس پاک سرزمین پر آتے دیکھی، جنازے لائے جاتے اور مسجد نبوی کے اندر محراب عثمانی کے سامنے نماز پڑھائی جاتی، اور روضہ اقدس کے سامنے سے، اور کبھی پشت سے "روضہ جنت" کے اندر ہوتے ہوئے باب جبرئیل سے میت کو باہر لاتے اور بقیع میں لے جا کر سپردخاک کر آتے، اللہ اللہ ان مُردوں پر کتنے زندوں کو رشک نہ آئے گا! مدینہ کی موت پھر مسجد نبوی کے اندر نماز جنازہ، پھر رسول کریم کے ہم وطنوں اور مہمانوں کی دعائے مغفرت پھر شافع امت کے مواجہہ مبارک یا سرہانے سے میت کا گزرنا پھر بقیع کا قبرستان جس کے لیے اتنے سامان رحمت جمع ہو جائیں اس پر کیوں کر رشک نہ آئے. بیچارہ فرنگی، ایمان کی لذت وحلاوت سے ناآشنا اپنی جان پر ہر وقت جان دیتا رہتا ہے اسے کیا خبر کہ اس ناسوتی زندگی سے بڑھ کر بھی کوئی زندگی ہے، اقبال کا یہ شعر بھولتا نہیں، رہ رہ کر یاد آتا ہے ؎

---

[1] اس سفرنامہ کی نظر ثانی سے کئی سال قبل راہی جنت ہو چکے۔

دیں ادر کو حضور یہ پیغام زندگی
ہم موت ڈھونڈھتے ہیں زمین حجاز میں!

مدینہ پاک بلکہ سارے حجاز کا طرز معاشرت ظاہر ہے کہ ہندوستان سے مختلف ہے، لیکن ایسا مختلف نہیں کہ دل کو اس سے وحشت ہو یا زیادہ نامانوس معلوم ہو بس ایسا ہی اختلاف ہے جیسا خود ہندوستان کے مختلف صوبوں بلکہ ایک ہی صوبہ کے دور دراز شہروں کے درمیان پایا جاتا ہے۔ زبان اردو بقدر ضرورت اچھی خاصی سمجھ لی جاتی ہے، اگر عربی بولنے پر قدرت ہو تو سبحان اللہ، ورنہ کوئی ضروری کام خالی اردو جاننے والوں کا بھی اٹکا نہیں رہتا۔ مدینہ کا موسم بھی کچھ ایسا سخت نہیں اپریل اور آغاز مئی کا تجربہ ہے۔ گرمی سخت اور دھوپ تیز تھی لیکن یوپی کے لوگوں کو تو کوئی غیر معمولی شدت نہیں محسوس ہوئی، درمیان میں بارش کئی بار ہوئی، راتیں عموماً ٹھنڈی اور خوشگوار رہتی تھیں اور بارش کے زمانہ میں تو اچھی خاصی سردی پڑی، ایسی کہ جو لوگ کافی سرمائی سامان نہیں رکھتے تھے، انھیں تکلیف اٹھانی پڑی، راتوں کو کمرہ کے اندر بھی دولائی یا کمبل کی ضرورت پڑ گئی۔ آب و ہوا بہت اچھی ہے اور کوئی شخص اگر خود ہی بد پرہیزیاں اور بے احتیاطیاں نہ شروع کر دے تو بیمار پڑنے کی نوبت انشاء اللہ نہ آئے گی۔ ہمارے قافلہ کے اکثر لوگ بیمار پڑے لیکن جلد اچھے ہو گئے۔ مکانات عموماً صحن سے خالی ہوتے ہیں۔ مگر اس کی تلافی بالاخانہ کی کھڑکیوں اور کھلی ہوئی چھتوں سے ہو جاتی ہے۔ اکثر مکانات میں

ٹھنڈے تہ خانے بھی ہوتے ہیں۔ مہتروں کی کوئی قوم یہاں آباد نہیں اس لیے مکانات میں کنویں کی طرح گہرے گڑھے ہوتے ہیں، وہی پاخانہ یا سنڈاس کا کام دیتے ہیں، ضروری ہے کہ فنائل وغیرہ بدبو مارنے کے لیے دوائیں اکثر چھڑکی جاتی رہیں۔ قیام اگر دو ہی چار روز کا ہے تو ہر مکان میں گزر ہو جائے گی، لیکن اگر کچھ زیادہ روز حاضر رہنے کا ارادہ ہو، اور خصوصاً جبکہ بیویاں بھی ہمراہ ہوں، چاہیے کہ مکان تلاش کرکے اپنی پسند اور کل ضرورتوں کے مطابق لیا جائے اس میں بے پروائی یا کفایت کو دخل نہ دیا جائے۔ اگر مکان تکلیف دہ ہوا تو قلب کو تشویش رہے گی اور یکسوئی نصیب نہ ہوگی، بشری ضرورتوں اور آسائشوں کی طرف سے بالکل بے نیاز ہو جانا اعلیٰ درجہ کا مجاہدہ ہے جس پر خواص بلکہ اخص الخواص ہی قادر ہو سکتے ہیں، ہر شخص کو اپنے متعلق یہ حسن ظن قائم نہ کر لینا چاہیے بعض مکانات بہت ہی شاندار اور کوٹھی نما دیکھنے میں آئے، ایک مرتبہ ضرورۃً شیخ عبداللہ الفضل (بمبئی والے) کی قیام گاہ پر جانا ہوا، بڑا لق ودق احاطہ اور کھجوروں کا باغ نہایت وسیع، شاداب، درمیان میں ہندوستان کے رئیسوں کی طرح ایک بلند کوٹھی۔

وطن چھوڑے ہوئے آٹھ دس ہفتے ہو چکے، مگر وطن کی یاد کچھ زیادہ نہیں آئی، ہندوستان کی ڈاک یہاں مہینے میں تین بار (ہر دس دن کے بعد)

تقسیم ہوتی ہے اور جلد سے جلد ایک مہینہ کی مدت میں وہاں سے پہونچتی ہے ـــــ یہاں کا ڈاکخانہ اپنے ارتقاء کی ابھی بالکل ابتدائی منزل میں ہے ـــــ لفافہ پر تین آنے کا ٹکٹ لگتا ہے۔ بعض عزیزوں، اور دوستوں کے خطوط آئے اور انھیں پاکر دل کو خوشی بھی ہوئی مگر ویسی خوشی نہیں ہوئی جیسی ایک مسافر کو اپنے وطن سے دو ڈھائی ہزار میل کے فاصلہ پر رہ کر، ڈیڑھ دو مہینہ کے بعد، اپنے والوں کی خیریت سن کر طبعًا ہوا کرتی ہے۔ کیا یہ قلب کی قساوت یا سنگدلی ہے؟ کیا رحمت عالم کے آستانہ پر پہونچ کر اپنے عزیز و قریب یوں ہی بھلا دیئے جاتے ہیں؟ یہ صورت تو نہ تھی، اپنے والے کوئی بھی بھولے نہ تھے، والدہ ماجدہ کی خیر خیریت میں خاص طور پر دل لگا رہتا تھا[۱]، اور روضۂ جنت میں حاضری کے وقت رحمتہ للعالمین کے واسطہ سے رب العالمین سے دعائیں مانگتے وقت تو خاص خاص عزیزوں اور دوستوں کا ذکر نہیں، خدا معلوم کون کون بھولے ہوئے اور کہاں کہاں کے دور دور کے محض شناسا تک یاد پڑ جاتے تھے۔ البتہ دل پر ہر وقت یاد کسی کی بھی غالب نہ رہتی۔

---

[۱] مرحومہ خود بھی حاجیہ تھیں اور مجھ سے ۱۰ سال قبل حج کر چکی تھیں - اپریل ۱۹۴۱ عیسوی (ربیع الاول ۱۳۶۰ ہجری) میں انتقال فرمایا، سفرنامہ کے ناظرین یہاں پہونچ کر اگر ان کے حق میں دعائے مغفرت فرما دیں گے تو یقین ہے کہ انشاء اللہ اس کا پورا اجر پائیں گے۔

اسے اگر محض سرزمین پاک کی برکت، اور جوار آستانہ رسول کے تصرف سے تعبیر نہ کیجیے تو اور کیا کہیے!

باب (۱۸)

چل چلاؤ

دن گزرتے دیر نہیں لگتی، دیکھتے دیکھتے روانگی کا زمانہ آن لگا۔ اور یہ تو خیر چند ہفتوں کا زمانہ تھا، جلد کٹ جانے والا تھا ہی، ساری کی ساری عمریں ایسی ہی تیزی اور روانی کے ساتھ گزر جاتی ہیں، اور پتہ بھی نہیں چلنے پاتا۔ کہ بچپن کے کھیل کب کھیلے، جوانی کی نیند کب سوئے، اور ضعیفی کے گوشۂ تنہائی میں کب بیٹھنے پر مجبور ہوئے! —— ایک دن وہ تھا کہ مدینہ آنے کی آرزوئیں تھیں! —— کیسے کیسے منصوبے باندھے جا رہے تھے۔ کیا کیا خیالی پلاؤ پک رہے تھے، ذوق وشوق کی کیسی کیسی امنگیں دل میں اٹھ رہی تھیں۔ لب پر کیا کیا دعائیں تھیں اور ایک دن یہ آگیا (اور گویا اپنے وقت ہی پر لیکن ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ یک بیک آگیا) کہ کوچ کی گھنٹی بج گئی۔ اب یہ چل چلاؤ

کی تیاریاں ہو رہی ہیں، بستر لپیٹے جا رہے ہیں۔ سامان باندھا جا رہا ہے، سواریوں کی فکر ہے، اور ایک ایک سے مل کر زبان پر الوداع والفراق!

آئے تھے کیا کرنے اور کیا کر چلے!

غفلت و شامت نے یہاں بھی ساتھ نہ چھوڑا، اور وقت کی بے بہا دولت اتنی تمناؤں اور آرزوؤں کے بعد نصیب میں آئی تھی وہ اس بے پروائی، بیدردی کے ساتھ ضائع کی گئی، کہ شاید دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا مسرف بھی اس کا مقابلہ نہ کر سکے۔

چو پرسش گنہم روز حشر خواہد بود
تمکات گناہانِ خلق پارہ کنند!

بہرحال جو کچھ ہونا تھا ہو کر رہا۔ تسکین و تسلی کا اگر کوئی ذریعہ اور کچھ سہارا ہے تو صرف یہ کہ دربار رحمۃ للعالمین کا تھا، اور سابقہ اس سے پڑنے والا ہے جو رحمٰن و رحیم ہے۔

عصیان ما و رحمت پروردگار ما
ایں را نہایتے ست نہ آں را نہایتے!

مدینہ منوّرہ کا بڑا تحفہ یہاں کی کھجوریں ہیں، قافلہ کے ہر شخص نے ان کی ایک ایک اچھی خاصی مقدار وطن کے عزیزوں اور دوستوں کے

واسطے خرید کی۔ اور نیت کسی بھی نہ بھری، ٹین کے ایک کنسٹر میں تقریباً ۱۲۰ سیر کھجوریں آتی ہیں، محض بار برداری کی دقتوں کے خیال سے ایک ایک دو دو ٹین کے کنسٹر بھر کر ہر شخص نے لیں۔ ورنہ جی تو یہی چاہتا تھا کہ اتنی مقدار میں لیجیے کہ کھانے والوں اور دیکھنے والوں سب کا جی بھر جائے، بعض صاحبوں نے جانمازیں، رومال، عبائیں، تسبیحیں، خاک شفا کی ٹکیاں روضہ انور کی جلی ہوئی موم بتیاں، اور ہر طرح کے تبرکات بھی خرید کیے جانمازیں مدینہ کیا معنی حجاز بھر میں سے کہیں کی بھی بنی ہوئی نہیں ہوتیں نہ ان کا کپڑا حجازی، نہ کپڑے کا سوت حجازی، نہ سوت کاتنے والے حجازی نہ جانماز بنانے والے حجازی، سب کی سب فرنگی کارخانوں کی بنی ہوئی عبائیں بھی عموماً باہر کی بنی ہوئی ملتی ہیں، تلاش سے عراق و شام کی بھی مل جاتی ہیں، لیکن بہر حال مدینہ کے بازاروں کی ہوا تو انھیں لگ ہی چکی ہے۔ اور خوش عقیدگی کی آنکھ میں محبوب بنا دینے کے لیے اس قدر نسبت بھی بس ہے۔ یہ سارا سامان سب کئی دن قبل سے اونٹوں پر لاد کر جدہ اپنے وکیل کے ہاں بھجوا دیا گیا اور یہ سارا انتظام مولانا سید احمد مدظلہ کی معرفت بہ سہولت و بہ کفایت ہو گیا۔ ورنہ موٹر پر اپنے ہمراہ یہ سارا سامان لاد کر لے چلنا بڑی زحمت کا باعث تھا، اتنے بوجھ کے لیے مستقل لاریاں الگ کرنی پڑتیں، اور خدا جانے کتنا صرف کرنا پڑتا، مکہ معظمہ میں قیام اب بہت مختصر ہی ممکن تھا، اس لیے ساتھ کے لیے صرف بالکل ضروری

سامان رکھا گیا، اور باقی سب سامان اونٹوں پر جدہ روانہ کر دیا گیا۔

چلنے سے قبل ایک فکر یہ ہوئی کہ مکہ معظمہ میں ٹھہرنا کہاں ہوگا، گرمی کی شدت، حاجیوں کا ہجوم عظیم، بوڑھوں، کمزوروں اور عورتوں کے ساتھ۔ فکر صرف یہی نہ تھی کہ ٹھہرنا کہاں ہوگا بلکہ یہ تھی کہ آرام و آسایش کے ساتھ کہاں ٹھہرنے کو ملے گا۔ اللہ کے گھر جا رہے تھے، اللہ کے حکم سے اللہ کے مہمان ہو رہے تھے، چاہیے یہ تھا کہ مہمان داری کی ساری فکر صاحب خانہ اور میزبان ہی پر چھوڑ کر خود بالکل بے فکر رہتے، لیکن ایسا صرف اللہ والے ہی کر سکتے ہیں۔ زبان سے کہہ دینا آسان ہے لیکن عمل ہم جیسے آرام طلب، تن پرور اور پست ہمت دنیا طلبوں کے لیے ممکن نہ تھا۔ حاجیوں کے اتارنے اور ٹھہرانے کی ذمہ داری ضابطہ سے معلم کے سر ہوتی ہے، لیکن بہ نظر احتیاط مناسب یہ معلوم ہوا کہ معلم سے بے نیاز ہو کر بھی کوئی معقول انتظام قیام کا ہو رہے مکہ کا مدرسہ صولیتہ مشہور مدرسہ ہے۔ مولانا رحمتہ اللہ ہندی مہاجر کا قائم کیا ہوا اس کے مہتمم مولانا محمد سعید صاحب ہم لوگوں کے ہندوستان سے چلتے وقت اپنے وطن (کیرانہ ضلع مظفر نگر) میں تھے، انھوں نے ایک تعارف نامہ اپنے صاحبزادہ اور قائم مقام مولوی محمد سلیم صاحب کے نام دے دیا تھا۔ وہ تعارف نامہ اپنے خط کے ہمراہ مدینہ سے مولوی صاحب موصوف کے نام روانہ کر دیا گیا۔ ڈاک کی واپسی کے ساتھ ہی جواب آیا، ایک ایک لفظ

اخلاق و اخلاص، شوق و اشتیاق میں ڈوبا ہوا لکھا تھا کہ مدرسہ کی جدید و وسیع عمارت میں متعدد کمرے، بمسرت تمام خالی رہیں گے. لوگ کہتے ہیں کہ مکہ میں رہ کر اخلاق میں خشکی اور خشونت آجاتی ہے۔ لیکن اگر اسی کا نمونہ مولوی سلیم صاحب کی تحریر کو قرار دیا جائے تو خدا کرے کہ ایسی خشکی اور خشونت سب کو نصیب ہو، سرکار نظام کی طرف سے بھی تین رباطیں مکہ معظمہ میں ہیں، مولانا شروانی اور اختر مینائی صاحب کی عنایت سے ان کے مہتمم داروغہ حبیب اللہ صاحب کے نام بھی خطوط مل گئے تھے، ان انتظامات کے بعد قیام کی طرف سے دل مطمئن ہو گیا تھا۔

مدینہ سے واپسی کے وقت ایک بڑا مرحلہ سواریوں کے دستیاب ہونے کا ہوتا ہے خصوصاً اس وقت جبکہ زمانہ حج قریب آجائے، اونٹ ہوں خواہ موٹر، دونوں کی فراہمی میں بڑی دشواریاں پیش آتی ہیں اور اپنی پسند کے لائق اچھی سواری کا بہم پہونچ جانا تو محض ایک خداداد نعمت ہے۔ اتنے بڑے ہجوم میں قابل اطمینان انتظام قائم رہنا آسان ہے بھی نہیں، کئی کئی دن مسلسل کوشش کرنی پڑتی ہے، جب کہیں جاکر سواری کا ٹھیک ہوتا ہے. اور بڑے بڑے پختہ وعدے بار بار ٹوٹ لیتے ہیں جب جاکر روانگی کی نوبت آتی ہے۔ بعض عارفوں نے کہا ہے کہ حج ایک عبادت عشقیہ ہے۔ اس کے تمام ارکان و اعمال میں عاشقوں اور دیوانوں

کے سے کام کرنا پڑتے ہیں۔ یہ اگر صحیح ہے تو اس کے آثار اس سفر کے ہر جز میں ظاہر ہوتے رہتے ہیں، اور جن کو اپنے اوقات کی خوش نظمی اور اپنے پروگرام کی پختگی پر ناز رہتا ہے ان تک کو اپنے نظام اوقات کو بار بار بدلتے رہنے پر مجبور ہو ہو جانا پڑتا ہے۔ اللہ کے گھر کا سفر اللہ ہی کے ارادۂ تکوینی کے مطابق طے ہوتا ہے، اور بندہ کو ہر ہر لمحہ یاد دلایا جاتا رہتا ہے کہ کم سے کم اتنی دیر کے لیے تو اپنے ارادہ کو مغلوب کر کے اپنی بندگی، بیچارگی اور بے بسی کو محسوس کرنا سیکھ لے!

اونٹوں کے متعلق تو کوئی ذاتی تجربہ حاصل نہیں ہوا۔ یہ "جگ بیتی" صرف سنتے ہی رہے، البتہ لاریوں کے سلسلہ میں "جگ بیتی" بھی گزری، اور "آپ بیتی" بھی، جدہ میں جتنی موٹر کمپنیاں مدینہ منورہ کے لیے ہیں سب کے چھوٹے چھوٹے دفتر مدینہ میں بھی موجود ہیں، اور تار اور ٹیلیفون کے ذریعہ سے جدہ اور مدینہ برابر ہمکلام رہا کرتے ہیں، ہم نے جدہ سے جو لاریاں کی تھیں ایک مہینے کے لیے کی تھیں، اور حسب قاعدہ پورا کرایہ پیشگی دے چکے تھے، پہلی ذیقعدہ کو داخل ہوئے تھے ذیقعدہ کے آخری ہفتہ کی ابھی ابتدائی تاریخیں تھیں کہ بعض رفیقوں نے چلنے کی عجلت شروع کی، ان کا کہنا تھا اور یہ کہنا واجبی تھا کہ عین وقت کے وقت مکہ پہونچنے سے حج میں بے لطفی رہے گی۔

ماہ ذیقعدہ کا وسط گزرا، ۲۰ر تاریخ گزری، ۲۴ر گزری، ۲۵ر گزری سینکڑوں ہزاروں حاجی روانہ ہو گئے اور پچاسوں اور سینکڑوں ہر صبح اور شام روانہ ہونے لگے، دل خانہ کعبہ کی زیارت کے لیے بیتاب تھا، اور کون بدبخت ایسا ہوگا، جو ہر روز کعبہ کی طرف پانچ پانچ مرتبہ جھکے اور سجدہ کرے، اور اس کی زیارت و طواف کا ارمان دل میں نہ رکھتا ہو، لیکن آستان رسالت سے جدائی بھی ایسی شے نہ تھی جسے آسانی سے گوارا کر لیا جاتا، دن گزرتے گئے، تاریخیں ٹلتی گئیں، یہاں تک ذیقعدہ کی بالکل آخری تاریخیں آگئیں، اور اب تو بہر حال روانگی کی فکر کرنی ہی پڑی حرمین موٹر کمپنی کے دفتر میں کئی روز قبل سے اطلاع کر دی تھی کہ یکم ذی الحجہ تک لاریاں ضرور مل جائیں اور اس کا پختہ وعدہ بھی ہو چکا تھا، لیکن پہلی تاریخ آگئی، اور لاریاں نہ آئیں، ۲۷ر ذیقعدہ کو مسجد قبا جانا ہوا تھا اتفاق سے وہیں شیخ عبداللہ الفضل (بمبئی والے) مع اپنے حشم و خدم کے آگئے، اور بیچارے خود ہی اخلاق و محبت سے بڑھ کر ملے، علاوہ اور حیثیتوں سے ذی اختیار ہونے کے حرمین کمپنی کے مالکوں میں بھی ہیں، ان سے ذکر آیا کہ سواری ملنے میں دقت ہو رہی ہے، اسی وقت اپنے سکریٹری کو حکم دیا کہ سواری کا انتظام فوراً کیا جائے، اس کے باوجود بھی پہلی کو سواری نہ ملی! مجبوراً الفضل صاحب کے مکان پر جا کر پھر کہنا پڑا کمپنی کے منیجر عسلی کے نام اسی وقت خط لکھ دیا اس خط کے باوجود بھی کامیابی فوراً نہیں ہوئی، صبح وعدہ ہوتا تھا کہ دوپہر

کو لاری مل جائے گی، دوپہر کو شام کا وعدہ ہوتا تھا، اور شام کے وقت پھر صبح کا حوالہ دے دیا جاتا تھا، پہلی گزری، دوسری گزری، تیسری کو صبح ہوئی، اور آٹھ نو بجے کے درمیان ہمارے مزور کے ایجنٹ شیخ حسینی نے آکر خوشخبری سنائی کہ "لاری اسٹیشن پر ملے گی فوراً روانہ ہو" جلدی جلدی جس طرح بن پڑا، سامان باندھا، غسل کیا، احرام باندھا۔ مسجد نبوی اور روضہ انور سے رخصت ہوئے، اور کوئی گیارہ بجے تک سارا قافلہ اعرابیوں پر سوار اسٹیشن پہونچ گیا۔ اسٹیشن پہونچے تو یہاں کا منظر ہی دوسرا تھا۔ "یک انار و صد بیمار" کانوں سے سُنا تھا "یک لاری و صد سوار" آنکھوں سے دیکھا، ایک نفسی نفسی کا عالم، وہ ہجوم وہ کشمکش کہ میدان حشر کا بھولا ہوا نقشہ آنکھوں کے سامنے!

آتے میں تین لاریاں ملی تھیں۔ دو پر سواریاں سوار ہوئی تھیں، ایک خالی بہ نظر احتیاط ہمراہ تھی اور اسی پر سامان بھی لاد دیا گیا تھا، آج تین لاریوں کا خیال بھی نہیں آسکتا تھا، دو کے ملنے کی بھی توقع نہیں، ادھر کوئی لاری آتی ہوئی دکھائی دی، ادھر بغیر اس خیال کے کہ لاری کس کمپنی کی ہے اور کس کے لیے لائی گئی ہے، ہجوم بے تحاشہ اس پر حملہ آور ہوتا، بدزبانی اور دھکے تو معمولی بات تھی، نوبت اس سے بڑھ کر بھی آجاتی تھی۔ ہمارے لیے ایک لاری آئی، اور اس کے ساتھ بھی یہی ماجرا پیش آیا، عجمیوں کا ایک دستہ بے تحاشا اس پر ٹوٹ پڑا، ہم لوگ تو کیا مقابلہ کر سکتے تھے لیکن حسینی صاحب

نے ماشاء اللہ لاری پر سوار ہو کر پوری قوت سے مقابلہ کیا۔ اور گو اس معرکہ میں اتنے زخمی ہوئے کہ ہاتھ سے خون جاری ہو گیا، لیکن سعودی پولیس کے ہنٹروں کی اعانت سے بالآخر کامیاب رہے، غرض ایک لاری پر جوں توں قبضہ ہوا، لیکن اس کے بعد اب دوسری لاری عنقا تھی، گھنٹہ دو گھنٹہ چار گھنٹہ، دوپہر سے سہ پہر، اور سہ پہر سے شام ہو گئی، ظہر کے بعد عصر اور عصر کے بعد مغرب کی نماز بھی ختم ہو گئی، لیکن دوسری لاری کا انتظار ختم نہیں ہوا، گویا مدینہ سے رخصت ہو کر پھر بھی مدینہ ہی میں ہیں مسجد نبوی یہاں سے میل ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر ہے، گنبد خضرا تو دکھائی نہیں دیتا، البتہ مسجد نبوی کے مینار نظر آ رہے ہیں۔ اور دور ہی سے دل کو تسلی دے رہے ہیں ہر تھوڑی دیر کے بعد نگاہ ان کی طرف بے ساختہ اُٹھ جاتی ہے! عشاء کی نماز کے بعد یہیں میدان میں بستر لگائے گئے، ایک میلہ کی سی کیفیت ہے، عراقی، خراسانی، ہندی، مصری، سینکڑوں پردیسی یہاں سے وہاں تک بستر جمائے لیٹے ہیں۔ ۱۲ ذی الحجہ کی صبح سے پھر انتظار شروع ہوا، نو دس بجے کے قریب خدا خدا کر کے دوسری لاری ملی، مگر اس کے شوفر صاحب غائب تھے! گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کے مزید انتظار کے بعد وہ تشریف لائے، تو اب ضابطہ کی کارروائیاں شروع ہوئیں، خلاصہ یہ کہ عین دوپہر کو ٹھیک نماز ظہر کی اذان کے وقت لاریوں کو روانگی کی اجازت ملی، اور شہر مدینہ پاک کے پھاٹک سے قدم باہر ہوئے۔

ذی قعدہ کی پہلی تھی، جب اس پھاٹک سے اس نور و برکت والے شہر میں داخل ہوئے تھے۔ ذی الحجہ کی چوتھی کو اسی پھاٹک سے اس رحمت و مغفرت والے شہر سے باہر نکلے، جہاں ایک دن کا بھی قیام اگر میسر آجائے تو تقدیر کی یاوری اور ابرار و متقین کی نصیبہ وری ہے۔ وہاں ایک دن نہیں، دو دن نہیں اکٹھے ۳۳ دن کی حاضری ایک تباہ کار نامہ سیاہ کو نصیب ہو گئی! شان کریمی کے بھی عجیب عجیب انداز ہیں، جس مفلس کو چاہیں، دم بھر میں مالا مال کر دیں، جس تہی دامن کو چاہیں ایک پل میں نواز دیں، جس ریگستان کو چاہیں آن کی آن میں گلزار بنا دیں۔ جس آتشکدہ میں چاہیں چشم زدن میں پھول کھلا دیں، نہ کریم کا دست کرم کوتاہ ہونے والا ہے، نہ بخششوں کا خزانہ کبھی خالی ہونے والا ہے!

اے مبدل کردہ خاکے را بہ زر | خاک دیگر را نمودہ بوالبشر
کار تو تبدیل اعیان و عطا | کار ما سہو ست و نسیان و خطا
اے کہ خاک شورہ را تو نان کنی | وے کہ نانِ مردہ را تو جان کنی
اے کہ جان خیرہ را رہبر کنی | وے کہ بے رہ را کہ پیغمبر کنی

یہ داستان درد اس وقت نہ سنئے کہ وقت کی یہ بیش بہا گھڑیاں ضائع کس بیدردی کے ساتھ ہوئیں، سوال اس وقت یہ نہیں کہ اپنے سے کیا بن پڑا، بلکہ صرف یہ ہے کہ ادھر سے کیا کیا نوازشیں اور کیسی کیسی سرفرازیاں ہوتی رہیں! یہ نعمت کچھ کم ہے کہ حضوری کی توفیق اتنے

عرصے تک نصیب کردی گئی۔ عصر حاضرہ کے شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب سے ایک مرید نے شکایت کی کہ طائف میں چلہ باندھ کر روزانہ سوا لاکھ مرتبہ اسم ذات کا ذکر کرتا رہا اور کچھ ثمرات وانوار ظاہر نہ ہوئے، حضرت نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ "ارے میاں یہ دولت کچھ کم ہاتھ رہی کہ چالیس دن تک اللہ پاک کا نام سوا لاکھ مرتبہ روزانہ زبان سے نکلتا رہا"۔ بہرحال جو کچھ ہوا، وہ اپنے حوصلہ اور مرتبہ سے کہیں بڑھ کر!

اعتراف ہے کہ آنکھوں نے جس مدینہ کو دیکھا، وہ بیسویں صدی عیسوی کا مدینہ تھا، پہلی صدی عیسوی کے ربع اول کا مدینہ نہ تھا، صدیق و فاروق و عثمان و علی کا مدینہ نہ تھا، صحابہ و تابعین کا مدینہ نہ تھا، مجتہدین و آئمہ تصوف کا بھی مدینہ نہ تھا۔ ـــــ خزاں میں موسم گل کی توقعات ہی کسی چمن سے کیوں قائم کی جائیں؟ لیکن بایں ہمہ مدینہ پھر مدینہ تھا، آج نہ سہی کبھی تو اللہ کے پیارے اور اس پیارے کے پیاروں کا شہر رہ چکا ہے۔ اس دور یاجوجیت میں اگر کہیں کوئی جگہ بھی پناہ کی ہے تو بجز اس آستان پاک کے اور کہاں ہے؟ آج رخصتی اس دربار سے تھی! آج کوچ اس جنت ارضی سے تھا! آج فراق اس دیار حبیب کے گلی کوچوں سے ہو رہا تھا! آدم جس طرح جنت سے جدا ہوئے ہیں، اس قصہ سے سب واقف ہیں، لیکن ابن آدم کو جب فخر آدم و فخر نسل آدم کی گلیوں کو چھوڑنا پڑتا ہے

تو اس وقت اس کے دل پر کیا گزرتی ہے، یہ داستان کون سُنے اور کس کو سنائیے؟

باب (۱۹)

احرام پوشی

مدینہ میں ذی الحجہ کی پہلی تاریخ یکشنبہ کا دن تھا، صبح کے آٹھ بج چکے تھے کہ مزوّر کے یہاں سے اطلاع ملی کہ مکہ معظمہ کے لیے سواری کا انتظام ہو گیا ہے، فوراً روانہ ہو جاؤ، کیا بیان ہو کہ اس وقت دل کی حالت کیا تھی! ایک طرف یہ احساس کہ مدینہ سے جدا ہونے کی، آستانِ رسول سے دور ہونے کی گھڑی آ گئی، دوسری طرف یہ فکر کہ اب چلنے میں اگر کچھ بھی تاخیر کی، تو حج فوت ہو جانے کا اندیشہ ٹھہرنے کی تو اب کوئی صورت ممکن نہیں، لیکن چلنے پر دل کو ذوق و شوق کے ساتھ کیونکر آمادہ کر لیا جائے۔ پھر مزوّر کی طرف سے بار بار جلدی کی تاکید اور یہ دھمکی کہ چند لمحوں کی دیر بھی ممکن ہے کہ سواری پر کوئی دوسرا قبضہ کر لے، اور اپنے ہاتھ سے چھن جائے! بہرحال جس طرح بن پڑا

جلدی جلدی اسباب باندھا، جوں توں غسل کیا، کپڑے آتارے اور اس قسم کا لباس تھرتھراتے ہوئے ہاتھوں اور کپکپاتے ہوئے دل کے ساتھ زیب تن کیا، جو ناسوتی زندگی کے خاتمہ پر امیر، غریب، عالم، عامی زاہد و فاسق، بڑے اور چھوٹے، ہر مسلمان کے حصہ میں آتا ہے۔ آج نہ ٹوپی ہے، نہ عمامہ، نہ عبا ہے نہ شیروانی، نہ قمیص ہے نہ پاجامہ، صرف ایک چادر ہے اور ایک تہ بند! لباس کی کل کائنات آج صرف یہ دو بے سلے ہوئے کپڑے ہیں! اللہ کے دربار میں حاضری دینے والوں کی یہ وردی ہے! اللہ ری مشت خاک اور اس کے حوصلے! دیوانوں کو سودا یہ ہوا ہے کہ جو بے نشان ہے، اس کے نشان کا کھوج لگائیں گے باؤلوں کو دھن یہ سوار ہوئی ہے جو بلا مکان ہے اس کے مکان کے چکر کاٹیں گے! عارفوں نے کہا ہے کہ مدینہ کی حقیقت یہ ہے کہ وہ مقام عبدیت ہے۔ اور مکہ کی حقیقت یہ ہے کہ وہ مقام الوہیت ہے، رسول مکہ سے مدینہ کو آئے تھے، اور رسولؐ کے امتی آج حج رسول ہی کے اتباع میں مدینہ سے مکہ جا رہے ہیں، کیا شان حکمت ہے، اور کیا حسن صنعت! اللہ خود ہی اپنے بندوں کو اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچاتا ہے، اور پھر رسول ہی اللہ اور اللہ کے گھر کا راستہ دکھاتے ہیں!

مدینہ سے حج کے لیے روانہ ہونے والوں کا میقات (احرام

باندھنے کا مقام) مدینہ نہیں۔ ذوالحلیفہ ہے جو مدینہ سے باہر نکلتے ہی مل جاتا ہے[1]۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ مسجد نبویؐ میں احرام باندھ لینا افضل ہے۔ یہ صحیح نہیں، خود حضور انور نے ہی حج کو جاتے وقت احرام مدینہ میں نہیں بلکہ شہر سے نکل کر ذوالحلیفہ میں باندھا تھا، اسے اچھی طرح ذہن نشین کرلینا چاہیے، لیکن خیال یہ ہوا کہ قافلہ میں اتنے آدمی ہیں، مرد بھی عورتیں بھی سب کے غسل کرنے کی جگہ پردہ کی احتیاط کے ساتھ وہاں کہاں ملے گی اور پھر لاری والے اتنے آدمیوں کو باطمینان غسل سے فارغ ہونے کی مہلت کیوں دینے لگے؟ اس لیے مناسب یہی معلوم ہوا کہ غسل کرکے احرام یہیں سے پہن لیا جائے، باقی نیت احرام ذوالحلیفہ ہی سے کی جائیگی گویا باضابطہ احرام وہیں سے بندھے گا، نفل نماز وہیں پڑھی جائے گی، اور تلبیہ وہیں سے شروع ہوگا۔ احرام کے معنی حرام کرلینے کے ہیں، اور اسے احرام اس لیے کہتے ہیں کہ بہت سی چیزیں جو پہلے جائز تھیں، اس کے بعد حرام ہوجاتی ہیں، اور ان سے رک جانا پڑتا ہے، اس لیے کوئی شخص محض جامۂ احرام پہن لینے سے محرم نہیں ہوجاتا، بلکہ لازم ہے کہ نیت بھی احرام کی رکھے۔ غرض جھٹ پٹ، نہا دھو، احرام پہن مسجد نبویؐ در روضۂ اطہر پر رخصت ہونے کے لیے حاضر ہوئے، رخصتی کا یہ سماں بھی

---

[1] ناف شہر مدینہ سے یہاں تک فاصلہ ۶ میل کا ہے۔

شاید عمر بھر یاد رہے، آستانہ کے خادموں کی حسب توفیق کچھ خدمت کی گئی، ایک ایک سے دعائے خیر کے لیے التجا کی گئی آستانہ پاک پر الوداعی سلام عرض کیا گیا، روضۂ جنت میں آخری بار رکوع و سجود کا فخر حاصل کیا گیا، اور مصلیٰ نبی پر بیٹھ کر دل میں جو کچھ تھا، زبان پر آتا رہا اور پیمبر کے امتی کو جو کچھ عرض کرنا تھا، پیمبر کے رب کے حضور میں عرض کر دیا گیا۔

مدینہ سے رخصتی کا منظر بھی ایک خاص منظر ہوتا ہے، اگر یہ تشبیہ بالکل ہی سوء ادب اور گستاخی میں داخل نہ سمجھی جائے، تو یہ کہنے کو جی چاہتا ہے کہ گویا لڑکی ماں کے گھر سے رخصت ہو رہی ہے۔ یہ ذہن سے گڑھ کر نہیں کہا گیا۔ اپنی رفیقۂ حیات کے الفاظ کو دہرا دیا گیا، دوسروں کے حالات تو سنے سنائے ہیں، مگر اپنے قافلہ والوں کا حال تو دیکھا ہوا ہے کہ آنکھیں آنسوؤں سے لبریز، لبوں پر آہیں، چہرے اترے ہوئے، منہ پر ہوائیاں اڑتی ہوئی، بدحواس و پریشان مغموم و منتشر اور دل ہے کہ بھرتا چلا آرہا ہے، چلتے ہیں، اور پھر پیچھے مڑ کر دیکھتے ہیں، اور دیکھنے سے جی نہیں بھرتا جی یہی چاہتا ہے کہ یہ منظر کبھی بھی نظروں سے اوجھل نہ ہو، بہانے ڈھونڈھتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح کچھ دیر اور رکنا ہو جائے! عموماً سب کا یہی حال کم و بیش رہتا ہے بعض کو غش تک کی نوبت آجاتی ہے، کانوں سے سنا بھی

یہی اور آنکھوں سے دیکھا بھی یہی، لیکن ایک قسی القلب پنے قلب کی قساوت کا کیا بیان کرے، اس کی حالت سب سے الگ۔

اور سب سے مختلف رہی روضہ جنت میں مصلی نبی پر دعائیں کرتے وقت توخیر، قلب میں کچھ رقت رہی بھی، لیکن اس کے بعد اس قسم کی ساری کیفیتیں غائب۔ رنج وصدمہ الگ رہا، سرے سے جدائی کا احساس ہی نہیں یہ محسوس ہی نہیں ہو رہا ہے کہ کسی عزیز جگہ سے بچھڑ رہے ہیں، اور دل میں بجائے ہراس و پریشانی کے ایک طرح کی طمانیت و بشاشت — کریم کی کریمی کے بھی کتنے ڈھنگ ہیں! کسی کے سینے میں شوق و اشتیاق کے شعلے بھڑکائے جا رہے ہیں۔ اور کسی کو تسکین و تسلی کی تھپکیاں دی جا رہی ہیں! — کسی کو یہ صدمہ کہ دیارِ حبیب چھوٹ رہا ہے۔ کسی کو یہ مسرت کہ چھوٹ کہاں رہا ہے وہ تو گویا ساتھ ساتھ چل رہا ہے!

مدینہ آتے وقت تین لاریاں قبضہ میں تھیں۔ ابکی صرف دو ہی ملیں۔ مجبوراً انھیں دو پر سامان اور سواریوں کو تقسیم کرنا پڑا، سامان ہر چند بہت کچھ اونٹوں پر روانہ کر دیا تھا، پھر بھی جتنا ساتھ رہ گیا تھا بہت تھا، اور سامان کی زیادتی یوں تو ہر موقع پر مکلف ثابت ہوتی ہی رہی، لیکن اس وقت خاص طور پر کھل گئی، آتے وقت گرمی بھی ایسی زیادہ تیز نہ تھی، ۹، ۱۰/ اپریل تھی، اب موسم بھی اپنے شباب پر

آچکا تھا، مئی کی ۱۳ر تاریخ تھی، پھر سفر بھی ٹھیک دوپہر کے وقت شروع ہوا، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آتے ہوئے جو دونوں لاریاں ۱۳، ۱۲ سواریوں کی تھیں، ان میں سے ایک پر ہم کل دس آدمی تھے، اور دوسری پر گیارہ یہ عبدالرحمن الفضل صاحب کی خاص عنایت تھی، ابکی مرتبہ اس شدتِ ہجوم میں اس رعایت و عنایت کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ شیخ عبدالرحمان الفضل بیچارہ نے اسی رِعایت کی گنجائش ابکی بار بھی کی لیکن کمپنی کے منیجر علیؔ نے کمپنی کے مالک کی بھی پروا نہ کی، اور ہماری لاریوں میں پانچ اجنبیوں کو (جو غالباً یمنی تھے) زبردستی بٹھاکر ۲۶ کی تعداد پوری کر دی "صبر و شکر"، نہ سہی خالی "صبر" کرنا ہی پڑا اور اس کے سوا چارہ کیا تھا؟ ـــــ سرکش اور ناشکر گزار بندہ اللہ کے گھر کی حاضری کے لیے چلا ہے، انانیت اور راحت طلبی وتن پروری پھر بھی زندہ! کاش آج تو چار گھڑی کے لیے اپنی بندگی کا احساس ہو گیا ہوتا! ـــــ ۴ر ذی الحجہ یوم دوشنبہ کو عین اذان ظہر کے وقت مدینہ منورہ سے نکلے، اور موٹر کے لیے چھ سات میل کا فاصلہ ہی کیا دم کے دم میں ذوالحلیفہ پہونچ گئے جو اہل مدینہ کے لیے میقات یعنی احرام باندھنے کا مقام ہے عام زبانوں پر اس مقام کا نام بئرعلیؔ ہے۔ علی سے امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ مراد نہیں۔ کوئی اور صاحب اس نام کے ہوئے ہیں، حضور انورؐ نے یہیں سے حج کا احرام باندھا تھا۔ ایک چھوٹی سی مسجد بنی ہوئی ہے اور ایک کنواں، اور پانی اور چائے کی ایک آدھ چھوٹی سی دوکان بھی ہے۔ بس کل اس قدر

آبادی ہے، یہ وہ مقام ہے جہاں ہزارہا حاجی احرام باندھتے ہیں، اگر یہاں تو دو تو غسل خانے، زنانہ و مردانہ پانی کے نل کے ساتھ تعمیر کر دیئے گئے ہوتے تو حاجیوں کو کتنی آسائش ہو جاتی، اور کتنے اللہ کے بندوں کی زبان ہی سے نہیں، دل سے دعائیں نکلتیں، اور حکومت ہرگز زیر بار نہ ہو جاتی۔

احرام محض ایک خاص وضع کے کپڑے پہن لینے کا نام نہیں، اس کے بعد بہت سی جائز چیزوں سے رک جانا لازمی ہے، مثلاً منہ اور سر کو ڈھانپنا (عورت کے لیے صرف منہ کا ڈھانپنا) سلے ہوئے کپڑے پہننا، بدزبانی کرنا فحش چیزوں کی جانب اشارہ کرنا، جانوروں کا شکار کرنا، خط بنوانا ناخن ترشوانا، عطر اور تیل لگانا، وغیرہ۔ احرام ایک طرح کا کفن ہوتا ہے مردوں کا لباس پہن لینے کے بعد حیف ہے اگر انسان اس حد تک بھی اپنے نفس کو مردہ نہ کرلے! اسی لیے احرام کے ساتھ نیت احرام بھی ضروری ہے۔ طریق مسنون یہ ہے کہ پہلے غسل کیا جائے۔ یا اگر اس میں دشواری ہو تو وضو کافی ہے، اس کے بعد چادر اور تہمد پہن کر دو رکعت نماز ادا کرے۔ اور افضل یہ ہے کہ پہلی رکعت میں سورۂ کافرون، اور دوسری رکعت میں سورہ اخلاص (قل ھو اللہ احد) اس کے بعد جانماز پر بیٹھے ہی ہوئے حج، یا عمرہ یا دونوں کی نیت اپنے دل میں کرے

اور الفاظ ذیل زبان سے بھی ادا کرے ۔ اللھم اِنی ارید الحج فیسرہٗ لی وتقبلہٗ منی واعنی علیہ، وبارک لی فیہ نویت الحج واحرمت بہ للہ تعالیٰ ۔ یہ الفاظ دعائے احرام حج کے ہیں، اگر نیت عمرہ کی یا عمرہ و حج دونوں کی ہے تو دعا کے الفاظ میں بھی اسی مناسبت سے تھوڑا تھوڑا تغیر ہو جائے گا[ا]

نیت احرام کی کئی صورتیں ممکن ہیں، ایک یہ کہ محض حج کی نیت کی جائے، دوسرے یہ کہ عمرہ کی نیت کی جائے، تیسرے یہ کہ محض حج اور عمرہ دونوں کی نیت کی جائے، عمرہ گویا چھوٹا حج ہے جو سال بھر میں جب (بجز پانچ دنوں کے) اور جتنی بار جی چاہے، ادا کیا جا سکتا ہے، اس کے ضروری ارکان اس قدر ہیں کہ احرام کے ساتھ خانہ کعبہ کا طواف اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کر لی جائے، بخلاف اس کے حج سال میں صرف ایک ہی مرتبہ مخصوص وقت پر ہو سکتا ہے، اور اس میں علاوہ دوسرے سنن، مستحبات، واجبات کے احرام کے ساتھ عرفات میں حاضری اور اس کے بعد خانہ کعبہ کا طواف لازمی ہے امام شافعی کے نزدیک عمرہ بھی حج ہی کی طرح فرض ہے۔ حنفیہ کے ہاں فرض نہیں البتہ ایک اہم سنت کا درجہ رکھتا ہے ۔

ا یہ ساری گفتگو باب ۶ "ارکان احرام" کے تحت میں بھی آچکی ہے ۔

جو لوگ حج و عمرہ دونوں ادا کرنا چاہتے ہیں ان کے لیے یہی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ ایک ہی احرام سے عمرہ اور حج دونوں ادا کیے جائیں، یعنی عمرہ سے فارغ ہو کر احرام اتارا نہ جائے اور حج اسی احرام سے ادا کیا جائے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ عمرہ سے فراغت کر کے احرام اتار دیا جائے، اور جو چیزیں حالت احرام میں منع ہیں۔ وہ جائز ہو جائیں، اور اس کے بعد حج کے لیے از سر نو احرام باندھا جائے۔ پہلی صورت کو فقہاء قِران کہتے ہیں اور دوسری کا اصطلاحی نام تمتّع ہے۔ اور یہ نام غالباً اسی لیے رکھا گیا کہ تمتع کرنے والا۔ احرام عمرہ اور احرام حج کے درمیان ان چیزوں سے جو حالت احرام میں ممنوع ہیں متمتع ہو سکتا ہے۔ قِران و تمتع یہ دونوں ہی صورتیں محمود ہیں، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ ان دونوں میں نسبتاً افضل و اشرف کونسی ہے۔ امام ابو حنیفہ اور جمہور فقہا، حنفیہ کے نزدیک قِران افضل ہے اور امام مالک امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک تمتع کو افضلیت ہے، ہم لوگوں کے لیے قِران و تمتع میں عملاً کچھ زیادہ فرق نہ تھا، اس لیے کہ ۷ ذی الحجہ کی دو پہر ہو چکی تھی۔ تمتع کے معنی یہ تھے کہ ۷ کی شام تک مکہ معظمہ پہونچ کر طواف و سعی سے فراغت کر کے شب میں احرام اتار دیا جائے اور آٹھ کی صبح سے حج کے لیے پھر باندھ لیا جائے اور قِران کی صورت میں احرام مسلسل بندھا رہتا۔ صرف ایک دن یعنی ۷ ذی الحجہ کا فرق دونوں صورتوں کے درمیان پڑتا تھا۔ ہمارے

قافلہ میں جتنے صاحب ہمت مرد اور عورتیں تھیں، انھوں نے مولانا مناظر صاحب کی رہنمائی میں۔ قران کی نیت کی، لیکن ایک کم ہمت کے لیے احرام کی پابندیوں سے ایک دن کی بھی فرصت مل جانا غنیمت تھا۔ اس لیے اس نے تو تمتع ہی کی نیت کی، اور دو چار شخص اس کے ساتھ کے لیے بھی آمادہ ہو گئے۔

مولانا مناظر صاحب کو اللہ نے اپنے فضل و کرم سے ہر موقع پر افضلیت و استحباب کی دولتوں سے سرفراز رکھا۔ وہ غسل کے بعد اور ہم لوگ تازہ وضو کے بعد، مسجد میں داخل ہوئے پہلے نماز ظہر ادا کی، اس کے بعد احرام حج و عمرہ کی نیت کی، دو رکعت نماز پڑھی، اور زبان پر دعا کے وہ الفاظ آئے جو اوپر درج ہوئے ہیں، لیجیے اب پورے محرم ہو گئے، اور تلبیہ اسی وقت سے شروع ہو گیا۔ غلام، غلاموں کی مخصوص وردی میں ملبوس ہو کر آقا کے مکان کی طرف چلے اور قدم قدم پر آقا ہی کے تعلیم کیے ہوئے لفظوں میں پکارتے بھی چلے!

لبيك اللهم لبيك، لبيك لاشريك لك لبيك، ان الحمد والنعمة لك والملك لاشريك لك تلبیہ کے یہ الفاظ مسنون و ماثور ہیں، امام شافعی کے نزدیک کلمات اذان و تشہد کی طرح اس عبارت میں بھی کسی قسم کی کمی بیشی جائز نہیں، لیکن اکثر علمائے حنفیہ نے الفاظ کی رخصت دی ہے

اور بعض جلیل القدر صحابہ سے بھی الفاظ کا اضافہ منقول ہے[1]، اب ضروری ہوگیا کہ ہر نماز کے بعد اور اوپر چڑھتے اور نیچے اترتے وقت اور ایک دوسرے سے ملاقات کے وقت اور دوسری سواریوں کو آتے جاتے دیکھ کر، برابر انھیں الفاظ میں اپنے مطلوب اور سب کے مطلوب کو پکارا جایا کرے، مرد کو بلند آواز سے کہنا چاہیے، لیکن نہ اتنی آواز سے کہ شور وغل سے دوسروں کو تکلیف ہو[2]۔ ہر موقع پر تین بار ہو تو بہتر ہے کافی صرف ایک مرتبہ بھی ہے۔

جگ بیتی اور آپ بیتی میں بڑا فرق ہوتا ہے اب تک دوسروں کو احرام باندھتے اور احرام باندھے ہوئے دیکھا تھا خود احرام آج باندھا۔ ادھر مولانا مناظر صاحب سب کو نمازیں پڑھا رہے ہیں دعاؤں کے الفاظ بتا رہے ہیں اور ادھر اپنا دل دھڑکتا جا رہا ہے زبان سے جو کچھ ادا ہو رہا ہے اسے سب سن رہے ہیں۔ لیکن دل کیا کہہ رہا ہے؟ دل جو کچھ کہہ رہا ہے اسے کون سنے؟ اسے کون سن سکتا ہے؟ ہاں صرف وہی ایک سُن سکتا ہے اور سنتا ہے جو سب کی سنتا ہے، جو نااہلوں اور نادانوں کی سنتا ہے۔ جو محروموں اور شامت زدوں کی سُنتا ہے اور

---

[1] ملاحظہ ہو باب ”کام ان - احرام

[2] شریعت نے ہر موقع پر کتنا لحاظ بندوں کے حقوق کا اور کتنا اہتمام دوسروں کو اذیت و کلفت سے بچانے کا رکھا ہے

جو اُن کی سنتا ہے، جن کی کوئی بھی نہیں سنتا! اے سب کے سننے والے! تیرے ہاں محرم کا بڑا درجہ اور اونچا مرتبہ ہے۔ اس خدائی وردی کو پہن کر اس کے شرائط و آداب کا بجالانا، کیونکر ممکن ہوگا؟ گناہوں سے بچنا کیسے ہو سکے گا؟ تو نے حکم دیا ہے فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِی الْحَجِّ، ارکان حج تو شروع ہو گئے پر اس حکم کی تعیل پر کیسے قدرت ہوگی؟ آنکھ کی احتیاط اور زبان کی احتیاط ہم ایسوں کے بس میں کب ہے؟ مزاج اور زبان پر کس طرح قابو رکھا جا سکے گا؟ جس گھر کو تو نے اپنا گھر کہہ کر پکارا ہے اس کا صحن تو تیرے نام پر آگ میں کود پڑنے والے ابراہیمؑ اور تیری راہ میں اپنے کو ذبح کے لیے پیش کر دینے والے اسمٰعیلؑ کے قابل تھا جس گھر کو تو نے پاک قرار دیا ہے اس کے در و دیوار کو اپنے آنکھوں اور ہونٹوں سے لگانے والے تو صرف تیرے پاک و پاکیزہ، نکھرے اور ستھرے بندے ہی ہو سکتے ہیں، جس گھر کی طرف تیرے حبیب اور تیرے بندوں کے سردار نے دن کی روشنی اور رات کی تاریکیوں میں بے شمار سجدے کئے ہیں۔ اور بے گنتی اور بے حساب بار اپنے سر کو جھکایا ہے، اس کی چار دیواری تو صرف نور کے بنے ہوئے فرشتوں اور رحمت و مقبولیت کے سانچے میں ڈھلے ہوئے صدیقین و کاملین کے طواف کے لائق تھی، وہاں آج تو کس کو باریاب کر رہا ہے؟ کس ننگ خلائق کا دماغ عرش پہ پہونچا رہا ہے؟ کس گندہ اور ہر گندگی

سے گندہ تر کی زبان سے لبیک لبیک کہلا رہا ہے؟ یہ بیداری ہے یا خواب؟ اگر خواب ہے تو ہزاروں بیداریاں اس مبارک خواب پر قربان! اگر بیداری ہے تو کوئی حقیر و ذلیل، ناپاک مشت خاک اپنے جذبات کے ظاہر کرنے کے لیے لفظ و عبارت کہاں سے لائے۔

باب (۲۰)

جدّہ ــــ راہ مکّہ

وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ

سورۃ النحل رکوع اول میں پروردگار عالم کے انعامات کے ذیل میں (چوپایوں) کا ذکر ہے کہ وہ تمہاری سواریوں کا کام دیتے ہیں اور تمہارے بوجھ، تمہارے سامان و اسباب اس شہر تک لاد کر پہونچاتے ہیں، جہاں تم اپنی جانوں کو مشقت میں ڈالے بغیر نہیں پہونچ سکتے، آیت کی تفسیر میں ایک قول سلف سے یہ منقول ہے کہ "بلد" شہر سے مطلق بلد مراد نہیں، بلکہ متعین شہر مکہ مراد ہے۔ گویا ضمناً آیہ کریمہ سے یہ بھی نکل آیا کہ مکہ تک پہونچنا دشواریوں اور سختیوں کے بعد ہی ممکن ہے۔ پہلے زمانہ میں تو آیت کے اسی مفہوم کی واضح تصدیق قدم قدم پہ ہوتی ہی رہتی تھی

لیکن اب زمانہ بہت بدل گیا ہے۔ اب ہر طرح کی سہولتیں اور آسانیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ اب نہ بدویوں سے ہلاک ہو جانے کا ڈر ہے، نہ مال کے ضائع ہونے کا، اور نہ سامان راحت کی نایابی ہے، پھر بھی "شق الانفس" کم از کم ہمارے قافلہ کے لیے تو بے معنی تو نہیں، وسط مئی کا موسم عرب کی دھوپ لاری جیسی صبا رفتار سواری میں بھی ۴۰، ۴۵ گھنٹے کا راستہ پیاس کی شدت، مدینہ کے سرد پانی کے خوگر ہو جانے کے بعد اس کی نایابی پر حسرت لاریوں کے اندر کشمکش اور چپقلش بجائے شتربان کے موٹر بان (شوفر) اور ان کے نائب (کلینر) کی مجبورانہ ناز برداریاں یا سب کچھ اگر "شق الانفس" کی تفسیر نہیں تو اور کیا ہے؟

لیکن دکھ کا احساس کسے؟ اور اذیت کی پروا کس کو؟ کیا کسی کو یہ معلوم نہ تھا کہ چل کہاں رہے ہیں؟ اور بخت کا عروج اور نصیبہ کا اوج کس کو کہاں پہونچا رہا ہے، چل اس شہر کو رہے ہیں جس کو کسی نادان انسان نے نہیں، کسی سیاح جہاں گشت نے نہیں، کسی جغرافیہ نویس نے نہیں اور کسی نقشہ ساز نے نہیں، زمینوں اور آسمانوں کے پیدا کرنے والے نے لندن، پیرس کو چمک دمک اور جگمگاہٹ بخشنے والے برلن و نیویارک کو نیست سے ہست کرنے والے نے، اُمّ القریٰ یا سب بستیوں کی ماں کہہ کر پکارا ہے، "ماں وہ ہے" جس کے وجود کے بغیر اولاد کا وجود نہیں ہوتا۔

آج مکہ نہ ہوتا تو نہ کلکتہ ہوتا، نہ بمبئی، نہ لکھنو نہ دہلی، نہ لاہور نہ مدراس اور نہ چین نہ جاپان، نہ مصر نہ ہندوستان، نہ انگلستان نہ سارا فرنگستان! قدیم مفسرین کہتے ہیں کہ مکہ روئے زمین کا مرکز ہے، نادان فرنگی اپنے جغرافیہ پر نازاں اسے ایک جہالت کی بات سمجھ کر ہنستا ہے اور کہتا ہے کہ زمین تو کرہ کی شکل میں ہے۔ اس میں کسی ایک متعین مقام کو وسط قرار دینے کے کیا معنی؟ اس جاہل اور جاہلی کو مرکز کے معنی صرف جغرافی مرکز کے معلوم ہیں، اور اس کی عقل صرف اسی کو مرکز جانتی ہے جو مادی آلات پیمائش کے حساب سے سب کے وسط میں ہو، سو اول تو اس کے پاس اس حیثیت سے بھی اس مرکزیت کے عقیدے کے خلاف کوئی دلیل نہیں لیکن اس کے علاوہ "ام" کے معنی مرکز جغرافی کے ہیں کب؟ ماں کا کام تو اولاد کا وجود میں لانا اور ان کی پرورش و تربیت کرنا ہے، پھر اگر آج بھی سب کی ایمانی پرورش اور روحانی تربیت مکہ سے نہیں تو اور کہاں سے ہو رہی ہے؟ سارے شہروں اور سارے ملکوں ساری آبادیوں اور ساری بستیوں کے دین و ایمان کا مرجع اور تربیت و تزکیہ کا مرکز اگر مکہ نہیں تو کیا کوئی اور شہر ہے؟ رحمت کاملہ و قدرت مطلقہ نے اپنے آخری پیام رحمت کی بارش کے لیے کیا بجز اس سرزمین کے کسی اور کو چنا؟ اور اس پیام کا پیامبر، سب سے جامع، سب سے اہم، سب سے اکمل سب سے آخر پیام لانے والا، کہاں پیدا ہوا؟ کہاں پلا؟ کہاں بڑھا؟ کہاں

اس پر اس پیام کا نزول شروع ہوا، اور کہاں کی گلیوں اور وادیوں میں وہ ایک دن دو دن نہیں، تیرہ برس تک اسی پیام کی منادی کرتا رہا؟

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے حوالہ سے یہ روایت اکثر تفسیروں میں منقول ہے کہ جب اللہ کے حبیب و محبوب کو اس شہر سے ہجرت کرنی پڑی تو گھر سے نکلنے کے بعد اسی شہر کی طرف مڑ کر ارشاد ہوا۔

اَنْتَ اَحَبُّ بِلَادِ اللّٰہِ تَعَالٰی اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی وَاَنْتَ اَحَبُّ بِلَادِ اللّٰہِ تَعَالٰی اِلَیَّ وَلَوْلَا اَنَّ اَھْلَکَ اَخْرَجُوْنِیْ لَمْ اَخْرُجْ مِنْکَ۔

تو اللہ تعالیٰ کے تمام شہروں سے بڑھ کر اللہ کو محبوب ہے اور تو اللہ تعالےٰ کے تمام شہروں سے بڑھ کر مجھے بھی محبوب ہے اور اگر تیرے لوگوں نے مجھے نہ نکلنے پر مجبور کر دیا ہوتا تو میں خود تجھ سے نہ نکلتا۔

اس تصریح کے ساتھ اللہ کا محبوب ترین شہر اور اللہ کے رسول کا محبوب ترین شہر سوا مکہ کے اور کسے کہا گیا ہے؟ حدیث کی روایت کو بھی چھوڑیے خود کلام پاک میں کیا ارشاد ہوتا ہے۔؟

اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ ھٰذِہِ الْبَلْدَۃِ الَّذِیْ حَرَّمَھَا وَلَہٗ کُلُّ شَیْءٍ (النمل۔ ع)

مجھے صرف یہ حکم دیا گیا ہے کہ اس شہر کے رب کی عبادت کروں جس نے اسے حرمت والا بنایا اور ہر شے اسی کے لیے ہے۔

اللہ اکبر! مکہ والو، مکہ کے مسافرو، ذرا مکہ کی بڑائی دیکھنا! خود اپنا

تعارف مکہ کے ذریعہ سے کرایا جارہا ہے۔ اپنے متعلق ارشاد ہوتا ہے کہ "اس شہر (مکہ) کے پروردگار" اور پھر تصریح در تصریح کہ وہ مکہ کا رب ہی نہیں بلکہ وہ جس کے ہاتھ میں سب کچھ ہے مکہ کو پاک بھی کر چکا ہے اسے حرمت والا بھی قرار دے چکا ہے! اللہ نے لَآ اُقۡسِمُ بِهٰذَا الۡبَلَدِ میں اشارۂ خصوصی کر کے کس شہر کی عزت افزائی کی ہے! اَلۡبَلَدِ الۡاَمِیۡنِ کس شہر کا نام رکھا گیا ہے! بلداً آمناً سے کس شہر کی سرفرازی مقصود ہے بلدالحرام زبان نبوت میں کس شہر کے لیے ارشاد ہوا ہے؟ ابراہیم خلیل اللہ نے کس شہر کی آبادی کے لیے دعا کی تھی؟ ابراہیم اور اسمٰعیل اور ہاجرہ نے کس شہر میں اپنی مستقل یادگاریں چھوڑی ہیں؟ —— لاری کے پہیے تیزی کے ساتھ گھوم رہے تھے، اور ان کی ہر گردش کے ساتھ اللہ کا شہر اللہ کے حبیب کا شہر، اللہ کے خلیل کا شہر، اللہ کے ذبیح کا شہر! بیشمار اولیا و صدیقین کا شہر قریب تر ہوتا جارہا تھا۔

لَبَّیۡکَ اَللّٰهُمَّ لَبَّیۡکَ لَبَّیۡکَ، لَا شَرِیۡکَ لَکَ لَبَّیۡکَ اِنَّ الۡحَمۡدَ وَالنِّعۡمَةَ لَکَ وَالۡمُلۡکَ لَا شَرِیۡکَ لَکَ۔ ہر تھوڑی دیر کے بعد، دوسری سواریوں یا پیدل مسافروں کو دیکھ کر بلندیوں پر چڑھتے وقت نشیبوں میں اترتے وقت، منزلوں پر پہونچ کر نمازوں سے فارغ ہو کر لبیک لبیک کی صدائیں بلند ہوتی ہیں۔ ظہر کی نماز ذوالحلیفہ میں پڑھ چکے تھے

عصر، مغرب وعشاء کی نمازیں راستہ میں مختلف منزلوں میں ادا ہوئیں، قریب نصف شب کے بیر حسان پر پہونچے اور یہیں قیام ہوا، مدینہ جاتے ہوئے بھی شب اسی منزل پر گزاری تھی، آدھی رات کے بعد تھکے ماندے خوب خستہ ہو کر سونے کے لیے لیٹے تھے، فجر کی نماز اکثروں کی قضا ہوئی، جوں توں پڑھ کر پھر جلدی سے روانہ ہوئے آج سفر سارے دن کا ہے، یہ موسم تو خوب لُو چلنے کا ہے۔ لُو، ہندوستان ہی کی کس غضب کی ہوتی ہے چہ جائیکہ ریگستان عرب کی لو! لو سے بچنے کے لیے کچی پیاز بہت مفید ہے، قافلہ میں سب پیاز کی آنڈیاں ہاتھوں میں لیے ہوئے تھے اور کبھی کبھی سونگھتے بھی جاتے تھے، احرام کی حالت میں سر ڈھانپنے کی ممانعت جسم کا بہت سا حصہ بھی تیز ہوائیں بلا ارادہ بار بار کھل جاتا تھا، ان بے احتیاطیوں کے باوجود بھی اللہ کے فضل سے سارا قافلہ محفوظ رہا، نہ کسی کو لُو لگی نہ کسی کو بخار آیا، راستہ میں ایک لاری ٹھیک دوپہر کو کھڑی ہوئی ملی معلوم ہوا کہ بگڑ گئی ہے مصریوں کا قافلہ سوار تھا، اس میں ایک جوان عورت کو لُو لگ گئی ہے۔ بیچاری بے حال وبدحواس تھی اس کا شوہر اسے ہماری لاری پر لے آیا۔ اور اگلی منزل پر اُسے لے کر اتر گیا، خدا معلوم بعد کو کیا گزری، منزلوں پر طبی انتظام کسی قسم کا بھی نہ تھا، حالانکہ اس ہجوم کے زمانہ میں خصوصًا ایسے سخت موسم میں اس کی شدید ضرورت بالکل واضح تھی حکومت کے لیے راستہ میں دس بارہ شفا خانے قائم

کر دینے کچھ مشکل نہ تھے۔

مدینہ سے مکہ کو اونٹ جس راستہ سے جاتے ہیں وہ سیدھا راستہ ہے، ادھر جدہ نہیں پڑتا، موٹر کا راستہ جدہ ہو کر ہے اس لیے ہم لوگوں کو تو بہر حال یہی راستہ اختیار کرنا تھا، دن بھر کے سفر کے بعد شام کو جدہ کی روشنیاں نظر آنی شروع ہوئیں، اور عشاء کے اول وقت شہر میں داخل ہو گئے۔ لاریاں حرمین کمپنی کی تھیں، شوفر اپنی کمپنی کے موٹر خانے میں لاریاں لے گئے۔ اور وہیں ہمیں اُتار دیا۔ رات کا وقت، اجنبی مقام اپنے وکیل اور ان کے مکان کی اس وقت کہاں تلاش کی جائے اتنی عورتوں کے ساتھ، انہیں کہاں چھوڑا جائے؟ اور پھر اگر وکیل صاحب ہاتھ آ بھی گئے تو ایسے ناوقت وقت پر ہم لوگوں سے التفات کیوں فرمانے لگے؟ اس قسم کے سوالات شاید دیر تک دماغ کو پریشان رکھتے، لیکن آخر اسی جدہ میں منشی احسان اللہ صاحب بھی تو مع اپنے تمام اختیار واقتدار کے رہتے ہیں، فوراً وہ یاد پڑ گئے اور پتہ پوچھتے پوچھتے ان کے گھر جا پہونچا، گھر پر موجود مل گئے۔ اور ان کی ملاقات ہر مشکل کا حل تھی، وہی لطف و التفات، وہی توجہ و اخلاق، دس بیس منٹ کے اندر وکیل صاحب بھی مل گئے، سامان بھی سب اتر آیا، اور مردانی و زنانی سواریاں بھی سب بہ سہولت وکیل صاحب کے مکان تک پہونچ گئیں۔ قافلہ کے

اور لوگ صالح بسیونی کے مکان میں رہے تھے اور مولانا مناظر کو شیخ نصیف کے پر فضا چبوترہ کی چاٹ پڑ چکی تھی[1]۔ اور اس وقت کے گرم موسم میں تو اس کی اور زیادہ ہوس تھی، ہم دونوں ان کے ہاں پہونچے معلوم ہوا کہ شیخ مکہ جا چکے ہیں مجبوراً صالح بسیونی کے مکان کے نیچے میدان میں لیٹے لیکن اس میدان پر اس وقت انسانوں سے زیادہ اونٹوں کا قبضہ تھا، ساری رات انسانوں اور اونٹوں کی کشمکش اور چپقلش میں گزری، اونٹوں کا اتنا ہجوم عظیم پہلی بار دیکھنے میں آیا۔

جدہ اس وقت حاجیوں سے پٹا پڑا ہے، مسجدوں کے اندر، سڑکوں کے اوپر، دوکانوں کے نیچے زمین کا کوئی گوشہ خالی نہیں ۵ر ذی الحجہ ختم ہو چکی، اب حج کے دن ہی کے باقی رہ گئے، ہر شخص عجلت سے بیتاب اور لطف یہ کہ سب کو لاریوں ہی سے نہیں جانا ہے سیکڑوں ہزاروں بندگان خدا ایسے ہیں جو اونٹوں پر جائیں گے، اور کچھ ایسے بھی ہیں جو پا پیادہ روانہ ہوں گے! آفریں ہے ان کی ہمتوں پر، یہاں تو لاری کے باوجود بھی گھبراہٹ سوار ہے کہ دیکھئے ٹھیک وقت سے پہونچنا نصیب بھی ہوتا ہے یا نہیں، جوں توں کر کے ۶ر کی صبح ہوئی مدینہ

---

[1] ملاحظہ ہو باب ۸ - جدہ - راہ مدینہ "

کی طرح یہاں بھی تہجد کی اذان ہوتی ہے۔ خیر آج کی بدحواسی اور شدت خستگی میں اس وقت اٹھنا تو کیا نصیب ہوتا، البتہ نماز فجر کے لیے جب مسجد جانا ہوا تو دیکھا کہ مسجد نمازیوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی ہے، سبحان اللہ آج کے مجمع کا کیا کہنا۔ ہندی، مصری، مغربی خدا معلوم کس کس دیس کے آدمی جمع ہیں۔ وضع الگ، لباس الگ، قد و قامت الگ، رنگ و روپ الگ، البتہ سب کے سب نبیؐ کی امت، اور خدائے واحد کے بندے

دن نکلا اور لاریوں کا انتظام شروع ہوا، آج دن کا کھانا صبح سویرے ہی پیٹ بھر کر کھا لیا گیا۔ کہ خدا معلوم دوسرے وقت کھانے کا موقع کب اور کہاں آئے۔ مکہ میں چونکہ قیام بہت مختصر کرنا تھا اس لیے زائد سامان یہیں دکیل کی حفاظت میں چھوڑ دیا گیا، اور ضروری سامان ساتھ رکھ کر ہندستان کی گھڑیوں کے حساب سے، دن کے دس بجے ہماری لاریاں روانہ ہو گئیں جدہ سے جو لوگ سیدھے مدینہ منورہ جاتے ہیں اور ان کے لاریوں کے جو کرایہ پیشگی لے لیے جاتے ہیں، ان کرایوں میں جدہ سے مکہ تک کا کرایہ بھی شامل رہتا ہے

جدہ سے مکہ کا فاصلہ کوئی ۴۲، ۴۴ میل کا ہے[1]، اونٹ دو ڈیڑھ دن میں پہونچتے ہیں۔ اچھے موٹر دو ڈھائی گھنٹے میں، اور لاریاں تین

---

[1] ۴۵ میل مزید تحقیق کے مطابق۔

ساڑھے تین گھنٹے میں[1]. مکہ کا راستہ مدینہ کے راستہ سے نسبتاً بہتر ہے[2]
کہیں کہیں سڑک کوٹنے والے انجن (اسٹیم رولر) بھی دکھائی دیے، راستہ
میں دونوں طرف پانی اور شربت اور چائے کی دکانیں کثرت سے
موجود، شاید ایک جگہ شفاخانہ کا خیمہ بھی دکھائی پڑا تھا چھوٹے چھوٹے
پڑاؤ بکثرت درمیان میں ایک بڑی منزل جدہ یا بحرہ کی آتی ہے نماز ظہر
کے وقت یہاں پہونچے، خیموں اور شامیانوں کا ایک وسیع سلسلہ سڑک
کے دونوں طرف قائم۔ علاوہ چائے کے، کھانے کی دکانیں بھی موجود چاول
گوشت ترکاری، تربوز، جو چاہیے نوش فرمایئے، البتہ مدینہ کا سا پانی اب
کہاں مل سکتا ہے، اب اس کا خیال ہی چھوڑ دیجیے۔ گو اس کی یاد ہر مرتبہ
حسرت کے ساتھ آکر رہے گی، ایک بڑے قہوہ خانے میں چائے پی، اور
یہیں نماز ظہر بڑی جماعت کے ساتھ پڑھی۔ جدہ سے جو قافلے مکہ جا رہے
ہیں ان کے بھی بہت سے حاجی یہاں مل گئے۔ اور انھیں میں جدہ کے ساہوکار
سیٹھ جمال الدین فتنی بھی تھے جن کا ذکر خیر پہلے آچکا ہے۔ جدہ سے مکہ
تک سڑک پر سایہ کا نام نہیں، خشک جھاڑیاں البتہ جابجا نظر آتی ہیں
اور مکہ کے قریب کچھ نخلستان بھی نظر آئے۔

---

[1] سڑک بہتر ہو جانے سے اب موٹروں کو گھنٹہ سوا گھنٹہ لگتا ہے اور لاریوں کو دو گھنٹہ۔

[2] اب یہ سڑک بہت عمدہ ہو گئی ہے۔

ظہر کا اوسط وقت گزر چکا تھا، کہ زمین حرم کے حدود شروع ہو گئے جدہ سے آتے وقت مکہ سات میل رہتا ہے۔ کہ حدود حرم شروع ہو جاتے ہیں کہا جاتا ہے کہ جب حضرت آدم مکہ میں تشریف لائے تو اللہ نے شیاطین سے آپ کی حفاظت کے لیے ملائکہ کو نازل کیا، جنھوں نے مکہ کو چاروں طرف سے گھیر لیا، جو زمین اس حلقے کے اندر آگئی وہ حرم کہلاتی ہے۔ یہ روایت صحیح ہو یا نہ ہو بہر حال زمین حرم ہے خاص ادب و آداب کی سرزمین اور بزرگوں نے اس کے آداب یہ لکھے ہیں کہ اگر ممکن ہو تو اتنا فاصلہ پیادہ طے کرے، اور قدم اس مسکنت، فروتنی و تذلل کے ساتھ اٹھائے کہ جیسے کوئی عاجز و بے بس شہنشاہ کے دربار میں جا رہا ہے، لاری نشینوں اور کم ہمتوں اور ناتوانوں کو بھلا ان آداب کی کیوں توفیق ہونے لگی تھی، یہاں محض اس لیے ذکر کر دیا گیا کہ ہو سکے تو آئندہ عازمین حج اسے پیش نظر رکھیں، ان حدود میں داخل ہوئے تو مولانا مناظر کی قیادت میں سب نے یہ دعا یا مثل اس کے شاید کوئی دوسری دعا ہو بلند آواز سے پڑھی۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّ ھٰذَا حَرَمُکَ وَحَرَمُ رَسُوْلِکَ فَحَرِّمْ لَحْمِیْ وَعَظْمِیْ وَدَمِیْ عَلَی النَّارِ، اَللّٰھُمَّ اٰمِنِّیْ مِنْ عَذَابِکَ یَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَکَ	اے اللہ یہ تیرا اور تیرے رسول کا حرم ہے تو تو (اس کے طفیل میں) میرے گوشت اور میری ہڈیوں اور میرے خون پر آتش دوزخ حرام کر دیجیو، اور جس روز تو اپنے بندوں کو

وَاجْعَلْنِيْ مِنْ اَوْلِيَائِكَ وَ اَهْلِ طَاعَتِكَ وَتُبْ عَلَيَّ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ۔

اٹھائے تو تو اپنے عذاب سے مجھے محفوظ رکھیو اور مجھے اپنے اولیاء اور اہل طاعت میں داخل کر لیجیو۔ اور میری توبہ قبول کر لے بیشک تو بڑا توبہ قبول کرنے والا اور بڑا مہربان ہے۔

مناسک حج پر عربی میں صدہا تصانیف ہیں، فقہ کی ہر کتاب کا ایک لازمی جزو کتاب الحج ہوتا ہے۔ مولانا مناظر کے پاس ملا قاری کی شرح لباب المناسک تھی۔ اس موضوع پر حنفیوں کے لیے یہ جامع ترین کتاب ہے۔ اردو خوانوں کے لیے مولانا رشید احمد گنگوہی کا مختصر رسالہ زبدۃ المناسک بڑے کام کا ہے۔ دیکھنے میں چھوٹا، لیکن مفید و مستند معلومات سے لبریز ہم لوگوں کے ہاتھ میں اسی کے اوراق تھے۔ مولوی شاہ الیاس برنی صاحب کا سفرنامہ صراط الحمید بھی ضروری معلومات و مسائل سے خالی نہیں۔ گو اس کے اصلی مخاطب اہل تصوف ہی ہیں۔ مولوی شاہ سلیمان اشرف صاحب کی کتاب الحج بھی جامع و نافع ہے اور اردو میں سب سے زیادہ مفصل و مبسوط ہدایت نامہ مولوی منور الدین صاحب دہلوی کی کتاب الحج والزیارۃ (فتاویٰ عثمانی جلد ۶) ہے جو ہر دوسری کتاب سے بے نیاز کر دینے کے لیے کافی ہے اور اردو میں اپنے موضوع پر ایک بے مثل و نادر جامع تالیف ہے مولوی ابو الخیر خیر اللہ صاحب وکیل ہنمکنڈہ (دکن) نے بھی اپنے چند ورق کے رسالہ خیر المناسک میں حیرت انگیز اختصار کے ساتھ ضروری مسائل ادعیہ و اذکار

کو جمع کر دیا ہے، عازمان حج اگر اس قسم کی چیزیں اپنے ہمراہ رکھیں تو بہت سی لغزشوں اور فرو گزاشتوں سے جن پر بعد کو تاسف و ندامت ہوتی رہتی ہے بچ جایا کریں۔

باب (۲۱)

سوادِ مکہ

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِمَکَّۃَ مَا اَطْیَبَکِ مِنْ بَلَدٍ وَاَحَبَّکِ اِلَیَّ وَلَوْ کَانَ اَنَّ قَوْمِیْ اَخْرَجُوْنِیْ مِنْکِ مَا سَکَنْتُ غَیْرَکِ ۔ (ترمذی)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کہ تجھ سے زیادہ پاکیزہ کوئی شہر نہیں اور نہ کوئی شہر تجھ سے زیادہ مجھے محبوب ہے، اور اگر میری قوم والوں نے مجھے نکال نہ دیا ہوتا، تو میں تیرے سوا کہیں نہیں رہتا۔

حاضری اس پاکیزہ ترین شہر اور رسول خدا کے اس محبوب ترین شہر میں ہو رہی تھی۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَدِیٍّ قَالَ عبداللہ بن عدی کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ

رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّے اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاقِفًا عَلَی الْحَزْوَرَۃِ فَقَالَ وَاللّٰہِ اِنَّکِ لَخَیْرُ اَرْضِ اللّٰہِ وَاَحَبُّ اَرْضِ اللّٰہِ اِلَیَّ (ترمذی)	صلی اللہ علیہ وسلم کو حزورہ (مکہ میں ایک مقام کا نام ہے) میں کھڑے ہوئے دیکھا، اور آپ فرما رہے تھے کہ اے مکہ تو اللہ کی بہترین سرزمین ہے، اور اللہ کی نظر میں اللہ کی محبوب ترین زمین ہے۔

قدم اس بہترین شہر اور اللہ کے اس محبوب ترین شہر کی طرف بڑھ رہے تھے۔

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّے اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْمَ فَتْحِ مَکَّۃَ، اِنَّ ھٰذَا الْبَلَدَ حَرَّمَہُ اللّٰہُ یَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فَھُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَۃِ اللّٰہِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ وَ اَنَّہٗ لَمْ یَحِلَّ الْقِتَالُ فِیْہِ لِاَحَدٍ قَبْلِیْ وَلَمْ یَحِلَّ لِیْ اِلَّا سَاعَۃً مِنْ نَّھَارٍ فَھُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَۃِ اللّٰہِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ لَا یُعْضَدُ شَوْکُہٗ وَلَا یُنَفَّرُ صَیْدُہٗ وَلَا	ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمایا کہ اس شہر کو حرام قرار دیا، اللہ نے اس روز سے، کہ جس روز آسمان وزمین کی آفرینش کی، بس اس کی حرمت واجب ہے روز قیامت تک، اور ہرگز نہیں جائز ہوا اس کے اندر قتال مجھ سے قبل کسی کے لیے اور نہیں جائز ہوا خود میرے لیے، بجز ایک ساعت روز کے، پس واجب ہے اس کی حرمت یوم قیامت تک نہ کاٹا جائے گا درخت خاردار اس کے اندر اور نہ تعرض

يُلْتَقَطُ لُقَطَتُهَا اِلَّا مَنْ عَرَّفَهَا وَلَا يُخْتَلٰی خَلَاهَا۔ (بخاری مسلم وغیرہ)

کیا جائے گا۔ شکار سے اس کے اندر، اور نہ اس کے اندر گری ہوئی چیز اٹھائی جائے گی سوا اس صورت کے کہ اسے پہنچوایا جائے اور نہ کاٹی جائے گی گھاس اس کے حدود کے اندر۔

رحمت وفضل کی کشش اس سرزمین پر لیے جا رہی تھی، جہاں داخلہ کے یہ آداب اور یہ شرائط ہیں، اور جہاں کے احترام کو ان قیود سے سب پر واضح اور سب پر روشن کر دیا گیا ہے!

یہ قیود اور یہ آداب تو اللہ کی طرف سے ہر بندہ کے لیے ہیں اہل ادب اور اہل دل نے ازخود جو آداب ملحوظ رکھے ہیں ان کا کیا ذکر کیا جائے، اس تیرہ ساڑھے تیرہ سو برس کی مدت میں کتنے ہی ایسے گزرے ہیں، جو بغیر کسی رفیق اور بغیر کسی زاد وراحلہ کے اپنے کو محض تقدیر آلہی کے سپرد کیے ہوئے اس در پر حاضر ہوئے ہیں، کتنے ہی ایسے ہوتے ہیں کہ جو اثنائے سفر میں مسلسل روزے رکھتے ہوئے اور قدم قدم پر دوگانہ نماز ادا کرتے ہوئے اس سرزمین پر پہونچے ہیں! کتنے ہی ایسے گزر چکے ہیں، جو "خانہ" نہیں "صاحب خانہ" "بیت" نہیں "رب البیت" کے شوق دید میں، جھکتے اور گرتے ہوئے، سر کے بل

یہاں پہونچے ہیں، اور فرماتے ہیں کہ مسلمان حرم کو حرم اس لیے کہتے ہیں کہ اس کے۔

حرم را حرم بداں خوانند کہ اندروے مقام ست..... وابراہیم رادو مقام بودہ است، یکے مقام تن وے ودیگر مقام دلش، مقام تن مکہ ومقام دل خلت، ہر کہ قصد مقام تن وے کند از ہمہ شہوات ولذات اعراض باید کرد	اندر مقام ابراہیم ہے...... اور ابراہیمؑ کے دو مقام تھے ایک ان کے تن کا مقام اور ایک ان کے دل کا مقام، مقام دل کو خُلّت کہتے ہیں اور مقام تن کا نام مکہ ہے پس جو ان کے مقام تن کا قصد کرے لازم ہے کہ اپنے کو لذتوں اور خواہشوں سے خالی کرے۔

(کشف المحجوب)

یہاں احرام کی ظاہری ہی پابندیاں آسانی سے کس کے بس کی بات تھیں کہ ان باطنی پاکیزیوں کا خیال تک بھی آسکتا! یہاں زبان اور آنکھ اور ہاتھ اور پیر کب قابو میں تھے کہ دل ودماغ، تصور وخیال خواہش وارادہ کو قابو میں لانے کا دھیان بھی کیا جاتا! بس محض تن بہ تقدیر چل رہے تھے۔ اور چل کیا رہے تھے۔ بس کسی کا لطف بے نہایت دکرم بے حساب چلائے جارہا تھا۔ کیا شان رحمانیت وربوبیت ہے! یہ ہیبت وعظمت والی یہ عزت وجلالت والی زمیں جو شاید صرف انبیاء وملائکہ اور اولیاء وصدیقین کے لائق تھی، اس پر آج کس ننگ خلائق نامہ سیاہ کو لایا جارہا ہے!

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَتِ الْاَنْبِیَاءُ تَدْخُلُ الْحَرَمَ مُشَاةً حُفَاةً وَیَطُوْفُوْنَ بِالْبَیْتِ وَیَقْضُوْنَ الْمَنَاسِكَ حُفَاةً مُشَاةً (ابن ماجہ باب دخول الحرم)	حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ حضرات انبیاء حرم میں داخل ہوتے تھے تو پاپیادہ اور برہنہ پا اور خانہ کعبہ کا طواف اور ارکان حج پیدل ننگے پاؤں ہی ادا کرتے تھے۔

اللہ اکبر! یہ اداب واحترام، حضرات انبیاء علیہم السلام کر رہے ہیں، جو خود اس مرتبہ کے ہیں کہ جن وبشر الگ رہے، فرشتے تک ان کی تعظیم کرتے ہیں! ان آنکھوں والوں نے کیا کچھ دیکھا ہوگا! ان بصارت وبصیرت والوں کو کیا کچھ نظر آیا ہوگا! اندھے اگر خود دیکھ نہیں سکتے تو دیکھنے والوں کی پیروی تو کرسکتے ہیں۔ سرزمین کی پاکی، اور اللہ کے شہر کی کبریائی کا یہ مرتبہ، کہ پاکوں کے پاک اور بڑوں کے بڑے جب داخل ہوتے تو سواریوں سے اُتر کر اور جوتیوں کو اتار کر! ایک ادب ان باادبوں کا تھا، اور ایک ادب ہم بے ادبوں کا ہے کہ نہ چند منٹ کے لیے بھی سواری سے اترے، اور نہ چند قدم کے لیے بھی جوتے اتارے! ارے یہ مقام تو وہ تھا کہ پیروں سے جوتیاں اتارنا تو کیا تن سے سر اتار کر رکھ دیا جاتا تو اہلِ دل اور درد اس نذر کو کہیں ہلکی اور اس سودے کو کہیں ارزاں سمجھتے!

متاعِ وصلِ جاناں، بس گراں ست
گر ایں سود ابجان بودے چہ بودے!

ہندوستان کی گھڑیوں کے حساب سے ساڑھے تین پونے چار کا وقت ہوگا کہ لاریاں اپنے ارسٹیشن پر پہونچ کر رک گئیں، اور سامنے شہر مکہ کی عمارتیں نظر آنے لگیں۔ ہمارے معلم عبدالقادر سکند کو ہمارے پروگرام کی پوری اطلاع تھی، چند منٹ کے انتظار کے بعد ایک گدھے پر سوار آتے دکھائی دیے۔ اور ہم لوگ ان کی معیت و رہنمائی میں روانہ ہوئے۔ مولوی شاہ لطف اللہ صاحب کی پانچ آدمیوں کی جماعت یہاں سے علیحدہ ہو گئی۔ اور ہم سولہ مرد و زن چار اعرابیوں پر سوار ہو کر چلے حرم شریف کا نیز حیدر آبادی رباطوں کا فاصلہ یہاں سے ڈیڑھ دو میل تھا، اور وسط مئی کی دھوپ بھی خاصی تیز تھی، پھر زنانہ قافلہ کا ساتھ، سواری کرنا ناگزیر تھا، ٹھہرنے کے لیے متعدد مقامات پیش نظر تھے، اور سب سے بڑھ کر مولوی محمد سلیم صاحب کا خلوص و محبت سے بھرا ہوا دعوت نامہ مدرسہ صولتیہ سے متعلق موجود تھا لیکن معلم سے معلوم ہوا کہ مدرسہ کا فاصلہ حرم سے اچھا خاصا ہے۔ پنج وقتہ حاضری نہ ہو سکے گی۔ اس لیے طے پایا کہ پہلے رباط حیدر آبادی میں چل کر قیام کیا جائے۔ اس کے بعد دیکھا جائے گا۔ یہ رباط مسفلہ میں واقع ہے۔ کئی درجوں کی وسیع عمارت مگر اس وقت ماشاء اللہ خوب کھچا کھچ بھری ہوئی ہے۔ اس کے مہتمم داروغہ حبیب اللہ صاحب خوش خلق، مستعد، کارگزار خدمت کر کے خوش ہونے والے۔ حرم سے یہ عمارت کوئی تین فرلانگ کے

فاصلہ پر، نہر زبیدہ کا ایک پائپ عین اس کے دروازہ پر، اور یہ مکہ کے لیے ایک خاص نعمت ہے۔ ہندوستان والوں کو پانی کی اس اہمیت کا اندازہ کہاں؟

سکندر" ذوالقرنین" تو کہتے ہیں کہ حضرت خضر کی رہنمائی کا محتاج تھا، یہ سکندر" مطوف" خود ہادی و رہنما بن کر، ہمراہ ہوئے۔ گدھے پر سوار، ہماری اعرابی کے ساتھ ساتھ بآواز بلند دعائیں پڑھتے جاتے ہیں اور ہم لوگ انھیں الفاظ کو دہراتے جاتے ہیں، اب تو یہ خیال نہیں کہ انھوں نے کونسی دعائیں پڑھائی تھیں۔ البتہ کتابوں میں اس قسم کی دعائیں منقول ہیں۔

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ وَاَنَا عَبْدُكَ جِئْتُ	اے میرے معبود! تو میرا پروردگار اور میں تیرا
لِاُؤَدِّیَ فَرَائِضَكَ وَاَطْلُبُ رَحْمَتَكَ	بندہ ہوں، میں آرہا ہوں کہ تیرے مقررہ فرائض
وَاَلْتَمِسُ رِضَاكَ مُتَّبِعًا لِاَمْرِكَ	ادا کردوں۔ میں تجھ سے تیری رحمت کی طلب
رَاضِیًا بِقَضَائِكَ، اَسْاَلُكَ مَسْئَلَةَ	کرتا ہوں اور تیری رضا کی درخواست کرتا ہوں
الْمُضْطَرِّیْنَ اِلَیْكَ، الْمُشْفِقِیْنَ مِنْ	تیرے حکم کا پیرو ہوں، تیری تقدیر پر راضی ہوں
عَذَابِكَ، الْخَائِفِیْنَ مِنْ عِقَابِكَ	میں تجھ سے التجا کرتا ہوں جس طرح کہ اہل اضطرار
اَنْ تَسْتَقْبِلَنِیَ الْیَوْمَ بِعَفْوِكَ وَ	التجا کرتے ہیں اور جسطرح تیرے عذاب سے ڈرنے
تَحْفَظَنِیْ بِرَحْمَتِكَ وَتَجَاوَزَ عَنِّیْ	والے، اور تیری گرفت سے خوف کھانے والے

بِمَغْفِرَتِكَ، وَيُعِينَنِي عَلٰى أَدَاءِ فَرَائِضِكَ. اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ وَأَدْخِلْنِيْ فِيْهَا وَأَعِذْنِيْ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ۔

التجا کرتے ہیں، کہ تو مجھ سے اپنے عفو کے ساتھ پیش آئے اور اپنی رحمت کے ساتھ میری حفاظت کرے۔ اور میرے ساتھ اپنی مغفرت کا معاملہ کرے۔ اور اپنے مقرر کئے ہوئے فرائض کے ادا کرنے میں میری مدد فرما۔ اے اللہ! میرے اوپر اپنے رحم کے دروازہ کھول دے اور مجھے شیطان مردود سے بچائے رکھ!

مکہ علاقہ حجاز ہی کا نہیں، سارے ملک عرب کا سب سے بڑا شہر ہے اور ہندوستان کے معیار سے بھی اس کا شمار کچھ ایسے چھوٹے شہروں میں نہیں، لوگوں سے سننے میں آیا کہ کوئی ڈیڑھ لاکھ کی مستقل آبادی ہے اور حج کے موسم میں تو یہ آبادی دوگنی بلکہ ڈھائی گنی ہو جاتی ہے۔ اونچے اونچے پختہ مکانات، کہیں کہیں عالیشان حویلیاں، بڑے بڑے بازار ہر قسم کے کپڑے کھانے، برتن، جوتے، بساط خانے، صرافہ کی دوکانیں بکثرت، شب میں بجلی کی روشنی کی جگمگاہٹ، چائے اور قہوہ کا تو ذکر ہی بے کار ہے، ذکر کے قابل برف اور شربت کی دوکانیں ہیں۔ طرح طرح کے خوش رنگ شربت قدم قدم پر موجود، اور کہیں کہیں برف بھی۔ یہ

معلوم نہیں ہوتا۔ کہ عرب میں ہیں بس یہی معلوم ہورہا ہے کہ ہندوستان کے کسی "مہذب و متمدن" شہر میں چل رہے ہیں۔ البتہ سڑکوں کا کوئی معقول انتظام نہیں، پختہ سڑک کا برائے نام وجود، عدم کے مساوی ہجوم اور چپقلش کا کیا پوچھنا۔ ایسے ہنگامہ میں، سکندر صاحب کی آواز بھی پوری طرح پہونچنی ممکن نہ تھی۔ پھر بھی "معلم" صاحب اپنی تعلیم شروع کر چکے تھے اور ادھر سے بھی اپنی والی کوشش یہی تھی کہ شمار بہت نالائق شاگردوں میں نہ ہو۔

لیکن مکہ کے بازاروں کی یہ رونق اور یہ آبادی ــــــ آہ اس دردِ دل کو الفاظ کے واسطہ سے کیونکر ظاہر کیا جائے۔ مسلمانوں کی ترقی نہیں، اپنوں کی ترقی نہیں، مکہ و مدینہ کی ترقی نہیں، حجاز کی ترقی نہیں، حجاز کی نہ سہی، مصر و شام، مراقش و طرابلس، عراق و ایران، بخارا اور افغانستان کسی اسلامی ملک کی ترقی نہیں۔ بلکہ تقریباً تمام تر فرنگیوں کی ترقی ہے۔ بیگانوں کی ترقی ہے۔ امریکہ و جرمنی، انگلستان و اٹلی کی ترقی ہے۔ ہر دوکان پر جو لاکھوں روپئے کا سامان نظر آرہا ہے۔ یہ شال اور پشمینے، یہ کمبل اور یہ چادرے، یہ موزے اور یہ دستانے، یہ مفلر اور یہ کالر، یہ سوئٹر اور یہ بنیائن، یہ مخمل اور یہ اطلس، یہ جوتے اور یہ ٹوپیاں پمپ اور یہ گرگابیاں، اور یہ موٹروں کے ٹیوب اور لاریوں کے ٹائر

یہ بجلی کے قمقمے اور گیس کے ہنڈے اور یہ تیل کے پیپے اور یہ عطر کی شیشاں یہ سگار اور دیا سلائیاں، یہ مربے اور جیلیاں یہ گلاس اور پلیٹیں یہ رومال اور جانمازیں اور یہ ہر قسم کے خوشنما سامان کا ڈھیر، کاش اس کا کوئی حصہ تو اپنوں کا ہوتا. کاش یہ تو نہ ہوتا کہ اپنوں کی جیب سے سارے کا سارا انکل مانچسٹر اور لنکاشائر. لیورپول اور گلاسکو، شیفلڈ و برمنگھم ایمسٹرڈم و اسٹاکھام، واشنگٹن اور شکاگو کی کوٹھیوں اور کارخانوں بینکوں اور خزانوں میں منتقل ہوا چلا جا رہا ہے! یہ ٹھیک ہے کہ بغداد کی عبائیں اور دہلی کے جوتے بھی موجود ہیں، لیکن جہاں ہزاروں کی دہائیوں اور لاکھوں اور لاکھوں کی دہائیوں کے نفع بیگانے حاصل کر رہے ہوں وہاں اگر سینکڑوں کی رقم اپنوں کی جیب میں آئی بھی تو کیا آئی، کس کو اس پر خوشی ہوگی، اور کون اس کا ذکر فخر سے کرے گا؟

أَوَلَمْ نُمَكِّن لَّهُمْ حَرَمًا آمِنًا يُجْبَىٰ إِلَيْهِ ثَمَرَاتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّن لَّدُنَّا (قصص، ع ۶)	کیا ہم نے ان لوگوں کو امن والے حرم میں جگہ نہیں دی، جس کی طرف ہر طرح کے میوے کھنچے چلے آتے ہیں، جو رزق ہے ہماری طرف سے،

تلاوت میں آیہ کریمہ خدا معلوم کتنی بار نظر سے گزر چکی تھی، لیکن اس کا مفہوم پوری طرح، مکہ معظمہ میں حاضری کے بعد ہی واضح ہوتا ہے،

ایک بے آب وگیاہ ملک، ہر طرف ریگ وریگستان، پتھر اور خشک چٹانیں سبزی وشادابی کا کوسوں کیا معنی منزلوں پتہ نہیں، کنوئیں کا وجود عنقا، اور جھیل اور تالاب کا تو نام بھی کسی کے کان میں نہ پڑا ہوگا۔

موسم کی گرمی، لو کی لپٹ، دھوپ کی تیزی اس پر مستزاد، ایک طرف خشکی کے یہ سارے سامان، اور دوسری طرف تازہ پھلوں اور شاداب میووں کی وہ کثرت کہ بمبئی کے کرافرڈ مارکٹ یا دہلی کی فتحپوری کی دوکانوں کا دھوکا ہونے لگے! کھیرا ککڑی، سردہ، کیلا، تربوز، خربوزہ، کدو، لوکی نارنگی، سنگترہ، انار، انگور، سیب، ناشپاتی، کشمش، لیموں، چیکو شفتالو، آلو بخارا، خوبانی، موجود ہی نہیں بلکہ تر وتازہ، سبز وشاداب شکل میں موجود! یہ اگر محض مکہ کی کرامت اور رب کعبہ کا کرم نہیں تو اور کیا ہے؟ اسباب ظاہری کے لحاظ سے تو اس کا خیال بھی نہیں ہوسکتا تھا۔ رزقا من لدنا (یہ ہماری طرف سے بلاتائید اسباب طبیعی وبغیر مساعدت تدابیر ظاہری مکہ والوں کے لیے رزق ہے) جس سچے نے کہا ہے حرف بہ حرف سچ کہا ہے، اور وہی ایک سچا اتنے بڑے دعوے کی بے دھڑک ہمت بھی کرسکتا تھا۔ جس سرزمین میں کچھ بھی نہ پیدا ہوتا ہو، وہاں یہ سب کچھ موجود ہونا۔ اور دعوے کے ساتھ اس حقیقت کا اعلان کردینا، قرآن مجید کی صداقت کا وہ مستقل معجزہ ہے جس کا مشاہدہ دنیا ساڑھے تیرہ سو برس سے مسلسل کرتی چلی آرہی ہے۔ اور خدا جانے آئندہ کب تک کرتی چلی

جائے گی۔

باب (۲۲)

حرم شریف

مکہ مکرمہ میں حاجیوں کے ٹھہرنے کا عام دستور یہ ہے کہ اپنے معلم کی معرفت کرایہ کے مکانوں میں اُترتے ہیں، مکانات کے کرائے عموماً تو کچھ ایسے گراں نہیں رہتے، لیکن اس ہجوم کے زمانہ میں ظاہر ہے کہ اپنے جائز حدود کے اندر کیونکر محدود رہ سکتے ہیں ؟ مالکان مکانات کی خاطر خواہ آمدنیوں کا یہی زمانہ ہوتا ہے، منہ مانگے کرائے ملتے ہیں، اور پھر معلم صاحبان اپنے "حقوق" سے ایسے خداداد موقع پر کیوں دست بردار ہونے لگے کرائے عموماً روپیوں کے حساب سے نہیں، گنیوں کے حساب سے طے ہوتے ہیں ہمارے معلم عبد القادر سکندر نے جو ہندوستان سے ہمارے ساتھ ہی اس جہاز پر خود بھی مکہ چلے تھے۔ ہم سے بمبئی میں بکمال عنایت فرمایا تھا کہ وہ ہمارے لیے ایک بہت ارزاں مکان دس پندرہ گنی میں تلاش فرمادیں گے لیکن ہم کو بحمد اللہ ان کی عنایت سے مستفید ہونے کی ضرورت نہیں پڑی، اللہ کے گھر میں میزبانوں کی کیا کمی، مدرسہ صولیتہ، مدرسہ فخریہ عثمانیہ اور حیدر آباد

کی رباطیں متعدد ٹھکانے ہمارے ٹھہرنے کے تھے اور صلاح یہ قرار پائی کہ سب سے پہلے رباط حیدر آباد کو چل کر دیکھا جائے، چنانچہ وہیں کے لیے ہمارا قافلہ، اعرابیوں پر سوار اپنے معلم کی رہنمائی میں چل رہا تھا۔۔۔۔۔ یہ خوب واضح رہنا چاہیئے کہ ہر شخص کو ایسی سہولتیں یسر آجانا ممکن نہیں عموماً حاجیوں کو اپنے ٹھہرنے کا سارا انتظام اپنے معلم ہی کی معرفت کرنا ہوتا ہے اور مکہ میں کرایہ مکان کے لیے ایک معقول رقم اپنے پاس رکھنا ضروری ہے۔

آج سے خدا معلوم کے ہزار برس قبل اللہ کا حکم اللہ کے خلیل کو ملا تھا کہ:۔

وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِن كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ (الحج)	لوگوں میں پکار دے حج کے لیے وہ آئیں گے تیری طرف پیدل بھی اور ہر طرح کی دبلی سواریوں پر بھی، جو ہر دروازہ کے راستہ سے آتی ہوں گی۔

اب تک آیت کے محض الفاظ کا مطالعہ ہوا تھا، معنی کا مشاہدہ آج شروع ہوا خدا معلوم آس پاس سے آنے والے کتنے پا پیادہ، اور دور دراز سے آنے والے کتنے سواریوں پر، ساتھ ساتھ چل رہے ہیں۔ دس بیس ہوں سو پچاس ہوں تو کوئی گننے کی کوشش بھی کرے، ٹڈی دل کے شمار

کرنے کی ہمت کوئی کہاں سے لائے! عزیمت اور حوصلہ والے پاپیادہ ہیں رخصت اور اجازت والے سواریوں پر سوار ہیں، اونٹ اور اونٹنیاں بھی ہر قسم کی خوش رنگ بھی، بدرنگ بھی، بڑی بھی چھوٹی بھی، وحشی بھی، شائستہ بھی، سفید بھی، سیاہ بھی، سرخ بھی بادامی بھی، مگر سب کی سب فرط مشقت سے چور چور (علی کل ضامر) اور آنے والے کہاں کہاں کے؟ کوئی ایک دو ملک ہوں تو نام گنائے جائیں. نجد کے یمن کے، عراق کے شام کے مصر کے، اناطولیہ کے فلسطین کے کردستان کے، سوڈان کے طرابلس کے، مراقش کے زنجبار کے، حبشہ کے ٹیونس کے ایران کے، افغانستان کے، بلوچستان کے بخارا کے، ترکستان کے چین کے، جاوا کے، برما کے حیدرآباد کے، سیلون کے دہلی کے، لکھنؤ کے اور خدا معلوم دنیا کے کن کن گوشوں کے رہنے والے اور روئے زمین کے کن کن حصوں کے بسنے والے من کل فج عمیق کی تفسیر کا مشاہدہ کرانے کو موجود!

بیرون شہر کا حصہ جب تک طے ہوتا رہا غنیمت رہا. شہر کے اندر داخل ہوتے ہی ہجوم کی بھی زیادتی شروع ہوئی. یہاں تک کہ جب اس موڑ پر پہونچے جہاں سے محلہ مسفلہ کے حدود شروع ہوتے ہیں. تو اونٹوں اور انسانوں کی وہ چپقلش تھی کہ راستہ ملنا کسی طرح آسان نہ تھا. عصر کا وقت شروع ہوچکا تھا. ادھر یہ عجلت کہ منزل پر جلدی سے پہونچ، اسباب رکھ رکھا

کسی طرح حرم تک جا پہونچیں اور ادھر ہجوم ہے کہ راستہ کو ناقابل گزر بنائے ہوئے ہے۔ منیٰ کے جانے کا مسنون وقت ۸ ذی الحجہ کی صبح ہے) اور عرفات تو ۹ کی دوپہر تک پہونچنا چاہیئے، لیکن جلد بازوں اور سنت رسول سے بے پروائی برتنے والوں نے سیکڑوں ہزاروں کی تعداد میں آج ۷ ذی الحجہ ہی سے روانہ ہونا شروع کردیا ہے، اور ان قافلوں نے راستہ کی چپقلش اور زیادہ بڑھا رکھی ہے) دو منٹ چار منٹ، بیس منٹ چوراہے پر کھڑے کھڑے ایک مدت گزر گئی اور سکندر معلم جو راستہ کے صاف کرنے میں لگے ہوئے تھے، خود بھی کہیں غائب ہوگئے، ایک ایک منٹ بھاری ہو رہا ہے لیکن کس کے بس کی بات ہے؟ —— سعودی پولیس آخر کہاں ہے؟ کیا راستہ کا انتظام اور ہجوم کو قابو میں رکھنا حکومت کے فرائض میں داخل نہیں؟ اور وہ پولیس جو مدینہ منورہ میں زیارت روضۂ اطہر کے وقت اپنی زندگی اور اپنی قوت کا ہر لمحہ اور ہر آن ثبوت دیتی رہتی تھی، آج ان "بدعتوں" کے روکنے کے وقت جن کا تعلق کسی مخصوص فرقہ کے عقائد سے نہیں بلکہ حنفی و حنبلی، بدعتی و وہابی سب کے لیے یکساں ہے، جیسے سرے سے غائب و معدوم ہی ہوگئی۔

خدا خدا کر کے مشکل آسان ہوئی، سکندر پھر نظر پڑے، اور ابکی ان کے ہمراہ مہتمم رباط، داروغہ حبیب اللہ بھی تھے، بیچارہ، ہم نو واردوں

اور اجنبیوں کی پیشوائی کے لیے یہاں تک آگئے۔ ان دونوں کے مشورے سے ہم سب لوگ جن میں بوڑھے اور کمزور مرد، اور بوڑھی اور کمزور عورتیں بھی تھیں اپنی اپنی سواریوں سے اترے اور مجمع کے اندر گھستے پلتے پیدل روانہ ہوئے، اسباب بدستور اعرابیوں پر لدا ہوا پیچھے پیچھے تھا، اور اسی طرح فرلانگ ڈیڑھ فرلانگ کی مسافت طے کر کے رباط تک پہونچے۔ رباط ایک اچھی وسیع دو منزلی عمارت ہے اور سب سے اوپر کھلی ہوئی چھت عین دروازہ پر نہر زبیدہ کا نل لگا ہوا ہے جو یہاں کے لیے ایک خاص نعمت ہے، خالی زمانہ میں کوئی یہاں آئے، تو بڑی راحت اور آسائش سے ٹھہر سکتا ہے، اس وقت یہ حالت کہ عمارت کا چپہ چپہ اور گوشہ گوشہ حاجیوں سے گھرا ہوا، اور نیچے کمرہ، برآمدہ، ہر جگہ رُکی ہوئی، مگر داروغہ صاحب نے بکمال عنایت ہمارے قافلہ کے لیے اوپر کے درجہ میں ایک خاصی وسیع جگہ محفوظ کر رکھی تھی، ایک لمبا چوڑا دالان اور ایک بڑا کمرہ، دو پاخانے، اگر ہم سب مرد ہی مرد ہوتے تو اتنی گنجائش بہت کافی تھی، لیکن ہم سولہ آدمیوں میں سات عورتیں تھیں، اور وہ بھی سب ایک خاندان کی نہیں کہ سب مردوں کے سامنے آسکیں، بلکہ تین یا چار مختلف خاندانوں کی، پردہ کے اہتمام میں سخت دقتیں، شدید گرمی کا موسم، صحن کا نام نہیں، برآمدہ بھی ہوادار نہیں، بلکہ دیواروں سے گھرا ہوا، چپقلش ناگزیر تھی، لیکن انسان کے اختیار میں آرام و آسائش کا جو درجہ ممکن تھا اس کے بہم پہونچانے میں

داروغہ حبیب اللہ نے کوئی بات اُٹھا نہیں رکھی، انھیں سیکڑوں مہمانوں کو نباہنا تھا، لیکن بیچارے ہنسی خوشی سب کی خدمت میں لگے رہتے، متعدد موقعے ایسے بھی آئے کہ کوئی اور ہوتا تو غصہ سے لال ہو جاتا، لیکن داروغہ صاحب کی "جبیں" "جیسے" "چیں" سے ناآشنا ہی تھی!

اسباب رکھتے رکھاتے، عصر کا اول وقت گزر کر اوسط وقت شروع ہو گیا۔ جلدی جلدی تازہ وضو کر کرا، جامہ احرام میں ملبوس، اپنے معلم کی رہنمائی میں حرم کو روانہ ہوئے فاصلہ کچھ بہت زائد نہیں، کوئی تین فرلانگ کا ہوگا، چند منٹ میں پہونچ گئے ہوں گے مگر نہ پوچھئے کہ یہ چند منٹ اس وقت کے گھنٹے معلوم ہوئے! زبان پر لبیک ہے، معلم صاحب شاید کچھ اور دعائیں بھی پڑھاتے جا رہے ہیں، لیکن دل کہہ رہا ہے؟ کونسی تمنا ہے، جو اس وقت دل میں نہیں؟ تمناؤں کا ہجوم، آرزوؤں کی کشمکش اور پھر ہیبت دہشت کہ کس دربار میں حاضری ہو رہی ہے۔ دل ہے کہ ہر لحظہ اس کی دہشت بڑھتی جا رہی ہے۔ اور قدم ہیں کہ ہر ہر قدم پر بھاری ہوتے جا رہے ہیں، کہاں کسی سیہ کار کی جبین اور کہاں کسی بے مکان و بے نشان کا سنگ آستانہ، یہ ناپاک قدم کس پاک سرزمین کو روند رہے ہیں؟ —— آہ یہ گلیاں تو تیرے اس خلیلؑ کے قدموں کے لائق تھیں، جو تیرے نام پر دہکتی ہوئی آگ میں کود اتھا، اور جو محض تیرا اشارہ پاکر اپنے پلے پلائے نور نظر کے

حلقوم پر چھری پھیر چکا تھا! اسی کمسن لڑکےؑ کے لائق تھیں جو محض تیری رضا کے لیے بے خطا و بے قصور اپنے ذبح کرانے کو حلق سامنے کرکے ہنسی خوشی لیٹ گیا تھا! تیرے اس حبیب اور محبوب بندہ کے لائق تھیں۔ جو تیرے نام اور تیرے پیغام کی منادی کرنے کے جرم میں انھیں گلیوں میں سالہا سال ہر طرح کی ایذائیں سہتا اور اذیتیں برداشت کرتا رہا تھا۔

سنتے چلے آئے تھے اور کتابوں میں بھی بارہا پڑھا تھا، کہ کعبہ تجلی گاہِ جلال ہے۔ یہاں تجلیات قہری کا زور ہے، روایتوں کا اثر دل میں بیٹھا ہوا تھا ہیبت و دہشت کا غلبہ تھا۔ ہمت بار بار جواب دے رہی تھی، اور دل یہ کہہ رہا تھا کہ سامنا کیوں کر کیا جائے گا؟ "زمین" کی زبان سے یہ مصرعہ بارہا سُنا تھا، کہ

تو مرا خراب کردی بہ ایں سجدہ ریائی!

دل کھٹک رہا ہے، ذرا کان لگا کر سننا کہیں یہ ندا اس وقت اسی مسجد حرم کی سرزمین سے تو نہیں آرہی ہے؟ شاعری کی دنیا میں بارہا یہ آواز کانوں میں پڑ چکی تھی۔

چو بطوافِ کعبہ رفتم بحرم رہم ندادند،

تو بروں درچہ کردی کہ درون خانہ آئی!

کیا آج اور اس وقت یہ شاعری حقیقت بن کر رہے گی؟ یا اللہ اس پاک

زمین پر اپنی ناپاک پیشانی کو کیونکر رگڑا جائے گا؟ اس عظمت وجلالت والے مکان کے طواف پر کیسے قدرت ہو گی؟ جن گلیوں میں ہاجرہ صدیقہ دوڑی تھیں، نبی کی ماں اور نبی کی بیوی دوڑی تھیں وہاں اس ننگ اُمت سے "سعی" کیونکر بن پڑے گی۔

لیجئے مسجد حرام کی چاردیواری شروع ہو گئی، کئی دروازے چھوڑتے ہوئے لوگ باب السلام سے اندر داخل ہوئے (داخلہ کے لیے یہی دروازہ سب سے بہتر مانا گیا ہے) کس کے اندر داخل ہوئے؟ اس رض پاک کے اندر، اس بقعۂ نور کے اندر، جہاں کی ایک نماز ایک لاکھ، یا کم از کم ایک ہزار، نمازوں کے برابر ہے! اندر داخل ہوتے ہی نگاہ اس سیاہ غلاف والی عمارت پر پڑی، جسے خشکی اور تری میں نہ سما سکنے والے نے زمین وآسمان، عرش وکرسی کی سمائی میں نہ آنے والے نے، وہم وخیال کی وسعت میں نہ گھرنے والے نے "اپنا گھر" کہہ کر پکارا ہے، نگاہ پڑی اور پڑتے ہی، جہاں پڑی تھی، وہیں جم کر رہ گئی! اس گھڑی کی کیفیت کیا اور کن لفظوں میں بیان ہو۔ کہتے ہیں کہ موسیٰ کلیمؑ کے ہوش وحواس کسی کی ایک تجلّی کی تاب نہ لا سکے تھے، جب "تجلی بیت" کا یہ حال ہے کہ ہوش وحواس قائم رکھنے دشوار، "نور رب البیت" کی تجلی نے خدا معلوم کیا غضب ڈھایا ہو گا۔ جب "گھر" کی برق پاشیوں کا یہ عالم ہے؟ تو گھر والے "کے

کے انوار و تجلیات کی تاب کون بشری آنکھ اور انسانی بصارت لا سکتی ہے؟ اللہ اللہ! کیا حسن و جمال، کیا رعنائی و زیبائی کیا خوبی و محبوبی، کیا دلکشی و دلبری ہے! جن لوگوں نے اسے قہر و جلال کی تجلی گاہ بتایا ہے خدا معلوم انہوں نے کیا اور کس عالم میں دیکھا۔ اپنا تو یہ حال تھا کہ سر تا پا مہر و جمال ہی ٹپکتا نظر آتا تھا اور ہر چہار طرف سے رفق و الفت، شفقت و رحمت کے کھلے ہوئے پھولوں کی خوشبوئیں پکی اور دوڑی چلی آ رہی تھیں، ابراہیم کی خلت اسمٰعیل کی فداکاری، ہاجرہ کی مسکینیت۔ اللہ اکبر، جہاں تینوں اکٹھا ہوں، انوار مہر و جمال کی تجلیات اس ٹھکانے سے بڑھ کر اور کہاں ہوں گی! اب نہ قلب کو اضطراب ہے۔ نہ طبیعت میں انتشار، نہ خوف نہ دہشت، نہ رعب نہ ہیبت، سر تا سر سکون ہے اور انبساط سرور ہے اور نشاط! مَنْ دَخَلَہٗ کَانَ آمِنًا کی تفسیریں بہت سی پڑھی تھیں لیکن جو تفسیر اس گھڑی بغیر کسی کتاب و عبارت کے توسط کے لوح قلب پر القا ہو رہی تھی، وہ سب سے الگ، سب سے نرالی، سب سے عجیب تھی، اور اگر فاش گوئی کی اجازت دی جائے تو اپنے حق میں سب منقول و مکتوب تفسیروں سے بڑھ کر صحیح بھی تھی، آہ

در مصحف روئے او نظر کن
خسرو، غزل و کتاب تا کے؟

غزالی احیاء العلوم میں لکھتے ہیں، کہ قیامت کے دن کعبہ کا حشر بناؤ سنگار کی ہوئی نئی دولہن کی شکل میں ہوگا، لیکن یہ قید اس روز کے لیے کیوں؟ اور اس کے مشاہدہ کے لیے قیامت کے لیے انتظار کی کیا ضرورت؟ قسم ہے خانہ کعبہ کے رب کی، کہ کعبہ آج بھی نئی دلہنوں ہی کی طرح حسن وجمال، رعنائی وزیبائی، دلکشی ودلبری کے پورے سازوسامان سے آراستہ ہے، اور اپنی خوبی ومحبوبی میں بجز مدینہ کی مسجد نبوی کے نہ کوئی شریک رکھتا ہے نہ سہیم، اسے محبوبیت کے جامہ میں حسن وجمال کی جملہ اداؤں کے ساتھ اس عالم ناسوت میں کس نے نہیں دیکھا؟ پیمبروں نے دیکھا، صدیقوں نے دیکھا، کاملوں نے دیکھا، عارفوں نے دیکھا، آنکھیں رکھنے والوں نے دیکھا اور انتہا یہ ہے کہ جو بصیرت سے محروم، اور بصارت کا ضعیف ہے، اس تک نے دیکھا! شاید امام غزالی ہی نے یا کسی اور بزرگ نے فرمایا ہے کہ آج جن آنکھوں نے خانہ کعبہ کی زیارت کی ہے کل ان میں اتنی قوت واستعداد پیدا کر دی جائے گی کہ وہ رب کعبہ کا بھی دیدار کر سکیں۔ اس مرتبہ اور اس اکرام کا کیا کہنا، لیکن اس مرتبے کی توقع تو وہ کرے جو خود ذی مرتبت ہو۔ ہم جیسے درماندوں اور زبوں ہمتوں کے لیے مکیں کو چھوڑ کر مکان ہی کا دیدار خود کیا کم ہے! روایات میں آتا ہے کہ خانہ کعبہ پر نظر کرنا ایک مستقل عبادت ہے، اور شاید کسی حدیث میں یہ تصریح بھی آگئی ہے کہ کعبہ پر روزانہ ایک سو بیس

رحمتوں کا نزول ہوتا رہتا ہے جن میں سے ساٹھ اُن کے لیے ہیں جو اس کے اندر نماز پڑھتے ہیں اور چالیس ان کے لیے ہیں جو اس کا طواف کرتے ہیں اور بیس ان کے لیے ہیں جو اس کی طرف دیکھتے رہتے ہیں، لیکن اجرِ عبادت سے قطع نظر کر کے اپنے ذوق و شوق اور ولولہ کے لحاظ سے کون دل ایسا ہے جو اس کی ہوسِ دیدار سے خالی اور اس کی حرصِ نظارہ سے کورا ہوگا؟ جی بیتاب کہ دیکھئے اور پھر دیکھئے دس بار دیکھئے، ہزار بار دیکھئے دیکھتے رہیے، اور دیکھے جایئے اور دیکھنے سے کبھی نہ تھکئے! ع

نظارہ ز جنبیدنِ مژگان گلہ دارد!

باب (۲۳)

حریمِ قدس

کلام پاک میں ایک جگہ، جہاں جنّت سے ابلیس کے نکالے جانے کا قصہ مذکور ہے، ابلیس کی زبان سے یہ الفاظ نقل کیے گئے لَاَقۡعُدَنَّ لَهُمۡ صِرَاطَكَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۙ یعنی میں تیرے بندوں کی راہ مارنے کے لیے، تیری سیدھی راہ میں بیٹھوں گا، ظاہر ہے کہ "صراطِ مستقیم" یہاں

اپنے عام و وسیع معنی میں آیا ہے۔ یعنی ہر نیک کام، ہر خدائی راہ اور مفسرین نے یہی معنی لیے ہیں۔ لیکن ابن جریر، ابن کثیر، خازن وغیرہ میں ایک قول یہ بھی نقل ہوا ہے کہ اس صراط مستقیم (سیدھی راہ) سے مراد مکہ اور حج بیت اللہ کی راہ ہے۔ تابعین میں عون بن عبداللہ اسی کے قائل ہوئے ہیں، اور امام غزالی نے احیاء العلوم میں بھی یہی قول نقل کیا ہے، یہ ہے بیت اللہ کی اہمیت! شیطان تک نے اللہ کی اصلی راہ اور حقیقی صراط مستقیم اسی کو سمجھا، اور اللہ کی راہ سے روکنے کے لیے جب بیٹھا تو بیت اللہ ہی کے مسافروں کی راہ میں بیٹھا! شیطان سے بڑھ کر راز شناس اور کون ہے، خود مردود ہے لیکن یہ تو خوب جانے اور پہچانے ہوئے ہے کہ مقبولیت کا راستہ کیا ہے اور مقبولوں کی راہ کون سی ہے؟ ـــــــــ

تنہا حجاز کا نہیں محض ملک عرب کا نہیں، صرف مسلمانوں ہی کا نہیں ساری دنیا کا نظم و نظام امن و امان، اسی ایک پیاری عمارت سے وابستہ قیاماً للناس اسی کی شان میں وارد۔ دنیا اس دم تک قائم ہے جب تک یہ شرف و عزت والا گھر اور اس کا طواف قائم ہے اور جس وقت یہ ڈھا دیا گیا، اس کے بعد نہ کوئی مکان باقی رہے گا، نہ مکین۔ فَلَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی لَا یُحَجَّ الْبَیْتُ۔

رفعت مرتبہ و جلالت قدر کا یہ حال، لیکن اسے چھوڑیئے، کہ یہ تو سب کو مسلم ہے اور اس میں کسی کو کلام ہی نہیں۔ یہاں ذکر کمال کا نہیں،

جمال کا تھا، اور گفتگو بیت خلیل و بیت رب جلیل کی عظمت و بزرگی کے باب میں نہیں، بلکہ اس کی دلآویزی و محبوبی کے باب میں ہو رہی تھی شیخ فرید الدین عطارؒ اپنے تذکرۃ الاولیاء میں حضرت عبد اللہ بن مبارکؒ کی زبان سے یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ "ایک مرتبہ میں مکہ میں تھا، دیکھا کہ ایک حسین نوجوان خانہ کعبہ تک پہونچنا چاہتا ہے۔ اتنے میں بیہوش ہو کر گر پڑا۔ میں اس کے پاس لپک کر پہونچا دیکھا کہ وہ کلمہ شہادت پڑھ رہا ہے، میں نے ماجرا پوچھا، تو کہا کہ میں نصرانی ہوں، چاہتا تھا کہ کعبہ کے حسن و جمال کا چل کر مشاہدہ کروں، جوں ہی یہاں پہونچا، غیب سے کان میں آواز آئی تدخل بیت الحبیب و فی قلبك معاداة الحبیب (دوست کے گھر میں قدم رکھ رہا ہے اور دل میں دوست کی دشمنی لیے ہوئے ہے؟) اللہ اللہ! حسن و جمال کی یہ کشش! منکروں تک کو یہ شوق دید! وہ جو کمال کے منکر ہیں جمال کا انکار ان سے نہ بن پڑا! —— عبد اللہ بن مبارکؒ کی روایت کو چھوڑیے، اسے سینکڑوں برس کا زمانہ ہو چکا۔ اپنے زمانہ کو دیکھیے، آج اس بیسویں صدی میں، اس روشنی اور روشن خیالی کے زمانہ میں کیا حال ہے؟ کتنے امریکی اور کتنے افرنجی، کتنے برطانوی اور کتنے اطالوی، کتنے جرمن اور کتنے فرنچ اس تمنا اور اس آرزو میں رہتے ہیں، اور کس کس طرح بھیس بدل بدل کر، وضع و قطع، نام و قومیت تبدیل کر کر کے جھوٹے مسلمان اور جعلی عرب بن بن کر اس گھر کے دیدار کو آتے رہتے ہیں!

اور اس مرجعیت پر، اس محبوبیت پر، حیرت کیوں کیجئے؟ آخر یہ دعا بھی تو کس، مقبول و برگزیدہ، کس چہیتے اور محبوب بندہ کی زبان سے نکلی تھی! رب اجعل ھذا البلد آمنا واجنبنی وبنی ان نعبد الاصنام ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع عند بیتک المحرم، ربنا لیقیموا الصلوۃ فاجعل افئدۃ من الناس تھوی الیھم وارزقھم من الثمرات لعلھم یشکرون۔ ساری دعا کو چھوڑئیے صرف اتنے ٹکڑے کو لیجئے فاجعل افئدۃ من الناس تھوی الیھم لوگوں کے دلوں میں اسی وادی غیر ذی زرع میں بسنے والوں کی طرف اس بے آب وگیاہ سرزمین میں ڈیرے جمانے والوں کی طرف اپنے اس پاک و پاکیزہ گھر کے جوار میں وطن بنانے والوں کی طرف رغبت و کشش پیدا کردے! دعا کس نے کرائی تھی؟ دعا کے الفاظ کس کے تعلیم کئے ہوئے تھے؟ دعا کے لفظ خلیل اللہ کی زبان سے ادا ہوئے لیکن دعا کا القا کہاں سے ہوا تھا؟ جس نے دعا سکھائی تھی اسی نے دعا قبول بھی کی –

آن دعا حق می کند چوں او فناست ❊ آن دعا ہارا اجابت از خدا است

آں دعائے شیخ نے چوں ہر دعاست ❊ فانی است وگفت او گفت خداست

چوں خدا از خود سوال وگد کند ❊ پس دعائے خویشتن چوں رد کند

اور جو سب کے دلوں کا مالک اور حاکم اور متصرف ہے، اسی نے

دلوں میں رغبت اور کشش پیدا کر دی! اور پھر مکین کی نظر میں اپنے مکان کی عظمت ذرا دیکھنا۔ دعا میں یہ نہیں کہلایا جاتا اسی گھر کی طرف کشش ہو، بلکہ صرف یہ کہ اسی گھر کے آس پاس بسنے والوں کی طرف کشش ہو! جس گھر کے جوار میں یہ مرجعیت، یہ محبوبیت، یہ کشش ہو تو خود اس گھر کی کشش اور محبوبیت کو کن لفظوں میں ادا کیا جائے! دعا کے لیے اجابت خود استقبال کو آئی، دعا قبول ہوئی کہ ابراہیم والے اور اسمٰعیل والے، محمد والے اور رب محمد والے تو الگ رہے، کلکتہ اور بمبئی والے، دہلی والے اور شملہ والے کشمیر والے، مسوری والے، نینی تال والے اور دارجلنگ والے، آکسفرڈ اور کیمبرج، لندن اور پیرس والے آج دنگ وحیران ہیں، اور شمال اور جنوب سے، شرق سے اور غرب سے، خشکی اور تری سے، ریل سے اور جہاز سے موٹر سے اور اونٹ سے، ہزاروں اور لاکھوں مرد وعورت بوڑھے اور جوان، ادھیڑ اور بچے ہیں کہ ٹڈی دل کی طرح امنڈے چلے آتے ہیں۔!

جس گھر کی محبوبیت اور جاذبیت، گھر کے نافرمانوں اور باغیوں تک کی نظر میں ہو، تو گھر کے مالک کے غلاموں اور حلقہ بگوشوں کے دلوں کی کیفیت اس کے متعلق کیا ہوگی! حرم کے اندر داخل ہوتے ہی اور کعبہ مطہر پر نظر پڑتے ہی، نہ پوچھیے، کہ دل کی کیا کیفیت ہوئی،

معلم نے اس وقت کیا دعا پڑھائی یہ تو یاد نہیں اور کوئی دُعا پڑھائی بھی تھی یا نہیں، یہ بھی اب پوری طرح حافظہ میں نہیں —— اس وقت اتنا ہوش اور اتنا دماغ کسے تھا —— البتہ یہ خوب یاد ہے کہ اس جمال مجسم پر نظر پڑتے ہی بے اختیاری کے عالم میں بیساختگی کے ساتھ جو دعا زبان پر آئی، وہ بے حساب وکتاب اپنی آمرزش ومغفرت کی دعا تھی! خود غرضی کا یہ عالم کہ معًا اس وقت کوئی دوسرا یاد ہی نہ پڑا میدان حشر کی طرح نفسی نفسی زبان پر تھا اور سب سے پہلے صرف اپنے ہی حق میں دعا نکلی، مگر چند لمحوں کے بعد اپنے والے بھی یاد پڑ گئے اور عزیزوں، دوستوں اور امت اسلامیہ میں جو جو یاد پڑتے گئے سب کے حق میں دعائیں ہوتی رہیں۔ یہ تو آپ بیتی تھی، لیکن کتابوں میں عمومًا یہ لکھا ہوا ہے کہ خانہ کعبہ پر اول نظر پڑتے ہی یہ دعا پڑھے اور یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے (بہ تغیر بعض الفاظ) اَللّٰھُمَّ زِدْ بَیْتَکَ ھٰذَا تَعْظِیْمًا وَّ تَشْرِیْفًا وَّ مَھَابَۃً وَزِدْ مِنْ تَعْظِیْمِہٖ وَتَشْرِیْفِہٖ مِنْ حَجِّہٖ تَعْظِیْمًا وَتَشْرِیْفًا وَّمَھَابَۃً۔ ایک روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کے یہ الفاظ بھی منقول ہیں۔ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْبَیْتِ مِنَ الدَّیْنِ وَالْفَقْرِ وَمِنْ ضِیْقِ الصَّدْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ۔ حضرت عمرؓ کی بابت منقول ہے کہ وہ جب خانہ کعبہ کو دیکھتے تو یہ دعا پڑھتے اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ فَحَیِّنَا رَبَّنَا بِالسَّلَامِ اور فقہائے حنفیہ نے

عموماً یہ لکھا ہے کہ سب سے پہلے تین بار اللہ اکبر کہے اور کلمہ لاالہ الااللہ پڑھے۔ اور اس کے بعد جو دعا چاہے مانگے۔ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ فَاِنَّ الدُّعاءَ مُسْتَجابٌ عِنْدَ رُؤْیَۃِ الْبَیْتِ۔ دیدار کعبہ کے وقت جو دعا کی جاتی ہے مقبول ہوتی ہے۔ مقبولیت دعا کا یہ خاص اور اہم وقت ہے۔ آئندہ کے لیے تمام عازمین حج وعمرہ اس وقت کی اہمیت کو یاد رکھیں، اور اس وقت عزیز کو ہرگز اپنی غفلت وتساہل سے ضائع و برباد نہ ہونے دیں۔

ہوش وحواس ذرا بحال ہوئے تو پہلا کام یہ کیا کہ حرم شریف میں نماز عصر پڑھی۔ حرم شریف کی کیفیت کیا بیان ہو، وسعت میں یہ مسجد الحرام مسجد نبوی سے کہیں بڑھی ہوئی ہے، گو دلکشی میں اس کی ٹکر کی نہیں، لوگوں کا بیان سننے میں آیا ہے کہ اس کے اندر ایک لاکھ انسان تک نماز پڑھ سکتے ہیں، صرف صحن کا طول بارہ سو فٹ، اور عرض نو سو فٹ سے زائد بیان کیا جاتا ہے۔ چاروں طرف بڑے بڑے وسیع، فراخ وعالیشان دالان اس کے علاوہ ہیں، دروازے متعدد ہیں زبانی تو وہاں اکتالیس دروازے سننے میں آئے تھے، مگر کتابوں میں نام صرف سترہ کے نظر پڑے۔ منارے چھ ہیں اور چھوٹے بڑے گنبدوں کی تعداد غالباً ڈیڑھ سو سے متجاوز ہے۔ دالانوں سے خانہ کعبہ تک

پہونچانے کے لیے صحن میں متعدد روشیں یا سڑکیں پتھر کی چھ چھ ساڑھے چھ چھ فٹ چوڑی بنی ہوئی ہیں۔ ان کی تعداد بھی دس بارہ سے کیا کم ہوگی صحن میں عموماً چھوٹی کنکریاں بچھی ہوئی ہیں، اس لیے خانۂ کعبہ تک پہونچنے کے لیے ان سڑکوں سے کام لینا ہوتا ہے۔ دھوپ کے وقت یہ پتھر کی روشیں خوب جل اٹھتی ہیں۔ پیروں کو اس تکلیف سے محفوظ رکھنے کے لیے سفید ہلکی سلیپریں جو بمبئی میں بھی اور مکہ میں بھی خاص اسی غرض کے لیے ملتی ہیں، لے لینا مناسب ہوتا ہے، اپنے گھر سے حرم تک اپنا معمولی جوتا پہنے ہوئے آیئے اور حرم کے اندر آکر اس مخصوص سلیپر کو پہن لیجئے تو پیر تکلیف سے بالکل محفوظ ہوجائیں گے۔ بجلی کی روشنی سارے حرم کے اندر ہوتی ہے۔ صحن میں جا بجا بجلی کے قمقمے ستونوں میں لگے ہوئے ہیں، یہ وہی مسجد ہے جہاں کی ایک رکعت نماز کہیں اور کی ایک لاکھ رکعتوں کے برابر اجر رکھتی ہے! اس وسعت کرم و رحمت کا کچھ ٹھکانا ہے! یہ مسجد گویا اصل ہے اور ساری دنیا کی مسجدیں اس کی نقل۔ یہاں کی نمازوں اور یہاں کے نمازیوں کا کیا پوچھنا، جدھر نظر اٹھایئے ہر طرف نماز ہی نماز ہے۔ اور نمازی ہی نمازی، صحن میں چار چھوٹی چھوٹی عمارتیں، مصلّیٰ حنفی، مصلّیٰ شافعی، مصلّیٰ مالکی، مصلّیٰ حنبلی کے نام سے بنی ہوئی ہیں۔ لیکن یہ کچھ ضرور نہیں کہ ہر مصلّیٰ پر خاص اسی فرقہ کے لوگ نماز پڑھیں جس کا جہاں جی چاہے۔ آزادی کے ساتھ نماز

پڑھتا رہتا ہے جا بجا لوگ کلام مجید کی تلاوت کرتے رہتے ہیں۔

نماز سے فارغ ہوتے ہی خانۂ کعبہ کے طواف کے لیے بڑھے۔ خانہ کعبہ وسط صحن میں واقع ہے۔ ایک سیاہ رنگ کا سیاہ غلاف کے اندر عظیم الشان کمرہ، طول تقریباً ۵، فٹ عرض ۴۰ فٹ اور بلندی ۸۰-۱۸ فٹ اس کے چاروں طرف چکر لگانے کو ایک گول راستہ بنا ہوا، اس حلقہ کو مطاف کہتے ہیں، اور کسی کے گھر کے شیدائی گھر والے کی زیارت کے مست و دیوانے، اسی پر گھوم گھوم کر اپنے دل کے ارمان پورے کرتے رہتے ہیں، ہر چکر کو ایک شوط کہتے ہیں اور ہر طواف میں سات شوط ہونے چاہئیں ہر چکر حجر اسود کے سامنے سے شروع ہوتا ہے اور یہیں ختم ہوتا ہے۔ حجر اسود وہ مشہور پتھر ہے جو خانہ کعبہ کی اس دیوار میں جدھر دروازہ ہے زمین سے چار فٹ کی بلندی پر لگا ہوا ہے۔ طواف کا طریقہ یہ ہے کہ حجر اسود کے محاذ میں کھڑا ہو کر نماز کی تکبیر تحریمہ کی طرح دونوں ہاتھ اٹھا کر کان تک لے جائے اور تکبیر و تہلیل کے بعد ہاتھ چھوڑ دے، اور دل سے طواف بیت کی نیت کر کے مطاف پر اس طرح چلنا شروع کرے کہ خانہ کعبہ ہمیشہ بائیں ہاتھ کی طرف رہے فقہ حنفی میں سات شوطوں میں سے چار فرض ہیں۔ باقی واجب۔ طواف باوضو کرنا چاہیئے۔ حالت طواف میں اگر نماز شروع ہو جائے تو چاہیئے کہ

طواف چھوڑ کر جماعت میں شریک ہو جائے اور بقیہ طواف بعد نماز پورا کرے، طواف کے سات چکروں میں سے پہلے تین چکروں میں مردوں کے لیے اضطباع اور رمل کا حکم ہے، اضطباع کا مفہوم یہ ہے کہ داہنا شانہ کھول کر احرام کی چادر کو داہنی بغل کے نیچے سے لاکر بائیں شانہ پر ڈال لے، اور رمل کے معنی یہ ہیں کہ دونوں شانوں کو ہلاتے ہوئے اور میدان جنگ میں سپاہیوں کی طرح اکڑتا ہوا جلدی جلدی چلا جائے۔ یہ سارے طریقے اور حالات طواف میں پڑھنے کی دعائیں معلم خود بتاتے جاتے ہیں، سب زبانی یاد کس کو رہ سکتی ہیں، تاہم بہتر یہ ہوگا کہ تمام تر معلم ہی پر بھروسہ نہ کرلیا جائے، بلکہ ارکان و مناسک حج کی کوئی معتبر کتاب خود اپنے پاس بھی رہے۔

حجر اسود کو بوسہ دینا سنت ہے۔ اس کی بڑی فضیلت ہے لیکن ہجوم میں گھس کر خود تکلیف اٹھانا اور دوسروں کو دھکے دینا ہرگز صحیح نہیں ایسی صورت میں حکم یہ ہے کہ چھڑی سے اسے چھو کر چھڑی کو بوسہ دے لیکن اگر یہ بھی دشوار ہو (اور علی العموم حج کے موقعہ پر یہ دشوار ہی رہتا ہے) تو بس دور سے حجر اسود کی طرف توجہ کرنا یعنی اپنے ہاتھ ہتھیلیوں کی طرف سے دکھانا اور انھیں بوسہ دے لینا اور اللہ اکبر لا الہ الا اللہ والحمد للہ کہنا اور درود پڑھنا بالکل کافی ہے۔ طواف کی نیت کے لیے یہ الفاظ

منقول و ماثور ہیں :- اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُرِیْدُ طَوَافَ بَیْتِكَ الْحَرَامِ فَیَسِّرْهُ لِیْ وَتَقَبَّلْهُ مِنِّیْ، اور اس کے بعد عام معمول ان دعاؤں کا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَاللّٰهُ اَکْبَرُ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ، اَللّٰهُمَّ هٰذَا الْبَیْتُ بَیْتُكَ وَهٰذَا الْحَرَمُ حَرَمُكَ وَهٰذَا الْاَمْنُ اَمْنُكَ وَهٰذَا مَقَامُ الْعَائِذِیْنَ بِكَ مِنَ النَّارِ اَعُوْذُبِكَ مِنَ النَّارِ فَاَعِذْنِیْ مِنْهَا. اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الشِّرْكِ وَالشَّكِّ وَالنِّفَاقِ وَالشِّقَاقِ وَسُوْءِ الْاَخْلَاقِ وَسُوْءِ الْمُنْقَلَبِ فِی الْمَالِ وَالْاَهْلِ وَالْوَلَدِ. اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ حَجًّا مَّبْرُوْرًا وَّسَعْیًا مَّشْکُوْرًا وَّذَنْبًا مَّغْفُوْرًا وَّتِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ، یَا عَزِیْزُ یَا غَفُوْرُ، اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْکُفْرِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ الْفَقْرِ وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْیَاءِ وَالْمَمَاتِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ الْخِزْیِ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔

ایک دو کو نہیں سینکڑوں ہزاروں کو دیکھا کہ حجر اسود تک پہونچنے کے لیے دوسروں کو ڈھکیل رہے ہیں اور خود بھی برابر دھکے کھا رہے ہیں اور جب اتنی مشقتوں کے بعد کسی طرح وہاں تک پہونچ جاتے ہیں تو واپس ہو کر ایک فاتحانہ انداز سے اِدھر اُدھر دیکھتے ہیں۔ گویا بہت بڑا ثواب کما آئے، یہ سر تا سر نادانی ہے۔ فقیہ نامور شمس الائمہ سرخسی نے صاف صاف لکھ دیا ہے کہ۔

ثُمَّ ابْدَأْ بِالْحَجَرِ الْاَسْوَدِ فَاسْتَلِمْهُ اِنِ اسْتَطَعْتَ مِنْ غَيْرِ اَنْ يُؤْذِيَ مُسْلِمًا لِاَنَّ اِسْتِلَامَ الْحَجَرِ سُنَّةٌ وَالتَّحَرُّزَ مِنْ اَذَى الْمُسْلِمِ وَاجِبٌ فَلَا يَنْبَغِيْ لَهٗ اَنْ يُؤْذِيَ مُسْلِمًا لِاِقَامَةِ السُّنَّةِ

(مبسوط)

طواف کی ابتدا حجر اسود سے کرو اور اسے بوسہ دو بشرطیکہ ایسا کرنا کسی مسلمان کے تکلیف پہونچائے بغیر ممکن ہو، اس لیے کہ حجر اسود کا بوسہ سنت ہے، اور ایذاء مسلم سے احتراز رکھنا واجب ہے اور درست نہیں کہ ادائے سنت کے لیے کسی مسلمان کو ایذا پہونچائی جائے۔

اور اسی کے قریب قریب تمام فقہاء کے ہاں تصریحات ملتی ہیں۔

ثُمَّ اسْتَقْبِلِ الْحَجَرَ مُكَبِّرًا مُهَلِّلًا مُسْتَلِمًا بِلَا اِيْذَاءٍ

(کنز)

پھر حجر کی طرف منہ کرکے اور تکبیر وتہلیل کرے پھر اسے بوسہ دے بلا کسی کو تکلیف پہونچائے۔

لِاَنَّ الْاِسْتِلَامَ سُنَّةٌ وَالْكَفُّ عَنِ الْاِيْذَاءِ وَاجِبٌ (بحر الرائق)

یہ اس لیے کہ بوسہ دینا سنت ہے اور تکلیف دہی سے بچنا واجب ہے۔

وَيُقَبِّلُ الْحَجَرَ اِنِ اسْتَطَاعَ مِنْ غَيْرِ اَنْ يُؤْذِيَ اَحَدًا وَاِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ اِسْتِلَامَ الْحَجَرِ مِنْ غَيْرِ اَنْ يُؤْذِيَ اَحَدًا لَا يَسْتَلِمُهٗ

(قاضی خاں)

اور حجر اسود کو بوسہ دے اگر بغیر کسی کو تکلیف دیے یہ ممکن نہ ہو تو پھر اسے نہ چومے

کم علم معلموں نے اپنی سہولت و آسانی کے لیے چند گنی چنی دعاؤں کا دستور باندھ لیا ہے اور بیچارے حاجیوں کو یہ سمجھا اور ڈرا رکھا ہے کہ طواف کے وقت صرف وہی مخصوص دعائیں پڑھی جاسکتی ہیں حالانکہ یہ بالکل بے اصل ہے، شریعت نے اس موقع پر بڑی وسعت دے رکھی ہے۔ البتہ ظاہر ہے کہ جو دعائیں ماثور ہیں ان کے الفاظ کی برکت بہت زائد ہے۔ مطاف، حج کے موسم میں، دن اور رات کے کسی گھنٹہ میں بھی خالی نہیں رہتا، ہر وقت اور ہر آن ایک مسلسل چکر ہے کہ جاری ہے صبح اور شام کے ٹھنڈے وقتوں کو چھوڑیئے۔ رات کے ایک اور دو بجے آکر دیکھیئے تو اور ٹھیک دوپہر کی تیز گرمی کے وقت آکر دیکھیئے تو، ایک دو نہیں سیکڑوں ہزاروں دیوانے بس برابر چکر کاٹتے ہوئے ہی ملیں گے، اور ان دیوانوں میں کیسے کیسے ہوشیار اور فرزانے بھی ہیں، مرد بھی اور عورتیں بھی، کمزور بھی اور پہلوان بھی، لاٹھی ٹیک کر چلنے والے بوڑھے بھی اور انگلی پکڑ کر چلنے والے بچے بھی، عالم بھی اور عامی بھی زاہد بھی اور فاسق بھی، گدائے بینوا بھی اور بمبئی کے لکھ پتی کروڑ پتی سیٹھ جی بھی، صحرائے عرب کا بدوی بھی اور مصر کا فیشن مآب شہری بھی، بھوکے بنگالی بھی اور دکن کے سیر چشم امیر کبیر بھی سب کے سب ایک رب کے پرستار، ایک اللہ کے بندے، ایک رسول کے امتی ایک ہی آقا کے حلقہ بگوش، ایک دھن میں مست، برابر اس گھر کا چکر کاٹ رہے ہیں!

ان میں کتنے صاحبان ولایت ہوں گے، کتنے اللہ کے اولیاء کاملین میں سے ہوں گے! انھیں کون پہچانے؟ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی (صاحب فتوحات مکیہ و خصوص الحکم) نے اسی مطاف میں کس کس کی زیارت نہیں کی ہے؟ کیسے کیسے مکاشفات ان کے نصیب میں آئے ہیں، کیا کیا اسرار انھوں نے یہیں حل کئے ہیں؟ لیکن آج کوئی آنکھ بھی محی الدین ابن عربی کی رکھتا ہے؟ —— طور اب بھی وہی ہے، تجلیات اب بھی وہی ہیں، جواب میں لن ترانی کہنے والا اب بھی جوں کا توں ہے۔ لیکن ربِّ اَرِنی پکارنے والا بھی کوئی ہے؟

باب (۲۴)

کعبۂ مقصود

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ

(آل عمران رکوع ۱۰)

یقیناً، پہلا گھر جو انسانوں کی عبادت کے لیے مقرر کیا گیا وہ وہی ہے جو بکہ (مکہ) میں ہے۔ برکت دیا گیا اور جہانوں کے لیے ہدایت!

اللہ اکبر! یہ کون سا گھر سامنے ہے؟ نگاہیں کس گھر کی دیواروں کی بلائیں لے رہی ہیں؟ یہی تو وہ گھر ہے جس کی بابت کہا گیا ہے "دنیا کے بتکدہ میں پہلا وہ گھر خدا کا" روئے زمین پر سب سے پہلا عبادت خانہ! صدی دو صدی کی تعمیر نہیں، دو ہزار چار ہزار برس کی عمارت نہیں دنیا کا سب سے پہلا عبادت خانہ! کون تاریخ اس وقت کا پتہ بتا سکتی ہے؟ کس نسل انسانی کا حافظہ وہ زمانہ یاد رکھ سکتا ہے؟ جس گھر کی بنیادیں خود آدم نے اپنے ہاتھ سے رکھی ہوں، بنی آدم میں کون اس وقت کی یاد اپنے حافظہ میں رکھ سکتا ہے؟

اللہ اللہ! اس طویل اور بے حساب مدت میں اس ناقابل پیمائش عرصہ میں کتنے عبادت خانے بنے اور بگڑے، کتنے مندر تعمیر ہوئے اور کھدے، کتنے گرجے آباد ہوئے اور اجڑے، کیسے کیسے انقلابات زمین نے دیکھے اور آسمان نے دکھلائے بلندیاں پست ہوئیں، اور پستیاں بلند ہوئیں، بابل مٹا، مصر مٹا، چین مٹا، ہندوستان مٹا ایران مٹا، یونان مٹا، روما مٹا خدا معلوم کتنے ابھرے اور ابھر کر مٹے، کتنے بڑھے اور بڑھ کر گھٹے، پر ایک عرب کے ریگستان میں خاک اور ریت کے سمندر میں چٹانوں اور پہاڑوں کے وسط میں وادیوں اور گھاٹیوں کے درمیان یہ سیاہ چوکور گھر، جسے نہ کسی انجینیر نے بنایا نہ کسی مہندس نے، جوں کا توں کھڑا ہوا ہے! صدہا طوفان ہزارہا انقلابات بیشمار

زلزلے آئے۔ اور گزر گئے اور اس پاک اور پیارے گھر کو نہ کوئی ابرہہ مٹا سکا، نہ کوئی زار نکولس، اور نہ کوئی گلیڈ اسٹن! جو اسے مٹانے کو اٹھا وہ خود مٹ گیا، اور اللہ کے گھر میں اللہ کی جو عبادت آدم اور حوا نے کی تھی وہی آج آدم کے فرزند اور حوا کی بیٹیاں کر رہی ہیں! مبارکاً کی تفسیر میں بہت سے اقوال لائے گئے ہیں لیکن اس کھلی ہوئی برکت اس مشاہد و محسوس برکت کے بعد کسی اور تفسیر کی ضرورت باقی بھی رہتی ہے۔؟

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ :۔ "سب سے پہلا عبادت خانہ" رومی مورخ ہیروڈاٹس نے اعتراف کیا کہ اس سے قدیم تر کوئی معبد نہیں ملتا۔ ڈوزی نے بھی یہی کہا، انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا والوں نے اس کی قدامت تسلیم کی، میور تنقید کے لیے اٹھا۔ لیکن رومی مورخ کی تائید کے سوا اور کچھ نہ کہہ سکا، مارگولیس اسلام کی عداوت کے نشہ میں سرشار، لڑکھڑاتا ہوا آگے بڑھا، لیکن اس کی ہذیان سرائی خود اسی کے پیشہ والوں اور قبیلہ والوں سے داد نہ حاصل کر سکی[1]۔ اور حق کا کلمہ جہاں تھا وہیں قائم رہا، مومنوں کے ایک

---

[1] زمانۂ حال کا مشہور ترین معاند اسلام آکسفورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر مارگولیتھ نے خانہ کعبہ کی قدامت سے انکار کیا تھا، لیکن اس کے نظریہ کو خود مستشرقین ہی کے گروہ میں

سردار علیؓ مرتضیٰ نے جو کچھ کہا تھا (عن علی قال کانت البیوت قبلہ ولٰکنہ اوّل بیت وضع لعبادۃ اللّٰہ۔ ابن ابی حاتم) منکروں اور دشمنوں کو بھی وہی کہنا پڑا۔ اور پھر اس سردار کے سردار نے جو ارشاد فرمایا ہے کہ بیت الحرام کی تعمیر بیت المقدس سے بھی چالیس سال قبل ہوئی، کون اس سے انکار کی مجال رکھتا ہے؟ اول بیت بھی یہی ہے اور آخر بیت بھی یہی سب سے پہلا عبادت خانہ بھی یہی اور سب سے آخری عبادت خانہ بھی یہی۔ تعمیر اس وقت ہوا جب دنیا کی تعمیر ہوئی، اور جس وقت یہ مٹے گا، سارا کارخانہ حیات بھی مٹ کر رہے گا۔ قِیٰمًا لِّلنَّاسِ کی اس سے زیادہ صاف واضح اور روشن تفسیر اور کیا ہوگی؟ گھر بھی آخر کس کا ہے؟ مکان کی نسبت بھی آخر کس مکین کی جانب ہے؟ اللہ کا گھر بے جسم و بے نشان والے کا گھر، رب السمٰوات والارض کا گھر، بیت اللہ! روئے زمین کے سارے طول و عرض میں کوئی اور گھر بھی، کہیں اور کبھی اس نام سے پکارا گیا؟۔

دیویوں کے مٹھ کتنے بنائے گئے، دیوتاؤں کے مندر کتنے سجائے گئے۔ بتوں کی پوجا کے لیے کیسے کیسے کلس دار شوالے سنوارے گئے، اور

فروغ و قبول حاصل نہ ہوا۔ خانہ کعبہ کی قدامت پر راقم سطور کی تفسیر القرآن میں آیات متعلقہ پر جو حاشیے درج ہیں وہ بھی ضرور ملاحظہ کر لینے چاہئیں۔

آج بیسویں صدی کے دورِ جاہلیتہ الاٰخری میں آرٹ اور سائنس کی دیویوں اور تہذیب و تمدن کے دیوتاؤں کی پوجا کے لیے، کالجوں اور یونیورسٹیوں اور آرٹ اکیڈمیوں کے نام سے کتنے بتکدوں اور صنم خانوں کی اونچی اونچی تعمیریں کہاں اور کس حصہ زمین میں نہیں ہو رہی ہیں؟ بیشمار بت ہیں اور بیشمار ہی بتکدے۔ لیکن وہ جو ایک اکیلا ہے، واحد اور احد ہے یکتا اور لاشریک لہ ہے ـــــ ذرا شان توحید کا پرتو دیکھنا ـــــ اس کا مکان بھی اس عالم آب و گل میں صرف ایک ہے۔! تاریخ کے اوراق الٹ ڈالو جغرافیہ کی مدد سے اس وسیع و فراخ سطح زمین کا چپہ چپہ چھان ڈالو، بیت اللہ کے نام کی صرف یہی ایک عمارت ملے گی! اور پھر گھر بھی کیسا گھر؟ کس صفت کا گھر؟ ھدی للعالمین ساری دنیا کے لیے ہدایت رکھنے والا، ہر قوم، ہر ملک ہر طبقہ، ہر گروہ کو درس ہدایت دینے والا! اس کے انوار اس کے برکات اس کے فیوض اور اس کی ہدایات۔ کسی ایک زمانہ کے لیے، کسی ایک ملک کے لیے مخصوص نہیں، زمان کے قیود اور مکان کے حدود سے آزاد، جب اور جہاں جس کا جی چاہے اس سے فیض حاصل کرے۔ دعویٰ کا ثبوت الگ رہا۔ نفس یہ دعویٰ بھی دنیا کے کسی دوسرے مکان نے پیش کیا ہے؟ کسی مکان سے ابتک یہ صدا بلند ہوئی ہے کہ میری تعلیمات ساری دنیا کے لیے ہیں؟ دنیا میں بڑے بڑے مقنن اور قانون ساز آئے، بڑے بڑے مصلح آئے۔ کامل آئے، ولی آئے، نبی آئے، پیام لے کر آنے والے آئے کسی نے

بنی اسرائیل کے گلے کی بھٹکی ہوئی بھیڑوں کو راہ دکھائی، کسی نے شام میں توحید کی منادی کی، کسی نے مصر میں حق کی دعوت پہونچائی کسی نے ہندوستان میں وعظ کہے۔ لیکن بلا تفریق وتخصیص، ہر قوم اور ہر ملک، ہر تعلیم اور ہر زمانہ کے لیے پیام ہدایت نہ کسی مندر سے سنا گیا، نہ کسی گرجا سے، نہ کسی کانگریس کے اسٹیج سے نہ کسی کانفرنس کے پلیٹ فارم سے۔ نہ کسی پارلیمنٹ سے نہ کسی سینٹ ہال سے نہ کسی چیمبر آف ڈپوٹیز سے —— ہاں کل کائنات کے لیے عالم وجاہل کے لیے مشرقی ومغربی کے لیے، گورے اور کالے کے لیے یکساں پیام تسلی بجز اس گھر کے اور کہاں سے سنایا گیا؟ پیام سنانے والے نے پیام سنا دیا، مکین نے مکاں کی طرف سے دعویٰ کا اعلان کر دیا، جن کی آنکھیں ہیں بحمد اللہ وہ آج بھی دیکھ رہے ہیں، اور جنھوں نے اپنی آنکھیں پھوڑ رکھی ہیں، وہ کل دیکھیں گے کہ ہدایت وروحانیت تصفیہ قلب وتزکیہ نفس، باطن کی پاکیزگی اور ظاہر کی آراستگی کا سرچشمہ اسی مکان سے پھوٹ پھوٹ کر اُبل رہا ہے اور قیامت شروع ہوجانے تک برابر ابلتا رہے گا۔!

مکانات لکھوکھا کے خرچ سے دنیا میں کتنے بن چکے، بادشاہوں کے محل بھی اور وزیروں کی کوٹھیاں بھی، رئیسوں کی حویلیاں بھی اور نوابوں کے دیوان خانے بھی، سب مٹ گئے، خاک سے بلند ہوئے تھے اور خاک میں مل گئے۔ ساسانیوں کی عشرت گاہیں اور رومیوں کے حمام کہیں باقی ہیں؟۔

پرتھی راج کے محل اور تیمور کے قصر و ایوان آج کیوں نظروں سے غائب ہو گئے؟ آپ کہیں گے کہ آخر آگرہ میں تاج محل اور فرانس میں آئیفل ٹاور تو بہر حال موجود ہیں، لیکن اول تو دو چار صدی کی مدت بھی کوئی مُدت ہے؟ اور پھر بڑی بات یہ کہ موجود محض اس حیثیت سے ہیں، جیسے کہ لڑکوں کے کھلونے اور لڑکیوں کے گھروندے موجود رہتے ہیں، بجز ایک سیر و تماشہ اور دل بہلاوے کے ان کی کوئی اور حیثیت ہے؟ تاج محل اور آئیفل ٹاور کی عزت و احترام تقدیس، کسی کے دل میں ہے؟ ایک طرف وہ لاکھوں روپیہ کا اینٹ اور چونہ کھائے ہوئے، لق و دق کھنڈر ہیں، اور دوسری طرف یہ ہر تکلف و تصنع سے معریٰ، سادہ اور سِتھرا اللہ کا گھر ہے۔ مثابۃ للناس وامنًا۔ بے انداز مدت سے قائم! اور بیشمار عقیدتوں اور تعظیموں کا مرکز! لاکھوں ہر سال آتے ہیں، چومتے ہیں اور آنکھوں سے لگاتے اور طواف کرتے اور سجدہ کرتے، روتے اور گڑگڑاتے جھکتے اور گرتے، لاکھوں آتے ہیں اور ہر سال آتے رہتے ہیں۔

کچھ یاد ہے کہ آدم علیہ السلام کے زمانہ کے بعد، اس کی تعمیر کی تجدید اولادِ آدم میں سے کس نے کی ہے؟ اپنے ہاتھوں میں پتھر اور گارا لے کر کس نے اس کی دیواریں بلند کی ہیں؟ اللہ کے اس گھر کا معمار کون تھا! بادشاہوں کے محل تعمیر ہوتے ہیں تو بڑے بڑے کاریگر اور مہندس بلائے

جاتے ہیں۔ گورنمنٹ ہاؤس تیار ہونے لگتے ہیں تو نامور انجنیروں کی قسمت جاگ جاتی ہے پر اللہ کے گھر کی تیاری کے لیے اپنے سر پر بھاری بھاری پتھر کس نے لادے؟ اپنے ہاتھ چونے اور مٹی کے گارے میں کس نے سانے؟ عرب کی جلجلاتی ہوئی دوپہروں میں ریگستانوں کی لو کی لپیٹوں میں بغیر روپیہ اور پیسوں کی مزدوری کے لالچ کے کس مزدور نے اپنے گوشت و پوست کو جلایا، تپایا، جھلسایا؟ کون بندہ جواب دے۔ بندوں کا خالق، اس گھر کا مالک خود اپنی زبان سے اپنے گھر کے مزدور اور اس مزدور کے نور نظر کا نام چاؤ اور پیار سے لیتا ہے۔

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهِيْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ۔ — اور جب ابراہیم اس گھر کی بنیاد اٹھا رہے تھے اور اسمٰعیل بھی!

مزدور جب کام کرتے ہیں اکثر کچھ گنگناتے جاتے ہیں، اللہ کے مزدور بھی جس وقت کام کر رہے تھے تو اپنی زبانوں پر مہر نہیں لگائی تھیں جس کا گھر بنا رہے تھے اسی سے کچھ مانگتے بھی جاتے تھے، ہاتھ اگر تعمیر بیت میں مشغول تھے تو دل یاد رب البیت میں، دل میں کسی کی یاد تھی تو زبان پر کسی کا نام! عاجزی تھی اور بندگی، مسکنت تھی اور تذلل پتھر پر پتھر جوڑتے جاتے تھے اور دل کے سوز و گداز کے ساتھ چشم اشکبار کے ساتھ زبانیں اس ذکر میں مشغول تھیں۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ — اے ہمارے رب! ہماری یہ خدمت

اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔ قبول فرما، بیشک تو تو سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے! دیکھیے تو ہماری زبان کا قال بھی روشن اور دل کا حال بھی عیاں ہے۔

العظمۃ للّٰہ! اللہ پر قربان ہونے والوں، اللہ کے خلیل کہلانے والوں کی یہ شان ہوتی ہے! اپنے کو مٹا چکے ہیں، مٹا رہے ہیں، پھر بھی دھڑکا یہی لگا ہوا ہے کہ یہ اپنے کو مٹانا بھی قبول ہوتا ہے یا نہیں!

آپ کہتے ہیں کہ بیشک اس گھر کا سا کوئی دوسرا گھر دنیا میں نہیں لیکن خدارا یہ تو بتائیے کہ اس گھر کے سے مزدور بھی دنیا کے کسی گھر کو ملے؟ قربان اس گھر کے مالک کے، قربان اس گھر کے مزدوروں کے۔ بیت المقدس کو سلیمان علیہ السلام نے بنوایا اور جنوں سے بنوایا، لیکن اس مقدس گھر کو دیکھنا۔ اس کے مزدور سلیمان علیہ السلام کے تابع و محکوم جنات نہ تھے، وہ تھے جو خود سلیمان علیہ السلام کے بزرگوں کے بزرگ اور ان کے اجداد کے جد تھے! دنیا کے کس مزدور نے وہ مزدوری مانگی، جو بیت اللہ کے مزدوروں نے مانگی! اور کس کو وہ مزدوری ملی جو بیت اللہ کے مزدوروں کے حصہ میں آئی؟ مزدوری کی طلب تنہا اپنے لیے نہ تھی، ہمارے لیے تھی، آپ کے لیے تھی، ان سب کے لیے تھی جو آج اپنی کوئی نماز اللہ کے

مقدس گھر کے اس مقدس مزدور پر درود بھیجے بغیر ختم نہیں کرتے اور نہیں کر سکتے۔

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ	اے ہمارے رب! ہم دونوں کو اپنا فرمانبردار بنا، اور ہماری اولاد سے ایک امت اپنی فرماں بردار بنا اور ہمیں ہمارے حج کے اعمال بتا اور ہم پر رحمت سے توجہ فرما، اور تو بیشک رحمت سے بڑا توجہ کرنے والا اور مہربان ہے۔

ابراہیم کی دعا خالی نہیں جا سکتی تھی، گھر کے بنانے والوں کو تو جو کچھ مزدوری ملی اسے یا تو وہ خود جانیں یا مزدوری کا دینے والا، لیکن اس گھر کی زیارت کرنے والوں کو، اس گھر کا طواف کرنے والوں کو، اس گھر کی طرف سفر کرنے والوں کو، اس گھر سے تعلق رکھنے والوں کو، اس گھر کی محبت و عظمت کو دل میں جگہ دینے والوں کو کیا کچھ نہیں مل سکتا؟ کیا کچھ نہیں مل جاتا؟ کیا کچھ نہیں ملا ــــــ؟ جس گھر کے یہ معمار ہوں، یہ مزدور ہوں اس گھر کی بے حساب تقدیس اور بے اندازہ عزت پر کسی کو حیرت ہونی چاہیے؟ یہ سب دیکھتے ہیں کہ گھر برکتوں اور عزتوں کا گھر ہے مگر یہ بھول جاتے ہیں کہ گھر کے معمار اور مزدور کیسے برکت والے، کیسی عزت والے کیسے تقوے اور تقدیس والے تھے روم کا عارف کہتا ہے!

کعبہ راکش ہر دمے عزت فزود — آن ز اخلاصات ابراہیم بود

فضلِ آن مسجد ز خاک و سنگ نیست — لیک در بنایش حرص و جنگ نیست

اور بالکل سچ کہتا ہے کہ کعبہ کی عزتوں اور فضیلتوں میں تم ہر لحظہ جو ترقی و برتری دیکھتے ہو، یہ ابراہیم کے اخلاص و صدق نیت کا ثمرہ ہے، وہی پتھر اور وہی مٹی جس سے ہر مسجد اور ہر عمارت کی تعمیر ہوتی ہے، اس مسجد میں بھی لگے ہوئے ہیں۔ ان کے علاوہ اس میں کوئی نئی چیز نہیں۔ نئی چیز جو ہے، وہ یہی ہے کہ اس کا بنانے والا کوئی انجنیئر نہ تھا، کوئی ماہر فن مہندس نہ تھا، کوئی بادشاہ وزیر نہ تھا، وہ تھا جو اپنے نفس کو پاک کر چکا تھا، اپنی خودی کو مٹا چکا تھا، اپنے کو خدا سے ملا چکا تھا۔ روایات میں آتا ہے کہ آسمان پر جو فرشتوں کا قبلہ ہے۔ بیت المعمور اور جس کے گرد اگرد ہر وقت ستر ہزار ایسے فرشتے جو ایک دن کے بعد دوبارہ نہیں آتے بلکہ ان کے بجائے اسی تعداد میں نئے آجاتے ہیں طواف کرتے رہتے ہیں۔ یہ زمینی خانہ کعبہ ٹھیک اسی کے محاذ میں، اور بالکل اس کے نیچے ہے۔ ان تجلیات رحمت و مرحمت کا کون اندازہ کر سکتا ہے، جو ہر لحظہ اور ہر آن بیت المعمور سے خانہ کعبہ پر پڑتی رہتی ہوں گی؟ یہ اللہ کے خلیل ہی کی آنکھ تھی جس نے ان تجلیات اور ان انوار کا مشاہدہ کیا اور ٹھیک اسی مقام پر آدم علیہ السلام کے بعد از سر نو اللہ کا گھر بنا کر اس بارش رحمت و کرم میں سب کو شریک کر دیا۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَبَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ وَبَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ

وَعَلیٰ اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

۔یہی بیت تھا جس کا طواف شروع ہوا معلم عبد القادر سکندر اپنے ہمراہ مطاف کے اندر لائے اور سارے قافلہ کو اپنی رہنمائی میں طواف کرانا شروع کیا، ہجوم اچھا خاصا تھا۔ لیکن مطاف بھی ماشاءاللہ خوب وسیع ہے۔ زیادہ کشمکش نہیں ہونے پاتی، اور اگر نجدی و بدوی حجاج اپنے کو ذرا قابو میں رکھیں تو اتنی بھی کشمکش نہیں ہونے پائے، خود معلین بھی خاصی بے احتیاطی کرتے رہتے ہیں اور لوگوں کو ڈھکیلتے اور دھکے دیتے ہوئے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں، بس اس ایک شے کے علاوہ مطاف ہر طرح پر بڑے امن اور دلچسپی کی جگہ ہے، بوڑھے، جوان، بچے عورتیں تندرست و توانا، کمزور و لاغر بھی طرح کی خلقت ہے۔ سب اپنے اپنے چکر میں مصروف، جو بوڑھے یا بیمار اپنے پیروں سے طواف نہیں کر سکتے ان کے لیے اجازت ہے کہ شبری پر طواف کریں، یہ ایک طرح کا کھٹولا ہوتا ہے۔ جسے جوان، تندرست مزدور اپنے سروں پر اٹھائے رہتے ہیں۔ بہت سے بیماروں کو اس طرح لیٹے لیٹے طواف کرتے دیکھا، ناواقف حاجیوں کو تو معلم کے بغیر چارہ ہی نہیں، اچھے خاصے پڑھے لکھے بھی پہلی دفعہ چکر میں آجاتے ہیں، البتہ ایک مرتبہ واقف ہو جانے کے بعد پھر زیادہ دقت نہیں رہتی بہتر یہ ہوگا کہ مناسک کی کتابیں پہلے سے ضرور دیکھ لی جائیں،

ہم لوگ تو بالکل معلم کے ہاتھ میں تھے جہاں سے انھوں نے شروع کرایا شروع کیا، اور جہاں پر انھوں نے ختم کرایا ختم کیا۔ رمل اور اضطباع وغیرہ سب انھیں کی ہدایت کے مطابق کرتے رہے۔ ایک چکر، دو چکر، تین چکر، لیجیے آدھ گھنٹہ کے اندر پورے ساتوں چکر ختم ہو گئے اور ہم لوگ طواف ختم کر کے وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِیْمَ مُصَلًّی پڑھتے ہوئے مقام ابراہیم کی طرف بڑھے۔

باب (۲۵)

دیارِ خلیلؑ

مقام ابراہیم کا نام کلام مجید میں دو جگہ آیا ہے، لیکن بغیر حاجی ہوئے یہ سمجھنا مشکل ہے کہ "مقام ابراہیم" ہے کیا چیز، مقام ابراہیم کے لفظی معنی ہیں۔ ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ۔ روایات حدیث میں آتا ہے کہ خلیل اللہ کی تعمیر کے وقت جب خانہ کعبہ کی دیواریں اونچی ہونے لگیں تو قدرۃً پاڑ باندھنے کی ضرورت محسوس ہوئی اس وقت حضرت جبرئیلؑ نے ایک پتھر لا کر رب جلیل کے خلیلؑ کی خدمت میں پیش کیا، اس پر کھڑے

ہوکر اللہ کے گھر کے اس معمار نے کعبہ کی دیواریں بلند کرنی شروع کردیں جب نیچے سے پتھر گارا وغیرہ اٹھانے کی ضرورت ہوتی تھی تو یہ پتھر خود بخود لچک کر نیچا ہو جاتا تھا۔ اور جوں جوں دیواریں بلند ہوتی جاتی تھیں اور اونچے تک ہاتھ پہونچانے کی ضرورت ہوتی تھی یہ پتھر بھی از خود بلند ہو جاتا تھا، یہ پتھر حجر اسود کی طرح آج تک محفوظ چلا آتا ہے، اور بعض روایات میں آیا ہے کہ اس پر اللہ کے خلیلؑ کے قدم مبارک اور انگلیوں کے نشانات تک بنے ہوئے ہیں! ـــــ پتھر کے متعلق یہ تو خیر مشہور ہے کہ وہ اس دنیا کا نہیں جنت سے لایا گیا تھا۔ اس کے محفوظ رہ جانے پر اتنی حیرت نہ کیجئے لیکن ابراہیمؑ تو اسی مادی دنیا کے، اسی عالم ناسوت کے، اسی عالم آب وگل کے تھے، ان کی انگلیاں اور ان کے پیروں کے تلوے تو اسی گوشت و پوست کے بنے ہوئے تھے آخر ان کے نشانات کیسے محفوظ رہ گئے؟ دھوپ کی کیسی کیسی کڑی شعاعیں پڑیں بارش کس زور زور کی ہوتی رہی، ایک دو دن نہیں، سال دو سال نہیں ہزارہا برس تک سارے عناصر اپنا زور دکھاتے رہے، اور وہ نقش نہ مٹے! اتنی طویل مدت میں کون باقی رہا، کلدانیہ کا تمدن مٹ گیا، بابل کا اقبال افسانہ بن گیا، مصری تہذیب خواب خیال ہو کر رہ گئی، روما مٹ گیا، یونان مٹ گیا، نہ دارا رہا نہ سکندر نہ ہنی بال رہا نہ قیصر، نہ چنگیز رہا نہ ہلاکو، جن کو گھمنڈ اور دعویٰ تھا کہ ہم سب کو مٹا دیں گے اور خود نہ مٹیں گے، مٹ کر اور ملیامیٹ ہو کر رہ گئے پر ایک خاک کے

پتلے کے نقش قدم ہیں کہ وہ کسی کے مٹائے نہ مٹے! وہ خاک کا پتلا اپنے اللہ کا مطیع ہو گیا تھا، کائنات کی ساری قوتیں خود اس کی مطیع کر دی گئیں۔

وَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۔

یہ پتھر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ حضرت صدیقؓ کے زمانہ تک خانہ کعبہ کی دیوار سے متصل اپنی اصلی جگہ پر رکھا ہوا تھا شاہ عبدالعزیز دہلوی اپنی تفسیر میں سنن بیہقی کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ عہد فاروقی میں ایک سیلاب آیا جس سے یہ پتھر اپنی جگہ سے ہٹ کر بہہ گیا۔ حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی تو آپ خود تشریف لائے اور اس پتھر کو دیوار کعبہ سے فاصلہ پر مطاف سے باہر ایک مقام پر رکھوا دیا، اور اب تک وہیں رکھا چلا آتا ہے، البتہ اب یہ کھلی ہوئی جگہ میں نہیں ہے بلکہ ایک چھوٹی سی جالی دار کوٹھری بنا دی گئی ہے، جس پر ایک قبہ بھی ہے، اسی کوٹھری کے اندر محفوظ ہے۔ پہلے ہر شخص آزادی سے زیارت کر سکتا تھا، اب کوٹھری بند رہتی ہے، شاید کسی خوش نصیب کو کسی خاص وقت میں زیارت کا موقع مل جاتا ہو۔ مطاف کے کنارے مشرق جانب ایک خوبصورت محراب پتھر کی کھڑی ہوئی ہے یہ محراب النبیؐ کہلاتی ہے اس لیے کہ حضورؐ اکثر اسی راستے سے تشریف لاتے تھے، اسی محراب کے قریب سمت جنوب میں وہ خوش نما قبہ ہے جس کے نیچے وہ مبارک پتھر کوٹھری میں بند رہتا ہے اور اب مجازاً خود اسی کوٹھری کو مقام ابراہیم

کہنے لگے ہیں۔ سننے میں آیا کہ حجر اسود اور اس مقام کے درمیان ، ۲ گز کا فاصلہ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ پتھر تین بالشت اونچا اور دو بالشت چوڑا ہے۔ اور اس پر چاندی کا پتر چڑھا دیا گیا ہے۔ صرف اتنی جگہ جہاں قدم مبارک کا نقش ہے اپنی اصلی حالت پر چھوٹی ہوئی ہے ہزار ہا زائرین اس شوق و اشتیاق میں آتے ہیں کہ اللہ کے خلیلؑ کا قدم مبارک نہ سہی، اس قدم کے نقوش ہی کو اپنی آنکھوں اور ہونٹوں سے لگائیں۔ لیکن دور سعودی میں یہ کہاں ممکن؟ سپاہی بید لیے ہوئے پہرہ پر کھڑے ہوئے ہیں۔ اور کوٹھری کے اندر رسائی ہونا الگ رہا۔ جو زائرین اپنے جذبۂ شوق کی تسکین کے لیے کوٹھری کے دروازہ کی زنجیر کو مس کرنے اور بوسہ دینے کے لیے بڑھتے ہیں، معاً ان کے جسم پر نجدی سپاہی کے بید کی ضربیں پڑتی نظر آتی ہیں!

یہ ہے وہ "مقام ابراہیم"، جس کا تذکرہ مقدس کلام میں کس مقدس موقع پر آتا ہے۔ فِیۡهِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبۡرٰهِیۡمَ اوپر ذکر بکہ (مکہ) مبارکہ کا ہو رہا ہے، اور اسی مبارک شہر کے بیت مبارک کا ذکر کیا گیا اور مبارک شہر کے مبارک گھر میں اپنی سب سے بڑی اور کھلی ہوئی نشانی اسی مقام ابراہیم کو فرمایا گیا۔ اور پھر محض اس تذکرہ ہی پر اکتفا نہیں دوسری جگہ حکم کی صورت میں ارشاد ہوتا ہے۔ وَاتَّخِذُوۡا مِنۡ مَّقَامِ اِبۡرٰهٖمَ مُصَلًّى (ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کا ٹھکانا بناؤ) نماز پڑھنے کے

لیے تو سارا خانہ کعبہ ہے، سارا صحن حرم ہے۔ حطیم ہے لیکن ایمان والوں کو اللہ کے فرماں بردار بندوں کو سجدہ کرنے پیشانی زمین پر رگڑنے کا حکم صراحت کے ساتھ ملتا ہے تو اس زمین کے واسطے، جو ابراہیم کے خاک پا سے پاک و مشرف ہو چکی ہے! اللہ اللہ! اپنے چاہنے والوں کی کیا کیا دلنوازیاں ہیں، ان کے لیے کیسی کیسی سرفرازیاں ہیں! اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا سارے جہاں کی امامت و پیشوائی کا وعدہ آخر انھیں ابراہیم ہی سے تو کیا گیا تھا۔ پھر آخر کیا اس کا ایفا نہ ہوتا؟ اور امام کے جہاں پیر ہوتے ہیں وہیں تو سارے نمازیوں کے سر آکر زمین سے لگتے ہیں! ــــ "کل" سب دیکھیں گے اور آنکھوں والے آج بھی دیکھ رہے ہیں، اور ہزاروں برس سے دیکھتے چلے آرہے ہیں کہ جو سب سے اپنے دل کے بندھن توڑ، صرف ایک اور اکیلے سے اپنا رشتہ جوڑ چکا تھا (اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ) اور جو اپنے وقت و زمانہ کی ساری تہذیب و تمدن اور اپنی قوم و ملت کی شان و شوکت پر لعنت بھیج چکا تھا، (اَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ) اس کے لیے کیا کیا انعام و اکرام ہیں، کیسے کیسے صلے اور رتبے ہیں! آج دنیا جہان کے لیے اس کی امامت اور "کل" سب سے پہلا حُلّہ بہشتی بھی اللہ کے گھر کے اسی معمار کے لیے! "آج" کی نعمتوں کا تو ٹوٹا پھوٹا تصور ہو بھی جاتا ہے۔ "کل" کی نعمتوں کا اندازہ اور تصور کس انسانی دماغ کے بس کی بات ہے!

فقہ حنفیہ میں حکم ہے کہ طواف سے فارغ ہو کر اسی مقام ابراہیم میں آکر دو رکعت نماز پڑھے، پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ کافرون اور دوسری میں سورہ اخلاص ہو تو بہتر ہے۔ اتنے نصیب کہاں تھے، کہ عین مقام ابراہیم تک پہونچتے اس کے برآمدہ میں بھی کثرت ہجوم سے جگہ نہ ملی، مجبورًا مقام ابراہیم کے متصل جو جگہ اس کے اور محراب النبیؐ کے درمیان ہے، وہاں نماز پڑھی، یہ نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر طواف کے خاتمہ یعنی اس کے سات چکروں کے پورے ہونے پر پڑھتے تھے۔ اور اسی لیے امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ نماز واجب ہے۔ گو امام شافعی کے ہاں محض سنت کے درجہ میں ہے۔ نماز کے بعد معلّم نے جو دعا پڑھائی وہ غالبًا یہ تھی۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ تَعْلَمُ سِرِّیْ
وَعَلَانِیَتِیْ فَاقْبَلْ مَعْذِرَتِیْ
وَتَعْلَمُ حَاجَتِیْ فَاَعْطِنِیْ سُؤَالِیْ وَ
تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ
ذُنُوْبِیْ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ
اِیْمَانًا یُّبَاشِرُ قَلْبِیْ
یَقِیْنًا صَادِقًا حَتّٰی
اَعْلَمَ اَنَّہٗ لَا یُصِیْبُنِیْ
اِلَّا مَا کَتَبْتَ لِیْ وَرَضِّنِیْ

اے اللہ! تو جانتا ہے میرا باطن اور میرا ظاہر، پس میرا عذر قبول کر اور تو میری حاجت سے واقف ہے پس جو میں طلب کرتا ہوں مجھے عطا کر۔ اور تو جانتا ہے جو کچھ میرے دل میں ہے۔ پس میرے گناہوں کو معاف کردے، اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں ایمان جو میرے دل میں جگہ رکھے اور ایسا سچا یقین جس سے میں جان جاؤں مجھے بس وہی ملے گا جو کچھ تو نے میرے لیے لکھ رکھا ہے اور

بِمَا قَسَمْتَ لِیْ اَرْحَمَ الرّٰاحِمِیْنَ   اور اے سب رحیموں سے بڑھ کر رحیم میں مانگتا ہوں تجھ سے اس چیز پر رضامندی جو تو نے میری قسمت میں لکھ رکھی ہے۔

حدیثی روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے یہی دعا مانگی تھی، اس کے الفاظ کی جامعیت وہمہ گیری ظاہر ہے لیکن اختیار ہے کہ اس کے بعد بھی اپنی دینی ودنیوی حاجتوں کے لیے اور جو دعائیں مانگنا چاہے مانگے۔

بہت سے لوگ اس غلطی میں مبتلا ہیں کہ بعد طواف، یہ دوگانہ، خاص اسی جگہ یعنی مقام ابراہیم ہی پر ادا کرنا چاہیئے، یہ صحیح نہیں۔ امام محمدؒ کے الفاظ بالکل صاف وواضح ہیں۔

ثُمَّ اٰیَتَ الْمَقَامَ فَصَلِّ عِنْدَہٗ رَکْعَتَیْنِ   مقام ابراہیم کے قریب آکر دو رکعتیں پڑھو،

اَوْحَیْثُمَا تَیَسَّرَ عَلَیْکَ مِنَ الْمَسْجِدِ   یا مسجد میں جہاں کہیں آسانی سے جگہ مل جائے

شمس الائمہ سرخسی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:۔

وَمُرَادُہٗ اَنَّ الزِّحَامَ یَکْثُرُ عِنْدَ الْمَقَامِ فَلَا یَنْبَغِیْ اَنْ یَّتَحَمَّلَ الْمَشَقَّۃَ لِذٰلِکَ وَلٰکِنِ الْمَسْجِدُ کُلُّہٗ مَوْضِعٌ لِلصَّلٰوۃِ فَیُصَلِّیْ حَیْثُ تَیَسَّرَ عَلَیْہِ   مطلب یہ ہے کہ مقام ابراہیم پر سخت ہجوم رہا کرتا ہے ایسی صورت میں یہ درست نہیں کہ خواہ مخواہ اس کے لیے مشقت اٹھائی جائے بلکہ نماز کی جگہ ساری مسجد ہے یس جہاں کہیں آسانی سے جگہ ملجائے نماز پڑھ لی جائے۔ (مبسوط جلد ۴ مصری)

اسی طرح کی تصریحات دوسرے فقہا کے ہاں بھی ہیں وَبِرَکعَتَینِ فِی المُقَامِ حَیثُ تَیَسَّرَ مِنَ المَسجِد (کنز)، ثُمَّ یَاتِی المَقَامَ فَیُصَلِّی عِندَہٗ رَکعَتَینِ اَوحَیثُ تَیَسَّرَ مِنَ المَسجِد (ہدایہ) بلکہ اگر حدود مسجد الحرام کے باہر بھی پڑھ لے جب بھی جائز ہے، فی ای موضع تیسر علیہ من المسجد الحرام او غیرہ وان صلی فی مقام ابراھیم فھو افضل (سراجیہ) یصلی بعد الطواف رکعتین عند المقام اوحیث تیسر لہ من المسجد وان صلی فی غیر المسجد جاز (قاضی خاں) حج کے موقع پر جتنے اعمال ہیں سب میں یہ قدم قدم پر ملحوظ رکھا گیا ہے۔ کہ اللہ کی عبادت کرنے میں بندوں کے حقوق کی ادائی میں غفلت نہ ہونے پائے اور حتی الامکان کسی دوسرے مسلمان کو کسی نوع اور درجہ کی ایذا نہ پہونچنے پائے، حج کا سفر، قلب کی شکستگی، عبدیت وانابت کا ایک مدرسہ ہے، اپنی کسی سہولت اور آسائش کے لیے یا کسی سنت کے ادا کرنے میں دوسروں کی راحت و آسائش کی طرف سے بے پروائی کی کوئی گنجائش اس پاک سفر میں نہیں۔

خیر یہاں سے چند منٹ میں فارغ ہو گئے، اور اب چاہ زمزم کی طرف بڑھے، آب زمزم اور چاہ زمزم کا نام ہر مسلمان کے کان میں پڑا ہوا ہے۔ زمزم اب ایک کنوئیں کی شکل میں ہے، لیکن اصل میں چشمہ کا نام ہے۔ صحیح و مستند روایات میں اس کا جو کچھ تذکرہ آتا ہے۔ اس کا

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ شام سے آکر اپنی بیوی حضرت ہاجرہ اور شیر خوار صاجزادہ حضرت اسمٰعیلؑ کو جب مکہ میں چھوڑ کر واپس جانے لگے تو ایک مشک پانی اور کچھ کھجوریں ان کے پاس رکھ گئے تھے، ایک مشک کب تک کام دیتی، پانی ختم ہوا، اور ماں اور بچہ پر پیاس کا غلبہ، قریب میں صفا و مروہ دو پہاڑیاں تھیں، مائی ہاجرہ اپنی اور اپنے نور نظر دونوں کی پیاس سے بے قرار ہو کر ان پہاڑیوں کی طرف پانی کی تلاش میں بار بار دوڑتی تھیں کہ شاید ان کی آڑ میں کوئی قافلہ آتا جاتا نظر آجائے جس سے پانی کی کچھ مقدار مانگ لائیں، ادھر شیر خوار پیمبر زادہ نے جو تڑپ تڑپ کر زمین پر پیر پٹخے تو ایڑیوں کے نیچے زمین سے پانی کا ایک چشمہ جاری ہو گیا حضرت ہاجرہ جب سات پھیروں کے بعد مایوس واپس آئیں تو دیکھا صاجزادہ کے قدموں کے نیچے ایک چشمہ جاری ہے! —— آگے چل کر اور جوان ہو کر جس کے قدموں کے نیچے ایک عالم کی روحانی پیاس کی تسکین کے لیے فیض و ہدایت کا چشمہ جاری ہونے والا ہو اگر بچپن میں مادّی سیرابی کے سامان کا ظہور اس کے قدموں کی برکت سے ہو گیا ہو تو کوئی عقل اور قیاس اسے اپنے اوپر بار کیوں محسوس کرے؟ —— بہرحال حضرت ہاجرہ نے جو یہ ماجرا دیکھا تو باغ باغ ہو گئیں، اور مٹی سے گھیر کر پانی کے لیے ایک کنوئیں کی سی شکل قائم کر دی، اسی حالت میں زبان سے نکلا تھا "زم زم" ٹھہر ٹھہر، بس اسی وقت سے اس کا نام زمزم پڑ گیا، مکہ کی آبادی اسی وقت سے قائم

ہوئی۔ اس وقت تک شہر کے بجائے چٹیل میدان پڑا ہوا تھا، کچھ دنوں کے بعد کنواں پٹ گیا۔ اور رفتہ رفتہ اہل مکہ اسے بھول بھی گئے، جب سرورِ عالم کی ولادت باسعادت کا زمانہ قریب آیا تو عبد المطلب کو خواب میں اس کنوئیں کا پتہ بتایا گیا، اس وقت سے زم زم ازسرِ نو دنیا کو سیراب کرنے لگا۔

موجودہ حالت میں چاہ زمزم معمولی کھلے ہوئے کنوئیں کی طرح نہیں بلکہ باہر سے ایک کمرہ سا معلوم ہوتا ہے۔ دیوار کعبہ سے ۳۲، ۳۳ گز کا فاصلہ ہوگا، کمرہ کی عمارت دو منزلہ ہے، نیچے والے کمرے کے دو حصے ہیں ایک حصہ میں کنواں ہے، دوسرے میں آبدار خانہ۔ کنواں اندر اور باہر دونوں طرف سے سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے، پانی کی سطح کچھ کم ستر گز کی گہرائی کے بعد ہے۔ کنویں کا منھ اچھا خاصا بڑا ہے، جیسا ہمارے ہاں اندارے کنویں کا ہوتا ہے، دہانہ کا چوڑان کوئی چار گز کا ہوگا، اور پھر بارہ گز سے اوپر چار گھرنیاں (چرخیاں) لگی ہوئی ہیں، چاروں طرف سے پانی کھینچا جاسکتا ہے، کمرہ کی چھت میں بھی پانی بھرنے کی جگہ رکھی گئی ہے، کوئی چاہے تو اوپر کے درجہ سے بھی پانی کا ڈول نکال سکتا ہے، دیواریں زیادہ تر سنگ اسود کی ہیں، اوپر کے درجہ میں خانہ کعبہ کے رخ پر ایک چوبی برآمدہ ہے جگت خاصی اونچی ہے کوئی قد آدم۔ پانی کی سطح سے ذرا نیچے ایک مضبوط جالی لگا دی گئی ہے۔ تاکہ حاجیوں کے ہجوم و کشمکش

یں اگر اتفاق سے کسی کی کوئی چیز کنویں میں گر پڑے تو فوراً نکالی جا سکے
ہ تک نہ پہونچنے پائے، نالیاں متعدد بنی ہوئی ہیں، تاکہ گرا ہوا پانی برابر
باہر نکلتا رہے، دروازہ مشرق کی جانب ہے۔ رات میں بند ہو جاتا ہے
دن میں برابر کھلا رہتا ہے، ہر شخص کو آزادی ہے کہ اپنے ہاتھ سے پانی
نکالے، موسم حج کے ہجوم وچپقلش میں ہر ایک یہ نصیبہ کہاں سے لا سکتا ہے؟
چرخیوں تک پہونچنا اور ڈول ہاتھ سے کھینچنا الگ رہا، کمرہ کے اندر گھسنے
کی بھی ہمت ہر ایک کی نہیں پڑتی۔

آب زمزم کی فضیلتیں احادیث صحیحہ میں بکثرت وارد ہوئی ہیں ایک
حدیث میں آتا ہے مَاءُ زَمْزَمَ لِمَا شُرِبَ لَہٗ زمزم کا پانی جس نیت
سے پیا جائے وہ مقصد پورا ہوگا۔ ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ زمزم
کا پانی غذا ہے، پیٹ بھرنے والی، اور شفا ہے بیمار کے لیے، ایک اور
روایت میں حضور کی زبان سے منقول ہے کہ دنیا میں بہتر پانی زمزم کا
پانی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ ہم لوگ زمزم کو
شباعہ یعنی سیراب کر دینے والا، پیٹ بھر دینے والا کہتے ہیں۔ اور ابن
عباس ہی سے ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ اگر اس کو بیمار شفا
کی غرض سے پیے تو اسے اللہ شفا دے گا، اگر کوئی پیٹ بھرنے کے لیے
پیئے تو اس کی پیاس بجھا دے گا، متعدد اکابر، امام شافعیؒ، عبداللہ بن مبارکؒ

حافظ ابن حجر وغیرہم اپنا تجربہ لکھتے ہیں کہ ہم نے جس غرض کے لیے اسے پیا وہ مقصد پورا ہوکر رہا، خود حضور کو بھی یہ پانی نہایت مرغوب و محبوب تھا، بہتر یہ ہے کہ اسے جب پیا جائے تو تین سانسوں میں سیراب ہوکر پیا جائے اور پیتے وقت یہ الفاظ ماثورہ بطور دعا پڑھ لیے جائیں :-

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا وَّ	اے اللہ! میں تجھ سے طلب کرتا ہوں کام
رِزْقًا وَّاسِعًا وَّشِفَاءً مِّنْ كُلِّ دَاءٍ	آنے والا علم اور فراخی کے ساتھ روزی اور
	ہر بیماری سے شفا۔

ایک مستقل اور نمایاں کرامت اس کی یہ ہے کہ لوگ اسے اپنے ہمراہ ٹین کے ڈبوں یا ڈبیوں میں بھر بھر کر لے آتے ہیں، اور لاکر برسوں رکھتے ہیں پھر بھی نہ یہ پانی سڑتا ہے نہ اس میں کیڑے پڑتے ہیں، چنانچہ کم از کم اپنا ذاتی تجربہ تو یہ ہے کہ ۱۹۲۹ء کا لایا ہوا آج تک یعنی ۲۰ سال گزر جانے پر ۱۹۴۹ء میں بوتلوں میں ویسا ہی محفوظ چلا آرہا ہے۔ یہ فضائل سب بجا و مسلّم، البتہ ذائقہ میں مدینہ کے پانی سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا، بدمزہ یہ بھی نہیں، لیکن ایک طرح کی نمکینی ہے اور مزہ میں دودھ کی سی چکناہٹ محسوس ہوتی ہے، پھر تھوڑا سا پینے میں طبیعت سیر و آسودہ ہوجاتی ہے، مدینہ منوّرہ کے پانی کی سی ٹھنڈک، نہ شیرنی، نہ لطافت کہ جتنا چاہیئے بغیر گرانی محسوس کئے ہوئے پیتے چلے جایئے!

عصر کا وقت آخر ہو رہا تھا، جب ہم لوگ طواف و متعلقات طواف

سے فارغ ہوکر "سعی" کے لیے باہر نکلے، سعی کے لفظی معنی، تیز چلنے یا دوڑنے کے ہیں، اصطلاح میں سعی نام ہے صفا و مروہ کے درمیان سات پھیرے کرنے کا، سعی کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے خانہ کعبہ میں حجر اسود کو بوسہ دے، اس کے بعد باب بنی مخزوم سے یا کسی اور دروازے سے حرم شریف سے باہر نکلے، اور ان مقامات کے درمیان سات پھیرے کرے۔ اس طرح کہ پہلا پھیرا صفا سے شروع ہو، اور ساتواں پھیرا مروہ پر ختم ہو۔ صفا و مروہ کسی زمانہ میں اونچی پہاڑیاں تھی مائی ہاجرہ پانی کی تلاش میں مضطر و بیقرار ہوکر انھیں پہاڑیوں پر چڑھ چڑھ کر دیکھتی تھیں کہ شاید دور سے کوئی قافلہ نظر پڑ جائے اور اس سے پانی حاصل ہوجائے، اب تو پہاڑیاں باقی نہیں رہیں، معمولی بلندی کے چبوترے سے کچھ رہ گئے ہیں حضرت ہاجرہ سات ہی پھیرے کرنے پائی تھیں کہ شیر خوار نور نظر کی ایڑیوں کے نیچے سے پانی کا چشمہ اُبلنے لگا تھا اور اس صدیقہ کی سعی ختم ہوگئی تھی، بس اس سعی کی یادگار آج تک قائم چلی آرہی ہے ـــــ اللہ والوں اور اللہ والیوں کا مرتبہ ذرا دیکھنا طالب خود اس راہ میں مطلوب بن جاتے ہیں! ہاجرہ صدیقہ نے زندگی میں ایک بار سات پھیرے کئے تھے، اس کی یادگار میں اس ساڑھے تیرہ سو برس کی مدت میں، کتنے لاکھ کتنے کروڑ کتنے ارب کتنے پھیرے اس راہ پر اپنے دربار کی حاضری دینے والوں سے کرائے جا چکے ہیں، اور دنیا کا کوئی ریاضی داں حساب لگا سکتا ہے کہ قیامت تک ان پھیروں اور پھیرے کرنے والوں کی تعداد کہاں تک پہونچے گی! سالہا سال نہیں،

صدیاں گزر چکی ہیں، اور ہاجرہ کے نقش قدم پر چلنے والوں کا تانتا ہے کہ کسی کے توڑے نہیں ٹوٹتا!

باب (۲۶)

عُمرَہ

"صَفا" و "مروَہ" کا نام جب ہندوستان میں سنتے تھے یا کتابوں میں پڑھتے تھے، تو خیال ہوتا تھا کہ شہر سے دور آبادی سے الگ کسی ویرانہ میں یہ خشک پہاڑیاں ہوں گی۔ مسافت طے کر کے یہاں پہونچنا ہوتا ہوگا، اور ان کے درمیان "سعی" کرنا بجائے خود ایک مستقل سفر ہوتا ہوگا۔ یہ تخیل مکہ پہونچنے تک قائم رہا، آج "سعی" کے وقت عمر بھر کی یہ غلط فہمی دور ہوئی اور مشاہدہ کے بعد معلوم ہوا کہ یہ سارا تخیل بالکل بے بنیاد تھا، صَفا و مروَہ کسی زمانے میں پہاڑیاں تھیں۔ مگر اب تو ان پہاڑیوں کے نشان محض کچھ اونچے چبوترے سے، اور ان کے چند زینے ہی باقی رہ گئے ہیں، آس پاس کے بلند مکانات ان پہاڑیوں سے کہیں زیادہ بلند ہیں۔ پھر یہ پہاڑیاں آبادی سے دور کسی ویرانہ میں نہیں بلکہ عین وسط شہر میں ناف آبادی کے اندر ہیں اور حرم شریف سے فاصلہ کچھ بھی نہیں گویا بالکل متصل۔ حرم شریف کے ایک دروازہ سے نکلئے تو صفا

بالکل سامنے، دوسرے دروازہ سے نکلئے تو چند قدم چل کر مروہ دونوں کے درمیان کا فاصلہ کچھ کم دو فرلانگ۔ "سعی" نام ہے اسی درمیانی مسافت کے طے کرنے کا، اور اس راستہ کو "مسعیٰ" (جائے سعی) کہتے ہیں۔ یہ مسعیٰ کسی ویران و سنسان مقام میں، ہونا الگ رہا، شہر کے سب سے زیادہ آباد و بارونق اور چہل پہل والے حصہ میں واقع ہے! اچھی چوڑی پختہ سڑک، دور تک اوپر سے سائبان پڑا ہوا۔ کچھ دور تک ایک طرف حرم کے دروازے اور دونوں طرف تقریباً سارے راستہ بھر ہر قسم کی آراستہ و پر رونق دوکانیں، خوش رنگ شربتوں کے گلاس اور ٹھنڈے پانی کی صراحیاں بکنے کے لیے ہر چند قدم پر موجود چلتے یعنی سعی کرتے وقت یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ کوئی عبادت کر رہے ہیں۔ بس یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا دہلی کے چاندنی چوک یا لکھنؤ کے امین آباد یا حیدرآباد کے چار مینار میں ٹہل رہے ہیں۔

عصر کا وقت قریب ختم تھا، جب ہم لوگ حرم شریف سے نکل کر صفا پر پہونچے اور معلم کی رہنمائی میں سعی شروع کی، سعی کے سات شوط ہوتے ہیں، یعنی صفا و مروہ کی درمیانی مسافت کو سات مرتبہ طے کرنا ہوتا ہے، گویا ۱۴ فرلانگ یا تقریباً دو میل چلنا ہوتا ہے جو بہت سے لوگوں کے لیے اچھی خاصی اور تھکا دینے والی مسافت ہے خصوصاً گرمی کے موسم میں، اور ہجوم کی کشمکش کے درمیان لیکن شریعت نے مسلسل سعی ضروری نہیں رکھی ہے۔ تھک جانے والے کو

درمیان میں سستا لینے اور بیٹھ جانے کا پورا اختیار دیا ہے جو لوگ کچھ دور بھی پیدل چلنے میں دشواری محسوس کرتے ہوں وہ سعی سواری کے اوپر کر سکتے ہیں اور اس غرض کے لیے سب سے بہتر چیز یہاں کی شبری ہے جو ایک طرح کا پلنگ ہوتا ہے۔ جس پر ضعیف و مریض آسانی سے لیٹ سکتے ہیں اور اس کو اپنے کاندھوں پر اٹھانے والے حمال (مزدور) بہ کثرت ہر وقت ملتے رہتے ہیں، شام کا وقت دوکانداری کے شباب کا وقت تھا اور پھر حاجیوں کی بڑی تعداد دن کی گرمی سے بچنے کے لیے اسی وقت سعی کو نکلی تھی، اس لیے ہجوم قدرۃً اپنے منتہیٰ پر تھا آگے پیچھے داہیں بائیں، ہر طرف خلقت ہی خلقت، انسانوں کے ہجوم کے علاوہ کہیں کہیں اونٹوں کی بھی مسلسل قطار سے سابقہ پڑتا جاتا تھا، جس کا تانتا پانچ پانچ دس دس منٹ تک ٹوٹنے میں نہیں آتا تھا، مجبوراً اونٹوں کے نیچے سے نکل نکل کر گزرنا ہوتا تھا، اونٹوں سے زیادہ تکلیف دہ سرکاری اور سلطانی موٹریں تھیں جو عین حرم شریف کے متصل زور زور سے اپنے بگل اور ہارن بجاتی ہوئی چیختی چلاتی ہوئی اس ہجوم کو چیر کر تیزی سے گزرنا چاہتی تھیں، اور اونٹوں اور موٹروں دونوں سے زیادہ تکلیف دہ بعض نجدی و بدوی قبائل تھے جو کئی کئی مرد و عورت ایک ایک قطار قائم کئے ایک دوسرے کے ہاتھ مضبوطی سے پکڑے ہوئے بلا وجہ دوڑتے اور جھپٹتے ہوئے مجمع میں گھستے تھے اور جب ان کا ریلا آنے لگتا تو بس یہی معلوم ہوتا تھا کہ کمزور جُثّے والے اکا دکا حاجیوں کو یہ دَل کچل کر بلکہ ان کی ہڈیوں تک کو سرمہ کر کے رکھ دے گا۔ سعودی پولیس

اور محکمہ امر بالمعروف کے پیادے، جنکی زبانیں مدینہ منورہ میں روضہ نبوی کے متصل بات بات پر چلتیں اور جن کے بید وہاں بار بار اٹھتے رہتے تھے، یہاں ان میں سے کسی کا وجود نہیں! یہاں راستہ کے انتظام کے لئے مجمع میں نظم امن قائم رکھنے کیلئے زخمیوں کو اٹھانے کے لیے، کمزوروں اور ناتوانوں کو زبردستوں اور ظالموں کی زیادتی سے بچانے کے لیے، حکومت کا کوئی پیادہ موجود نہیں! محض اس مقام کی عظمت و بزرگی، جلالت قدر و کرامت عالی ہے کہ گرنے اور چوٹ کھانے کے حادثات بالکل نادر الوقوع ہیں، ورنہ اسباب ظاہری و قرائن کے لحاظ سے تو جو کچھ بھی پیش آجائے تھوڑا ہے۔

فقہ حنفی کی کتابوں میں سعی کا طریقہ یہ لکھا ہوا ہے، کہ حرم شریف سے نکلتے وقت ذکر کرتے ہوئے اور درود پڑھتے ہوئے نکلے، کوہ صفا پر چڑھنے لگے تو دل میں سعی کی نیت کرے، اور بہتر یہ ہے کہ زبان سے بھی یہ الفاظ کہے، اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُرِیْدُ السَّعْیَ بَیْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَۃِ سَبْعَۃَ اَشْوَاطٍ لِوَجْھِكَ الْكَرِیْمِ فَیَسِّرْہُ لِیْ وَتَقَبَّلْہُ مِنِّیْ۔ ایک زینہ پر چڑھنے سے کعبہ نظر آنے لگتا ہے، اسی لیے زیادہ زینے چڑھنے کی ضرورت نہیں جب خانہ کعبہ نظر آنے لگے تو اسی طرف منھ کرکے تکبیر و تہلیل کرے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھ کر جو دعائیں مانگنا چاہے مانگے کہ یہ خاص محل اجابت ہے، یہاں قیام اتنی دیر رکھے جتنی دیر میں دو تین رکوع بہ اطمینان پڑھے جا سکتے ہوں۔

یہاں کے لیے دعاؤں کے جو الفاظ منقول وماثور ہیں، وہ متعدد ہیں، اور اکثر ان میں سے طویل ہیں ایک مختصر دعا اس موقع کے لیے حسب ذیل بھی نقل ہوئی ہے۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ. لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْرٌ" لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ اَنْجَزَ وَعْدَہٗ وَنَصَرَ عَبْدَہٗ وَھَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَہٗ ۔ کے بعد صفا سے یہ دعا پڑھتا ہوا اترے اَللّٰھُمَّ اسْتَعْمِلْنِیْ بِسُنَّۃِ نَبِیِّکَ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَتَوَفَّنِیْ عَلٰی مِلَّتِہٖ وَاَعِذْنِیْ مِنْ مُّضِلَّاتِ الْفِتَنِ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ.

اس کے بعد اپنی معمولی رفتار سے چلنا شروع کرے، ڈیڑھ دو سو قدم چلنے پر وہ وادی شروع ہو جائے گی، جہاں ہاجرہ صدیقہ علیہا السلام دوڑ کر چلی تھیں، یہاں چاہیے کہ اپنی رفتار بھی تیز کر دے اور ہلکی دوڑ شروع کر دے۔ سرپٹ بھاگنے کی ضرورت نہیں، جیسا کہ اکثر ناواقف عمل کرتے رہتے ہیں، اس وادی کا طول کتابوں میں پچھتر گز (سوا دو سو فٹ) لکھا ہوا ہے، وادی کے دونوں سروں پر سبز رنگ کے اونچے پتھر بطور ستون نصب کر دیے ہیں۔ ان کو میلین اخضرین کہتے ہیں انھیں دیکھ کر ہر عامی حاجی بھی بغیر معلم کے وساطت کے سمجھ سکتا ہے کہ بس اتنی دور ذرا دوڑ کر چلنا ہے۔ اس کے بعد پھر اپنی وہی معمولی چال اختیار کرے، اصل مسعیٰ (دوڑنے کی جگہ) اسی وادی کا نام ہے، میلین کے درمیان معلمین جو دعائیں پڑھاتے ہیں وہ تو

خاصی لمبی چوڑی ہیں لیکن اگر اس قدر بھی پڑھ لے تو کافی ہے رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَتَجَاوَزْ عَمَّا تَعْلَمُ بِاَنَّكَ اَنْتَ الْاَعَزُّ الْاَكْرَمُ صفا و مروہ دونوں پر چڑھتے وقت آیہ کریمہ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ پڑھتا رہے۔

سعی، فقہ شافعی میں فرض ہے۔ اور رکن حج ہے۔ بغیر سعی کے ان کے ہاں حج ہی نہ ہوگا، فقہ حنفی میں فرض نہیں، لیکن واجب، اور ایک نہایت موکد سنّت ان کے ہاں بھی ہے سعی کے سات پھیرے ہیں لیکن اگر کوئی شخص صرف چار ہی پھیرے کرے تو بھی سعی ہو جاتی ہے، گو یہ بہتر نہیں سمجھا گیا ہے اور چار سے بھی کم پھیرے کرنا گویا سعی سرے ہی سے نہ کرنا ہے، سعی میں باوضو رہنا لازمی نہیں، لیکن بہت مستحسن اور مستحب ہے۔ سعی کے سارے وقت میں حضور قلب کے ساتھ دعا و مناجات میں لگے رہنا چاہیے، بلاضرورت دنیوی باتیں کرنا مکروہ ہے۔ کھانا پینا خرید و فروخت کرنے لگنا، اگرچہ جائز رکھا گیا ہے لیکن بلاضرورت ان میں سے کسی چیز کی طرف متوجہ ہونا بڑی قیمتی اور قابل قدر گھڑیوں کو برباد کر دینا ہے۔ اتنے ہجوم عظیم میں اور عین بازار کی چہل پہل کے درمیان حضور قلب قائم رکھنا واقعۃً بہت دشوار ہے لیکن بہرحال اپنی طرف سے تو کوشش اسی کی رکھنا چاہیئے، اور اجر کا دارو مدار کوشش ہی پر ہے

ساتواں پھیرا مروہ پر تمام ہوگا، اس کے بعد چاہیئے کہ حرم شریف میں جاکر مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز پڑھے، جس طرح طواف کے ختم ہونے پر پڑھی جاتی ہے اور بس عمرہ کرنے والے کا عمرہ اسی پر ختم ہو جاتا ہے جس کی نیت حج تمتع کی تھی اسے چاہیئے کہ حرم شریف سے باہر آکر اپنا سر منڈائے یا کم از کم بال کتروالے اور احرام اتار کر حج کا منتظر رہے، حج قِران کی نیت کرنے والا بدستور احرام پہنے رہے، اور بال ہرگز نہ منڈائے نہ کترائے۔

ابھی سعی کر ہی رہے تھے کہ مغرب کا وقت آگیا اور حرم میں جماعت کھڑی ہو گئی، ہم لوگ بھی سعی کو ناتمام چھوڑ کر لپک کر جماعت میں شریک ہو گئے حرم کے اندر تو کیا جگہ ملتی، باہر سیڑھیوں کے نیچے، سڑک کے اوپر جگہ ملی اور جوں توں کر کے نماز ختم کی۔ اس کے بعد سعی کے بقیہ شوط پورے کئے لیجئے جن رفیقوں کا میری طرح حج تمتع تھا ان سب کا عمرہ ختم ہوگیا، اس وقت کی خوشی کا کیا پوچھنا عمرہ سے فراغت کیا ہوئی، یہ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی خزانہ مل گیا ہے ہنستے ہوئے چہروں کے ساتھ ایک دوسرے کو مبارکباد دی جانے لگی، طویل سفر سے چلے آرہے تھے اور آتے ہی طواف و سعی میں مشغول ہو گئے تھے، خوب تھکے ہوئے تھے، لیکن دل کے انبساط نے جسم کے تکان کو بڑی حد تک رفع کر دیا پیاس کی شدت میں شربت کے گلاس خوب برف ڈال ڈال کر پیے گئے، اور اسی وقت بجلی کی روشنی میں ایک حجام کی آراستہ و شاندار دوکان میں سر منڈائے گئے

اور بال کتروائے گئے، مغرب کے وقت کو ابھی آدھ گھنٹہ پون گھنٹہ ہوا تھا عشا کے وقت میں ابھی خاصی دیر تھی۔ رباط حیدرآباد میں جگہ کی تنگی اور اہل قافلہ کے لحاظ سے چپقلش کا اندازہ ہو چکا تھا خیال یہ ہوا کہ رات کو سب کی گزر کیونکر ہو گی، خصوصاً عورتیں، جو اس موسم میں صحن میں لیٹنے کی عادی ہیں ان بیچاریوں سے اندر کے درجوں میں کیونکر بسر ہو سکے گی، طبیعت بے اختیار یہ چاہ رہی تھی کہ اب فوراً لیٹ کر سو یا جائے، لیکن اول تو ابھی نماز عشا باقی تھی اور پھر خانہ داری کی یہ فکریں۔ ہمت کر کے اسی وقت ایک راہبر کو ساتھ لے کر مدرسہ صولتیہ والے مولوی محمد سلیم صاحب کے مکان پر پہونچا، مولوی صاحب موصوف کے اخلاص و اخلاق کا اندازہ ان کے عنایت ناموں سے ہو چکا تھا ملاقات ہونے پر وہ اسی لطف و محبت، مدارت و اخلاق سے پیش آئے۔ یہ معلوم بھی نہیں ہوتا تھا کہ آج پہلی ملاقات ہے، یہ معلوم ہوتا تھا کہ برسوں کی پرانی ملاقات ہے، رات کے اندھیرے میں مکان سے اپنے ہمراہ مدرسے لائے، مدرسہ کی جدید عمارت کو کھلوا کر اوپر سے نیچے تک کی سب منزلیں ایک ایک کمرہ کھول کر دکھائیں اور بہ اصرار فرماتے رہے کہ "یہیں اٹھ آؤ" مدرسہ کی عمارت کا کیا کہنا، ماشاء اللہ بہت وسیع ہے اگر یہاں اٹھ آتا تو بڑی فراغت کی جگہ مل جاتی، اور مکان کی وسعت سے کہیں بڑھ کر متولی مکان کی وسعتِ اخلاق اور مسافر نوازی ہم لوگوں کے آرام و آسایش پہونچانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھتی، لیکن حرم شریف سے مکان مدرسہ کا فاصلہ اچھا خاصا نظر آیا

اور خیال یہ گزرا کہ مکہ معظمہ میں مدّت قیام یوں ہی بہت مختصر ہے اس میں بھی اگر بہت سی نمازیں بُعد مسافت کے عذر پر حرم میں ملنے سے رہ گئیں تو بڑی ہی محرومی اور شدید حرماں نصیبی ہوگی، اس لیے مولوی سلیم صاحب سے ان کے ہاں اُٹھ آنے کا پختہ وعدہ نہ کر سکا، اور ان کے دلی شکریہ پر ملاقات ختم کر کے واپس چلا آیا۔

حرم پاک کی سرزمین، مقدس بزرگوں کے وجود سے اب بھی خالی نہیں، اللہ والے اگر اللہ کے شہر میں نہ ہوں گے تو اور کہاں ہوں گے بلدالامین کے گوشوں میں اللہ کے پیارے، خدا معلوم کتنے آج بھی موجود ہیں ان میں سے کم ازکم ایک بزرگ کی زیارت تو اپنے نصیب میں بھی آئی۔ اور مزید مسرت اس کی کہ وہ بزرگ اپنے ہی دیس ہندوستان بلکہ اپنے ہی صوبہ یوپی کے نکلے مولانا محمد شفیع الدین صاحب نگینہ ضلع بجنور کے رہنے والے آج سے اڑتالیس سال قبل مکہ معظمہ حاضر ہوئے تھے اور اللہ کے گھر کی محبت ایسی غالب آئی کہ اپنے گھر کو بھول گئے نصف صدی کا زمانہ دیکھئے اور ایک مرتبہ بھی اس درمیان میں وطن کا رخ نہیں فرمایا۔ ساری عمر تجرد میں گزار دی، نہ بیوی نہ بچے شیخ المشائخ حضرت حاجی شاہ امداداللہ صاحب مہاجر مکی کے ہاتھ پر بیعت کی، اور اس وقت ان کے اجل خلفاء میں ہیں[1]۔ ایک معتبر و ثقہ راوی سے سننے میں آیا کہ

---

[1] ان سطور کی طبع اول کے چند ہی سال بعد مولانا راہی جنت ہو گئے۔

اس ساری طویل مدت میں شاید ایک نماز فرض بھی ایسی نہیں گزری جو حرم شریف کے اندر نہ ادا کی ہو! اور محض اتنا ہی نہیں، بلکہ جماعت کے اہتمام والتزام میں بھی فرق نہیں آنے پایا! پھر اس سے بڑھ کر کمال یہ نصیب میں آیا کہ نجدیوں کے تسلط کے قبل تک جماعت میں بھی صف اول چھوٹنے نہ پائی! —— ان خوش نصیبوں پر کس کو رشک نہ آئے گا! لیکن یہ سب اللہ کی دین ہے۔ ایں سعادت بزور بازو نیست کا معاملہ ہے، —— علم وفضل زہد وتقویٰ، فقر وسلوک کی یہ جامعیت گو حضرت حاجی صاحب کے خلفاء ومنتسبین میں عنقا نہ ہو لیکن جب یہ یاد پڑتا ہے کہ یہ بیسویں صدی عیسوی کا زمانہ ہے، دجال ویاجوج کا دور ہے، تو ایسی ہستیوں کے وجود پر حیرت ضرور ہوتی ہے، خدا معلوم کتنے حج بلیاؤ کئے اور فرائض وواجبات الگ رہے، معمولی نوافل ومستحبات تک چھوٹنے نہ پائے، اس نصف صدی کی مدت میں شاید ہی گنتی کے دو چار حج چھوٹے ہوں، ورنہ ہر سال حج کا معمول رہا مدتوں فقر وفاقہ سے یہ نوبت رہی کہ محض سوکھی روٹی پانی میں بھگو بھگو کر نوش فرماتے رہے، سبحان اللہ!

بہرحال یہ موقع ان کے مناقب وفضائل کی تفصیل کا نہیں، صرف تعارف کی غرض سے اتنا تذکرہ آگیا۔ مولوی سلیم صاحب کے ہاں سے واپسی میں نماز عشا حرم میں پڑھ کر ایک رہنما کی رفاقت میں جناب مولانا کے ہاں حاضری ہوئی قیام باب الصفا، میں رہتا ہے، حرم شریف سے گنتی کے چند قدم کا فاصلہ حسن اخلاق

و وسعت مدارات کا کیا پوچھنا، بزرگانہ کرم و نوازش کا مجسم نمونہ، اخفا، حال و کمال کا اس درجہ اہتمام کہ ملنے والے کو ان کے مرتبہ کا شبہ بھی نہ ہونے پائے! تمام تر خشک فقہی مسائل پر ٹالنے کی انتہائی کوشش! ہندوستان کے بعض بعض کے ہم مرتبہ بزرگوں کے سلام و پیام خدمت والا میں پہونچائے گئے، اور اپنے حق میں دعائے خیر کرائی گئی۔ اٹھنے کو جی نہیں چاہتا تھا، موصوف ہی کی زحمت کا خیال کر کے اجازت چاہی۔ اور قیام گاہ (رباط حیدرآباد) پر واپس آیا، جلد احرام اتارنے کا موقع ابھی تک کہاں ملا تھا، گھر پہونچ کر وہ ملبوس اتارا اور عام لباس پہنا، دن بھر کی دوڑ دھوپ کے بعد خستگی اور تکان کا پورا احساس اب ہوا، ہم مردوں کو تو کھلی ہوئی چھت پر جگہ مل گئی، ساتھ کی بیویوں بیچاریوں کو اندر ہی کے حصوں میں گزر کرنا پڑا، مولانا مناظر احسن صاحب ہر جگہ کی طرح یہاں بھی سب سے "شاہ" نکل گئے، قافلہ اور قافلہ والوں کو چھوڑ چھاڑ حرم شریف کے صحن میں سونے کے لیے جا پہونچے، اور وہاں پہونچ کر سوئے تو کیا ہوں گے لیکن بہرحال اپنے جن حالات و کمالات کو وہ خود راز رکھنا چاہتے ہیں، وہ ان کے کسی نیازمند خادم کی زبان سے کیوں فاش ہوں!

باب (۲۷)

آغاز حج

۷ ذی الحجہ پنجشنبہ۔ آج کے دن کی کوئی مخصوص مشغولیت نہ تھی عمرہ بفضلہ ادا ہی ہو چکا تھا اب ارکان حج کے آغاز کا انتظار تھا، آج ہی کے دن حرم شریف میں باضابطہ اعلان ہوتا ہے کہ پرسوں ۹ ذی الحجہ کو عرفات میں حاجیوں کا اجتماع ہوگا۔ اور آج ظہر کے بعد حرم شریف میں امام خطبہ پڑھتے ہیں جس میں مسائل حج کی تشریح ہوتی ہے، دوپہر کی شدید گرمی میں شوق کے ساتھ اس خطبہ کے سننے کی ہمت کس کو اور پھر اتنے بڑے مجمع میں خطیب کے قریب خطبہ کے الفاظ سننے کے لیے جگہ ملنی کہاں نصیب اور جگہ گھس پل کر مل بھی جائے تو خطبہ کی زبان سمجھنے والے ہندوستانیوں میں کتنے! با این ہمہ جہاں تک ممکن ہو، خطبہ سننے کی فضیلت کو ہاتھ سے نہ جانے دینا چاہیے رسولؐ و اصحاب رسولؐ کے اتباع کا شرف اسی میں ہے۔ اور پھر اس مجمع میں خدا معلوم کیسے کیسے برگزیدہ بندے اور مقبولان حق شامل ہوتے ہیں۔ ان کی ہمنشینی خود کیا کم ہے، خطبہ تھوڑی دیر میں ختم ہو جاتا ہے۔ طواف، نماز و تلاوت کے لیے رات اور دن کا سارا وقت ہے اور حرم شریف کے دروازے ہر وقت

کھلے ہوئے جتنی دیر جس شغل میں چاہے لگا رہے، ہمارے قافلہ والوں میں سے جس کے نصیب میں جو کچھ آنا تھا آیا وطن کے متعدد حاجی دکھائی دیئے ان سے ملنے جلنے کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ کل منیٰ و عرفات کے مختصر لیکن اہم سفر پر روانگی ہے اس کی تیاریاں بھی شام سے ہوتی رہیں۔

حج قران کا ذکر اوپر آچکا ہے، جو لوگ قارن تھے، ان کے احرام تو بندھے ہوئے تھے ہی، انھیں کسی جدید احرام کی ضرورت نہیں، باقی دوسرے لوگوں کو ۸ر ذی الحجہ کی صبح کو احرام باندھ کر روانہ ہو جانا چاہیے، لیکن اس کے قبل ہی احرام باندھ لیا جائے تو بہتر ہے، اور فقہا نے اسے مستحسن لکھا ہے۔ مولانا شفیع الدین مدظلہ نے بھی یہ خاص طور پر ارشاد فرمایا تھا کہ احرام ۷ر اور ۸ر کی درمیانی شب ہی میں بعد عشا حرم شریف ہی بلکہ حطیم کے اندر باندھ لینا حطیم کا ذکر شاید پہلے نہیں آیا حطیم مطاف کے اندر خانہ کعبہ کے شمالی صحن کا نام ہے جو ایک قوسی دیوار سے گھرا ہوا ہے۔ دیوار اچھی خاصی چوڑی، اور کچھ کم قد آدم بلند ہے ذیل کے نقشہ سے حطیم بآسانی سمجھ میں آجائے گا۔

خلیل اللہ کے بنائے ہوئے کعبہ میں یہ چھوٹی ہوئی زمین بھی کعبہ کے اندر تھی، قریش نے جب اپنے زمانہ میں عمارت کعبہ کی تجدید کرنی چاہی تو کچھ

سامان کم پڑ گیا، رائے یہ قرار پائی کہ تعمیر ابراہیمی سے کچھ کم کر دینا چاہیئے۔ چنانچہ اتنا حصہ چھوڑ دیا گیا اور اس میدان کو دیوار سے گھیر دیا گیا۔ حطیم کے لفظی معنی ٹکڑے کے ہیں اور چونکہ یہ زمین خانہ کعبہ ہی کا ایک ٹکڑا ہے اس لیے اس کا نام بھی حطیم پڑ گیا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ حطیم کو از سر نو خانہ کعبہ کے اندر شامل کر لیا جائے لیکن قریش خواہ مخواہ بھڑکیں گے کہ ہماری ہر شے سے مخالفت کی جاتی ہے اس لیے ایسا نہیں کرتا۔ ایک عباسی خلیفہ نے اپنے زمانہ میں چاہا کہ حضورؐ کی اس مرضی مبارک پر عمل کی سعادت حاصل کرے اور امام مالکؒ سے استفتا کیا امام نے فتویٰ دیا کہ ایسا کرنے سے خانہ کعبہ ملعبۂ ملوک و سلاطین ہو جائے گا، جو بادشاہ اس میں ترمیم کرنا چاہے گا، اسے ایک سند مل جائے گی، اس لیے ایسا کرنا مناسب نہیں،، غرض اس وقت سے حطیم برابر اسی حالت میں چلا آ رہا ہے ۔ اور حرم مقدس کے اندر مقدس ترین مقامات میں سے ہے۔ اور چونکہ حلقہ مطاف کے اندر ہے اس لیے قدرۃً طواف خانہ کعبہ کے ساتھ ساتھ اس کا بھی ہوتا رہتا ہے۔ اور اس کے اندر نماز پڑھنا خانہ کعبہ کے اندر نماز پڑھنے کے مساوی رکھا گیا ہے۔ گویا حکماً یہ بھی خانہ کعبہ ہی ہے۔ حطیم کا دوسرا نام حجر ہے ایک روایت یہ بھی سننے میں آئی ہے کہ حضرت ہاجرہ صدیقہ اور ان کے لخت جگر حضرت اسمٰعیلؑ ذبیح اسی زمین کے نیچے مدفون ہیں، واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔ ایک سونے کا پرنالہ جسے میزاب رحمت کہتے ہیں، اور جو کعبہ کی شمالی سمت میں چھت

کے اوپر نصب ہے، اس کا پانی بھی برسات میں حطیم ہی میں آکر گرتا ہے، میزابِ رحمت کے نیچے کھڑے ہو کر دعا مانگنا۔ ایک خاص محل اجابت میں دعا مانگنا ہے کتابوں میں اس موقع کے لیے یہ دعا منقول ہے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ اَسْئَلُکَ اِیْمَانًا لَّا یَزُوْلُ وَیَقِیْنًا لَّا یَنْفَدُ وَمُرَافَقَۃَ نَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَللّٰھُمَّ اَظِلَّنِیْ تَحْتَ ظِلِّ عَرْشِکَ یَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّکَ وَاسْقِنِیْ بِکَاْسِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ شُرْبَۃً لَّا ظَمَأَ بَعْدَھَا اَبَدًا۔	اے اللہ! میں تجھ سے طلب کرتا ہوں وہ ایمان جو زائل نہ ہو سکے، اور وہ یقین جو ختم نہ ہو، اور تیرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت اے اللہ مجھے اس روز جبکہ کوئی سایہ بجز تیرے سایہ عرش نہ ہوگا۔ اپنے سایہ عرش میں جگہ عطا فرمانا، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حوض سے وہ جام پلانا، جس کے بعد میں کبھی پیاسا نہ ہوں۔

حطیم و میزابِ رحمت کا ذکر یہاں ضمناً آگیا، لیکن تھا ضروری، بہرحال مولانا کے ارشاد کے ایک جزو کی تعمیل تو ہو گئی، یعنی احرام کے لیے ۸ر کی صبح کے طلوع ہونے کا انتظار نہیں کیا گیا، بلکہ شب ہی میں باندھ لیا گیا البتہ اس کے لیے مقام حطیم نصیب نہ ہو سکا، یہ اس وقت احرام کا باندھ لینا صرف ہمارے ہی قافلہ والوں کے ساتھ مخصوص نہ تھا، مغرب و عشا کی نمازوں کے وقت حرم شریف کے اندر ایک خاصی بڑی تعداد احرام پوشوں کی نظر آئی، آج ہی عصر کے بعد اپنے

معلم عبد القادر سکندر کو کل کے سفر کے متعلق تمام ضروری ہدایات دے دیں، سولہ آدمیوں کے لیے آٹھ اونٹوں کے انتظام کو کہہ دیا گیا جن لوگوں کو مشق و عادت ہے وہ اونٹ کی ننگی پیٹھ پر یا محض کجاوہ رکھ کر بہ آرام و اطمینان سفر کر سکتے ہیں ہم لوگوں کو بھلا اس کی عادت کہاں، ایسے لوگوں کے لیے بہترین صورت شغدف کی ہے۔ یہ مثل دہرے چھوٹے پلنگ یا بڑے کھٹولے کے ایک چیز ہوتی ہے جس پر معمولی قد و جسامت کا آدمی لیٹ سکتا ہے۔ ہر شغدف کے اندر دو دو پلنگڑیاں ہوتی ہیں اور دھوپ سے بچاؤ کے لیے یہ پلنگڑیاں، چٹائیوں کی چھت اور دیواروں سے منڈھی ہوئی ہوتی ہیں۔ جیسے ہاتھی کا ہودج۔ اونٹ پر اگر شغدف کو اچھی طرح کس کر باندھ دیا جائے اور دونوں پلنگڑیوں پر وزن مساوی رہے تو خاصی آرام دہ سواری ہے اور اونٹ کے چلنے کے جھٹکے بہت کم لگتے ہیں ۸ر ذی الحجہ کو منیٰ میں قیام کرنا ہے۔ ۹ر کے دن عرفات میں شب مزدلفہ میں اور ۱۰ر ۱۱ر ۱۲ر کو پھر منیٰ میں منیٰ و عرفات میں عام لوگ بیچارے تو یوں ہی کھلے میدان میں بسر کرتے ہیں، ہم جیسے آرام طلبوں کے لیے یہ ممکن نہ تھا معلم سے دو خیموں کی بابت بھی معاملت طے ہو گئی۔ ہر خیمہ اتنا بڑا کہ آٹھ آٹھ آدمیوں کی گنجائش اس میں نکل سکے، اونٹوں کا کرایہ شغدفوں کی قیمت، اونٹ پر چڑھنے کے لیے سیڑھی کی قیمت، خیموں کا کرایہ جو کچھ معلم صاحب نے بتایا بغیر کسی سوال و بحث کے، بلا تامل منظور کر لیا گیا اور ہر شے کا انتخاب بالکل انھیں کی مرضی پر چھوڑ دیا گیا۔ خیموں کا کرایہ غالباً دو دو گنی فی خیمہ قرار پایا، ضروری سامان سفر میں

سب سے پہلا نمبر پانی کی صراحیوں کا آتا ہے فی اونٹ مٹی کی دو دو صراحیاں خرید کی گئیں، بسترے، پکانے کا ہلکا اور مختصر سامان خیموں میں بچھانے کے لیے دریاں پانی کے کنستر لالٹین، منیٰ میں قربانی و غسل کے بعد پہننے کے لیے ایک ایک جوڑا کپڑا اور کچھ ناشتہ جس کا سب سے اہم جزو ستو تھے۔ رکھ لیا گیا اور رات ہی میں یہ سب سامان درست کر لیا گیا کہ صبح سویرے دن نکلتے ہی چلنا ہوگا، معلم صاحب نے حرم شریف کے اندر بیٹھ کر بیت اللہ کے سامنے یہ وعدہ مکرر اور موثق لہجے میں فرمایا کہ بعد نماز فجر قبل طلوع آفتاب روانگی کے لیے اُونٹ دروازہ پر آجائیں گے اور اس وعدہ پر قدرتاً ہم لوگ مطمئن ہو گئے۔

۸ر ذی الحجہ، یوم جمعہ، آج کا دن یہاں کی اصطلاح میں یوم الترویہ کہلاتا ہے آج ہی وہ مبارک دن ہے جب سارے حاجی مکہ سے منیٰ و عرفات کے لیے روانہ ہوتے ہیں۔ مسنون اور افضل وقت روانگی کا۔ بعد نماز فجر سورج نکلنے کا وقت ہے۔ حضورؐ نے مع جماعت صحابہ کرام نماز فجر مکہ میں پڑھی تھی، اور آفتاب نکلنے پر روانہ ہو گئے تھے۔ ہم لوگ نماز فجر حرم شریف میں پڑھتے ہی جلدی جلدی اپنی قیام گاہ پر واپس آئے کہ معلم نے قبل طلوع اونٹ پہونچا دینے کا وعدہ کیا ہے۔ کہیں اُونٹ والے ہمارے انتظار میں گھبرا نہ جائیں۔ یہاں جو پہونچے تو نہ اونٹوں کا پتہ نہ معلم صاحب کا، لیجئے اب تو آفتاب بھی نکل آیا، اور اچھی طرح بلند ہو گیا ابتک اونٹوں کے نہ آنے کی آخر کیا وجہ؟ ٹھنڈے ٹھنڈے نکل جاتے تو دھوپ کی

تمازت سے بچ جاتے۔ اور سفر بہت لطف سے کٹ جاتا۔ اتباع سنت کا جو اجر ملتا وہ الگ۔ خیر وہ وقت تو نکل ہی گیا، اور دیر بہرحال ہو چکی، اب چائے اور ناشتہ سے یہیں نہ فراغت کرلی جائے۔ لیجئے اب تو ناشتہ سے بھی فراغت ہو گئی اور چائے کے دور بھی ختم ہو چکے اور اونٹوں کا اب بھی پتہ نہیں! کس کو خبر تھی معلم صاحب اسی موقعہ پر یوں اپنے شتر غمزوں کی مشق ہم پردیسیوں پر کریں گے! بار بار اضطراب میں نگاہیں دروازہ تک دوڑتی ہیں، اور بیر سڑک تک دوڑتے ہیں لیکن نہ معلم صاحب کا نشان ملتا ہے نہ ان کے کسی کارندہ و ملازم کا، سیکڑوں ہزاروں اونٹ اسی سڑک سے ہمارے دروازے کے سامنے سے گزر رہے ہیں، حسرت و محرومی شاید ہمارے ہی حصہ میں ہے! ہندوستان کی گھڑیوں کے حساب سے آٹھ بجے، ساڑھے آٹھ بجے، نو بجے، دس بج گئے اور ہنوز وہی انتظار! وسط مئی کا زمانہ، عرب کی دھوپ اس ٹھیک دوپہر میں کس سے سفر کیا جائے گا؟ اور تنہا یہی ایک فکر ہوتی تو بھی غنیمت تھا، دوسرا دھڑکا یہ لگا ہوا کہ جمعہ کا وقت قریب آتا جا رہا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ جمعہ حرم شریف کا بھی جائے اور منیٰ کا بھی! جمعہ کے دن قبل زوال ہی کوچ کر جانا اور منیٰ میں جا کر نماز پڑھنا افضل ہے۔ یہاں کھٹکا اس کا لگا ہوا کہ فاضل و مفضول کی بحث الگ رہی کہیں سرے سے نماز جمعہ ہی سے محروم نہ رہنا پڑے! دس بجے کے بعد مولانا مناظر احسن صاحب اور ایک رفیق سفر معلم صاحب کے مکان کی تلاش میں نکلے۔ بصد دشواری و زحمت بڑی تلاش کے بعد، مکان تو ملا، لیکن مکین غائب! انا للہ گھنٹہ بھر کی حیرانی و سرگردانی

کے بعد دونوں صاحب خستہ وخراب مایوس واپس آئے۔

ایک ایک گھڑی پہاڑ ہو رہی تھی، دلوں کے اندر خون جس طرح کھول رہا تھا، اس کا اندازہ ہر وہ شخص کر سکتا ہے جس کے پہلو میں دل ہے۔ بعض زبانوں پر بھی دل کے جذبات بے تکلف آنے شروع ہو گئے تھے اور وہ وقت جو تکبیر و تہلیل ذکر و دعا میں بسر ہونے کا تھا، سب ظالم سکندر کی دعا گوئیوں" اور منقبت سرائیوں" میں صرف ہو رہا تھا۔ وقت کچھ اور کھسکا اور کھسکتا رہا۔ یہاں تک کہ حرم شریف کے مناروں سے جمعہ کی اذانیں بلند ہونے لگیں! اس وقت ہمارے مہربان خدا خدا کر کے تشریف لائے اور اس معصومیت اور بھولے پن کی ادا کے ساتھ کہ گویا کچھ ہوا ہی نہیں، بلا کسی معذرت و اظہار افسوس کے فرمانے لگے کہ اونٹ فوراً بعد نماز جمعہ آجائیں گے اس سے پہلے کیوں کر لاتا، ہجوم کے اندر اونٹوں کو راستہ کیسے ملتا؟ گویا یہ ہجوم اونٹوں کا نہیں کسی اور کا تھا، اور یہ ہجوم سیکڑوں ہزاروں دوسرے اونٹوں کے گزرنے کا مانع نہ تھا، صرف انھیں کے اونٹوں کا تھا؟ بہر حال صبر کے سوا چارہ کیا تھا، بھاگتے ہوئے حرم شریف کی طرف چلے، مسجد کا کونہ کونہ بھرا ہوا، اتنی دیر کے بعد جگہ کہاں مل سکتی تھی جوں توں گھس پل کر ایسی جگہ کھڑے ہونے کو ملی، جہاں امام وخطیب کی آواز الگ رہی مکبروں کی تکبیر بھی بمشکل ہی سنائی دیتی تھی، نماز کے بعد فوراً گھر آئے اور پھر صبر و تحمل کی آزمائش شروع ہوئی، گھنٹہ سوا گھنٹہ کے مزید انتظار کے بعد معلم صاحب

مع اونٹوں کے نمودار ہوئے، کچھ وقت سامان کے چڑھانے، اور سواریوں کو چڑھنے میں لگا اونٹ کی سواری ہم لوگوں کے لیے ایک نئی سواری تھی، عورتوں کو خوف معلوم ہونا واجبی تھا، جب خود مردوں کی طبیعت ہچکچا رہی تھی ـــــ

داروغہ حبیب اللہ بیچارے اگر مدد نہ دیتے تو تنہا معلم صاحب تو اس مرحلہ کو بھی جلد نہ طے کرا سکتے دوپہر ڈھل چکی تھی اور ظہر کا وقت قریب ختم تھا کہ ہمارا قافلہ روانہ ہوا، ابھی چند ہی قدم چلے تھے کہ معلم نے بڑھ کر سوال کیا کہ منیٰ میں آپ ٹھہریں گے کہاں؟ حیدرآباد کے سرکاری مکان میں؟ سوال کا سننا تھا کہ پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی! آنکھیں فرط حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں، اور ٹکٹکی معلم صاحب کے چہرہ پر لگ گئی، پہلے تو دل نے اپنے کو یوں سمجھایا کہ معلم صاحب اس وقت مزاح وظرافت سے کام لے رہے ہیں، لیکن ان کے کڑے تیوروں پر جو نظر گئی تو یہ خیال بھی چند لمحوں سے زیادہ قائم نہ رہنے پایا، جی کڑا کر کے جواب دیا کہ یہ سوال آپ ہم سے کر رہے ہیں؟ ہم تو آپ کے بھروسے پر چل رہے ہیں کہ آپ جہاں ٹھہرائیں گے، ٹھہریں گے، اُلٹے آپ ہم سے دریافت کر رہے ہیں کہ تم کہاں ٹھہرو گے؟ سبحان اللہ! اور ہم تو دو خیمے اپنے لیے آپ سے ٹھہرا ہی چکے تھے، کیا ان کے ملنے میں کچھ شک پیدا ہو گیا ہے، جواب گرجتی ہوئی آواز میں ملا کہ "وہ خیمے تو عرفات اور وہاں سے واپسی پر منیٰ کے لیے ہیں آج وہ خیمے نہیں مل سکتے، آج میدان میں شغدفوں پر رہنا ہوگا" اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ! گویا آج سہ پہر سے لے کر کل صبح تک کا سارا وقت کھلے میدان میں کاٹنا ہے، صرف مردوں ہی کو نہیں

عورتوں کو بھی اور کھانے، سونے اور حوائجِ ضروری سے فراغت سب کو اسی میدان میں ہزاروں لاکھوں کے مجمع کے درمیان کرنا ہے! اور یہ وہ شخص پوری ڈھٹائی اور دیدہ دلیری کے ساتھ کہہ رہا ہے، جو یہی نہیں کہ لکھنؤ میں ہم لوگوں کے اور ہماری مستورات کے طرزِ معاشرت سے خوب اچھی طرح واقف ہو چکا ہے بلکہ جو کل صراحت کے ساتھ خیموں کا وعدہ بھی کر چکا تھا! ـــــ لوگ حیرت سے کہتے ہیں کہ مکہ والوں پر بار بار تباہی و بربادی کیوں نازل ہوتی ہے کاش وہ دیکھتے کہ خود مکہ والوں کا اللہ کے مہمانوں کے ساتھ غریب الوطن پردیسیوں کے ساتھ برتاؤ کیا رہتا ہے! مکہ کا مالک، ساری دنیا جہان کا مالک ہے۔ اس کے ہاں مہلت ملتی رہتی ہے لیکن غفلت اسے کسی حال سے بھی نہیں رہتی!

تو مشو مغرور بر حلمِ خدا　　دیر گیرد، سخت گیرد مر ترا!

ہندوستان میں بیٹھے بیٹھے، جب سفرِ حج کی سختیوں کا خیال آتا تھا تو اس خیالی فہرستِ مصائب و شدائد میں ایک عنوان اونٹ کی سواری کا بھی ضرور ہوتا تھا، تجربہ کے بعد یہ معلوم ہوا کہ اور بہت سے موہوم خطرات کی طرح یہ تخیل بھی بہت مبالغہ آمیز تھا، بہت سی منز- لوں کا طویل و مسلسل سفر ممکن ہے تکلیف دہ ہوتا ہو، اس کا تو تجربہ ہوا نہیں، لیکن آٹھ دس میل کے مختصر سفر میں تو کوئی قابلِ ذکر تکلیف نہیں ہوتی۔ اور جس حد تک ہوتی ہے وہ بھی ناگزیر اور لازمی نہیں، بلکہ اس کا انتظام آسانی سے ہو سکتا ہے، سب سے

بڑی بات یہی ہے کہ شغدف کی بندش اچھی ہونی چاہیئے، اور توازن قائم رہے، توازن اور بندش جتنی اچھی ہوگی، اسی نسبت سے ہچکولے کم لگیں گے تکلیف کم ہوگی، اور راحت زیادہ ملے گی۔ اچھی بندش کے بعد شغدف میں لیٹکر بہ آرام تمام سونا ممکن ہے، نیند بغیر دقت آجاتی ہے۔ دوسری ضروری چیز یہ ہے کہ اونٹ کے ساتھ چلنے والے جو بدو ہوتے ہیں اور جنھیں جمّال کہتے ہیں (یہ سن رکھیئے کہ یہ لوگ اونٹ کے اوپر سوار نہیں ہوتے بلکہ پیدل اونٹ کے ساتھ چلتے ہیں) انھیں خوش رکھا جائے ان کو خوش رکھنا آسان ہے بہت تھوڑے انعام اور خوش خلقی سے خوش ہوجاتے ہیں۔ موٹر کے شوفروں کی طرح ان کے لیے یہ ہرگز ضروری نہیں کہ ان کے ہاتھ میں کم ازکم دس پانچ روپئے رکھے جائیں جب جاکران کا منہ سیدھا ہو، آنہ دو آنہ میں (یہاں ایک آنہ کو قرش کہتے ہیں) یا چند بسکٹوں یا شربت یا پانی کے دو ایک گلاس سے چائے کی ایک دو پیالیوں سے انھیں بآسانی خوش کیا جاسکتا ہے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ جو کچھ بھی دیا جائے ازخود اور خوش دلی کے ساتھ دیا جائے، لڑجھگڑکر تیوروں پر بل ڈال کر بڑی سے بڑی رقم بھی بیکار رہے گی، تھوڑی سی دلدہی اور خاطرداری کے بعد آپ کا جمّال آپ کا بندہ بے دام ہوجائے گا، دوڑکر آپکے لئے پانی اور شربت لائے گا، آپ کا اسباب خوشی خوشی اتار دے گا سوار ہونے میں آپ کو مدد دے گا، شغدف ڈھیلا ہونے لگے گا تو خود ہی لپک کر اسے درست کردے گا۔ غرض ہر حیثیت سے آپ کا بہترین رفیق سفر و خادم ثابت ہوگا۔

باب (۲۸)

منیٰ قبل حج

لَبَّیْکَ اللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ لَبَّیْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَۃَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ لَبَّیْکَ وَسَعْدَیْکَ وَالْخَیْرُ بِیَدَیْکَ

۸ ر ذی الحجہ، جمعہ، سہ پہر، ہم لوگوں کو چلنے میں اس قدر تاخیر ہوئی کہ وقت مستحب نکل چکا، ہزار ہا قافلے آگے جا چکے پھر بھی بہت سے باقی بھی رہ گئے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ چل بھی رہے ہیں۔ ہزاروں انسان پیدل چل رہے ہیں ہزار ہا اونٹوں پر سوار ہیں، اور ہزار ہا خچروں اور گدھوں پر۔ ہر شخص احرام پوش لبیک لبیک کی صدا ہر طرف سے چلی آرہی ہے، ہم لوگوں کی زبان پر بھی اس وقت یہی کلمے ہونے تھے لیکن لاحول ولا قوۃ، اتنے نصیب کہاں تھے معلم صاحب کی عنایتوں کا چرکا، ابھی دلوں پر تازہ تھا، زبانیں بجائے لبیک لبیک کے اپنے اوپر اور اپنے معلم پر لاحول پڑھنے میں مصروف! قافلہ کے آٹھوں اونٹ سولہ سواریوں کو لیے ہوئے، ایک دوسرے کے آگے پیچھے دو یا تین بدو ہمراہ، ہر اونٹ کے ساتھ ایک ایک شتربان نہیں ہوتا، تین تین چار چار اونٹوں کے لیے بس ایک ہی بدو کافی سمجھا جاتا ہے۔ ایک اونٹ پر ہم دونوں میاں بیوی، ایک پر مولانا مناظر احسن صاحب اور حکیم عبدالخالق صاحب

اسی طرح دو دو سواریاں باقی سب پر، اونٹ پر سوار ہونے کا یہ پہلا تجربہ تھا، جو وحشت و دہشت پہلے تھی، سوار ہونے کے بعد غائب۔ شغدف اگر اچھے بندھے ہوں تو اونٹ کی سواری خاصی آرام دہ ہے، پالکی یا میانہ کی سواری کا سا لطف آتا ہے۔

منیٰ کا فاصلہ حرم شریف سے چار میل کا ہے۔ ہماری قیام گاہ سے چند فرلانگ زائد ہوگا، خوب چوڑا اور کشادہ راستہ ہے، کئی کئی اونٹ ایک ساتھ بآسانی چل سکتے ہیں۔ ایک میل تک تو خاص مکہ ہی کی آبادی پڑتی رہی، اس کے بعد میدان شروع ہوا، اور اس کے کوئی دو میل کے بعد منیٰ کے حدود شروع ہو گئے۔ مکہ کے گورنر اور ولیعہد سلطنت شہزادہ فیصل ابن سعود کا محل حرم شریف سے بالکل متصل ہی تھا، خود سلطان کا قصر معلیٰ منیٰ کے راستہ میں پڑا، اندر کا حال تو معلوم نہیں البتہ باہر سے، ہندوستان کے رئیسوں کی طرح خاصی شاندار، پرتکلف و عالیشان عمارت جسے دور خلافت راشدہ کی سادگی سے کوئی دور کی بھی نسبت نہیں! دوپہر کا وقت آخر ہو رہا تھا پیاس خوب زور کی اور بار بار لگ رہی تھی، پانی کی صراحیاں ساتھ میں تھیں ان کے علاوہ دو دو پیسہ میں صراحیاں بیچنے والے لڑکے اور چھوٹی چھوٹی لڑکیاں بھی بکثرت قدم قدم پر اونٹوں کو گھیرے ہوئے اپنی معصومانہ اداؤں کے ساتھ خوش خوش اپنے سودے کو بیچنے میں لگے ہوئے، اس عام شاہ راہ کے علاوہ

بعد کو سننے میں آیا کہ پیدل چلنے والوں کے لیے کوئی اور مختصر راستہ بھی ہے جس سے فاصلہ بہت کم رہ جاتا ہے۔ اگر عورتوں کا جھمیلا ساتھ میں نہ ہو اور وقت بھی ذرا ٹھنڈا ہو یعنی صبح یا شام کا ہو تو پیدل کا سفر یقیناً زیادہ آرام دہ اور پر لطف رہے گا جب تھک جائے جہاں چاہے دم لے سکتا ہے، چائے قہوہ، شربت کی دوکانیں بہ افراط، روانہ ہونے کے ڈیڑھ پونے دو گھنٹے کے بعد منیٰ کی آبادی شروع ہو گئی اور ہمارے جمالوں نے شروع آبادی ہی میں ہماری منزل کرا دی۔

منیٰ کے متعلق تخیل یہ تھا کہ ویران غیر آباد، سنسان میدان ہوگا۔ اکثر تخیلات کی طرح یہ تخیل بھی غلط ثابت ہوا۔ حضورؐ کے زمانہ میں بے شبہ چٹیل میدان ہی تھا اور بعض روایات میں آتا ہے کہ صحابہ کرام نے جب حضورؐ سے اس کی اجازت چاہی تھی کہ یہاں ایک مکان بنوا دیا جائے تو حضورؐ نے اس درخواست کو منظور نہیں فرمایا تھا لیکن اب صورت حال بالکل بدل گئی۔ اب منیٰ میدان کا نہیں پختہ اور بلند مکانات کی ایک مسلسل آبادی کا نام ہے، مکہ مکرمہ سے مشرق کی جانب واقع ہے، کسی قدر مائل بہ جنوب، طول تقریباً ڈیڑھ دو میل ہوگا، عرض بھی ایک میل سے کیا کم ہوگا، مکانات ظاہر ہے سال بھر خالی پڑے رہتے ہیں ساری چہل پہل اسی ایک ہفتہ کے اندر ہو جاتی ہے، مالکان مکانات کی آمدنی کا یہی زمانہ ہوتا ہے، کرایہ منھ مانگے وصول کرتے ہیں، اگر انسان صاحب استطاعت ہے تو یہاں کے قیام کے لیے مکان ضرور لے لے۔ خواہ کتنا ہی مختصر ہو، رات

تو میدان میں گزر جائے گی، لیکن دن کی لو، دھوپ میں بغیر پختہ مکان کے سایہ کے اچھی خاصی تکلیف اٹھانی پڑے گی، جو لوگ مکانات نہیں لے سکتے ہیں وہ خیموں میں رہتے ہیں، جو خیمہ کا کرایہ بھی نہیں دے سکتے وہ بیچارے کھلے میدانوں میں محض اللہ کے بھروسے پر گزر کرتے ہیں، ہندوستانی حاجی اپنے ملک پر قیاس کرکے درختوں اور درختوں کے سایہ کی کوئی توقع ہرگز نہ قائم کریں، پانی انواع و اقسام کے شربت، دودھ، دہی، قہوہ، چائے کی دوکانیں بکثرت برف اور فالودہ بھی موجود، کھانے کی دوکانیں کمتر لیکن موجود وہ بھی[1]، لیموں، نارنگی، ککڑی کیلا، انار وغیرہ شاداب و تر و تازہ، پھلوں اور میووں کی گویا منڈی لگی ہوئی جو وسط منیٰ کی شدید ریگستانی دھوپ میں نعمت غیر مترقبہ سے کم نہ تھی، بازار اچھا خاصا لگا ہوا ضرورت کی ہر شے مہیا اور بہ افراط، پانی والے گھروں اور خیموں پر بھی مشکوں اور ٹین کے کنستروں میں پانی پہونچا دینے کو حاضر۔

ظہر کا وقت آخر ہو رہا تھا، جب مکہ معظمہ سے چلے تھے، عصر کا اوسط وقت گزر چکا تھا۔ جب منیٰ پہونچے کل صبح عرفات کے لیے روانہ ہونا ہے مسنون طریقہ یہ ہے کہ ۸ر ذی الحجہ کی ظہر سے لے کر ۹ر کی فجر تک، پوری پانچ نمازیں منیٰ میں ادا کرے، اور اسی لیے ۸ر کو ہم لوگ مکہ سے صبح سویرے چلنے کی اس قدر

---

[1] منیٰ میں بھی اب کثرت سے ہوٹل قائم ہو گئے ہیں - یہ قیام و طعام دونوں کا انتظام کر دیتے ہیں اور ان کے ذریعہ عرفات میں بھی خیمہ کا انتظام ہو جاتا ہے۔ (۱۹۴۹ء)

عجلت کر رہے تھے، لیکن معلم صاحب کا خدا بھلا کرے محض ان کی عنایت سے ہم لوگ ایسے وقت یہاں پہونچے کہ جمعہ و ظہر کا وقت الگ رہا عصر کا بھی اول وقت کچھ دیر ہوئی رخصت ہو چکا تھا، خیموں کی طرف سے تو معلم صاحب چلتے وقت مایوس ہی کر چکے تھے، سڑک کے کنارے میدان میں ہمارے شغدف اتار کر رکھ دیئے گئے اور ہم کو حکم ملا کہ اس سہ پہر سے لے کر کل صبح تک کا وقت انھیں شغدفوں کے اندر، یا ان کے باہر آسمان کی چھت کے نیچے اور زمین کے فرش کے اوپر بسر کرنا ہے۔ تعمیل ارشاد کے سوا چارہ کیا تھا؟ اور صبر و خاموشی سے کام نہ لیتے تو آخر کرتے کیا؟ یہ بھی غنیمت ہوا کہ یہاں سابقہ خود معلم سے نہیں ان کے لڑکوں اور کارندوں سے پڑا، جو فی الجملہ مہذب اور زبان کے میٹھے تھے۔ خود معلم صاحب کی شریعت میں منیٰ کا قیام غالباً فضول سا تھا، وہ خود آج مکہ ہی میں رہے۔ وہ موجود ہوتے تو شاید ہم لوگوں کو زبان کے گناہوں میں کچھ اور مبتلا ہونا پڑتا۔ بہرحال جس طرح بن پڑا ہم مردوں نے کہیں آڑ تلاش کر کے ضروریات سے فراغت کی، زنانہ قافلہ کے لیے چودھری محمد علی ردولوی کا مکان مل گیا، مسجد خیف جس کی فضیلت حدیثوں میں وارد ہوئی ہے منیٰ ہی میں واقع ہے حضورؐ نے حجۃ الوداع میں یہیں نماز پڑھائی تھی بڑی وسیع مسجد ہے، لیکن حاجیوں نے اسے کوئی ادنیٰ قسم کی سرا، یا بازاری مسافر خانہ بنا کر ہر طرح گندہ کر رکھا ہے، اور موجودہ حکومت نے شاید مسجد کی صفائی اور احترام قائم رکھنے کو بھی "بدعت" سمجھ رکھا ہے! ہماری منزل گاہ سے

اس کا اچھا خاصا فاصلہ تھا اور پھر سڑک پر انبوہِ عظیم، سب سے بڑھ کر اپنی پست ہمتی، پست ہمتوں کو کوئی نہ کوئی بہانہ مل جانا چاہیئے، بہرحال کسی نماز کے لیے بھی وہاں تک رسائی نہ ہوسکی، عصر، مغرب، عشاء، اور فجر کی نمازیں وہیں میدان میں جماعت کے ساتھ ادا ہوئیں، اور رات کو وہیں سوئے ہزارہا عرفات کے جانے والے، رات بھر اسی راستہ سے گزرتے رہے، اور منیٰ میں قیام نہ کیا، ان اللہ کے بندوں کے نزدیک، رسول کی سنت محبوب پر عمل گویا کوئی معنی ہی نہیں رکھتا!

منیٰ میں قیام اور آٹھویں اور نویں کی درمیانی شب میں شب باشی تمام ائمہ کے نزدیک مستحب ہے، قاضی ابن رشد مالکی لکھتے ہیں کہ سعی کے بعد جس عمل کی طرف حاجی کو متوجہ ہونا چاہیئے وہ یہی ہے کہ ۸ر کو منیٰ میں آئے اور شب میں یہاں رہے، اور اس پر چاروں مذہبوں کا اتفاق ہے کہ امام جماعت کے ساتھ منیٰ میں ۸ر کو ظہر عصر مغرب وعشا کی نمازیں پڑھے اور ۹ر کو امام لوگوں کے ساتھ عرفات آئے اور یہاں وقوف کرے، البتہ جس کے پاس اتنا وقت نہ ہو وہ سیدھا عرفات ہی کو جا سکتا ہے (بدایۃ المجتہد جلد اول صـ۲۰۹) اور حنفیہ کی کتابوں میں تو اس کی تصریح موجود ہے کہ اگرچہ حج بغیر منیٰ میں ۸ر کو قیام کیے ہوئے بھی ادا ہو جاتا ہے لیکن منیٰ میں نہ ٹھہرنے والا ترک سنت کا گنہگار ہوگا، ہدایہ میں ہے۔

وَلَوْ بَاتَ بِمَكَّةَ لَيْلَةَ عَرَفَةَ وَصَلَّى بِهَا الْفَجْرَ وَغَدَا إِلَى عَرَفَاتٍ وَمَرَّ بِمِنًى أَجْزَأَهُ لِأَنَّهُ لَا يَتَعَلَّقُ بِمِنًى فِي هٰذَا الْيَوْمِ إِقَامَةُ نُسُكٍ وَ لٰكِنَّهُ أَسَاءَ بِتَرْكِهِ الْاِقْتِدَاءَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اگر نویں شب مکہ ہی میں گزار دی اور یہیں سے صبح کو عرفات روانہ ہوا تو حج صحیح ہو جائے گا، اس لیے کہ آج منیٰ کا قیام مناسک حج میں داخل نہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ترک کرنے کا گناہ گار ہوگا۔

اور طحطاوی شرح درمختار میں ہے:۔

ثُمَّ مِنَ التَّرْوِيَةِ خَرَجَ إِلَى مِنًى وَمَكَثَ بِهَا إِلَى فَجْرِ عَرَفَةَ فَيَبِيْتُ بِهَا اِسْتِنَانًا فَلَوْ لَمْ يَخْرُجْ مِنْ مَكَّةَ إِلَّا يَوْمَ عَرَفَةَ أَجْزَأَهُ وَلٰكِنَّهُ أَسَاءَ لِتَرْكِ السُّنَّةِ۔

۸ر کو منیٰ کی طرف روانہ ہو تو وہاں ۹ر کی صبح تک قیام کرے اور اتباع سنت میں شب وہیں بسر کرے اور اگر ایسا نہ کرے بلکہ ۹ر ہی کو مکہ سے روانہ ہو تو حج ہو جائے گا لیکن ترک سنت کا گناہ ہوگا۔

شرح لباب المناسک (ملا علی قاری) میں ہے۔

وَإِنْ بَاتَ بِمَكَّةَ تِلْكَ جَازَ وَأَسَاءَ لِتَرْكِ السُّنَّةِ

اگر یہ شب مکہ ہی میں گزاری، تو یہ جائز ہے لیکن ترک سنت کا گناہ ہوگا۔

اور فتاویٰ قاضی خاں میں ہے:۔

وَلَوْ بَاتَ بِمَكَّةَ وَخَرَجَ مِنْهَا يَوْمَ عَرَفَةَ إِلَى عَرَفَاتٍ

اگر ۹ر کی شب بجائے منیٰ کے مکہ ہی میں گزاری اور ۹ر کو وہاں سے عرفات کیلئے روانہ ہو تو یہ سنّت

كَانَ مُخَالِفًا لِلسُّنَّةِ — کے خلاف ہوا۔

معلوم ہوتا ہے، یہ دستور کچھ عرصہ سے چلا آرہا ہے، صاحب رد المحتار (شامی) کو اپنے زمانہ میں لکھنا پڑا۔

وَاَمَّا مَا يَفْعَلُهُ النَّاسُ فِي هٰذِهِ الْاَزْمَانِ مِنْ دُخُولِهِمْ بِاَرْضِ عَرَفَاتٍ فِي الْيَوْمِ الثَّامِنِ فَخَطَاٌ مُخَالِفٌ لِلسُّنَّةِ وَيَفُوتُهُمْ بِسَبَبِهِ سُنَنٌ كَثِيرَةٌ مِنْهَا الصَّلَوَاتُ بِمِنًى

اور اس زمانہ میں لوگوں نے جو یہ طریقہ نکالا ہے کہ عرفات میں ۸ ربیع کو آجاتے ہیں (اور منیٰ کو چھوڑ جاتے ہیں) سو یہ طریقہ مخالف ہے سنت کے، اور ایسا کرنے سے بہت سی سنتیں فوت ہوجاتی ہیں۔ مثلاً منیٰ کی نمازیں وہاں کی شب باشی وغیرہ۔

بڑی حسرت وقلق کا مقام ہے کہ انسان اتنی محنت اور اتنا صرف گوارا کرکے حج کو جائے اور ایک تھوڑی سی تن آسانی کے خیال سے اتنی بڑی فضیلت کو چھوڑ دے۔

منیٰ کے لیے کوئی خاص عبادت یا کچھ مخصوص دعائیں ضروری نہیں البتہ متعدد دعائیں ماثورا در ان کی فضیلتیں منقول ہیں، مکہ سے منیٰ کے لیے روانہ ہوتے وقت مستحب یہ ہے کہ لبیک پکارنے کے ساتھ لا الہ الا اللہ بھی پڑھتا رہے اور جو دعائیں چاہے مانگے۔ اور راستہ میں استغفار اور درود شریف کی جتنی کثرت رکھ سکے، بہتر ہے جس وقت منیٰ نظر آنے لگے، اس وقت یہ دعا

پڑھے۔

اَللّٰھُمَّ ھٰذِہٖ مِنیٰ فَامْنُنْ عَلَیَّ بِھَا — اے اللہ! یہ منیٰ ہے تو اس کے واسطے سے مجھ
كَمَا مَنَنْتَ بِهٖ عَلٰى اَوْلِيَائِكَ — پر وہ کرم کر جو تونے اپنے دوستوں پر کئے ہیں۔

نویں شب برکت والی شب ہے، منیٰ کا مقام برکت والا مقام ہے، چاہیے کہ شب میں جس قدر بھی ہو سکے دعائیں پڑھتا رہے، استغفار کرتا رہے، اور لبیک کہتا رہے بعض روایات میں آتا ہے کہ حضور انورؐ نے فرمایا ہے کہ اسی شب کو منیٰ میں جو شخص ایک ہزار بار یہ دعا پڑھے وہ اپنی جو مراد اللہ سے مانگے گا اسے ملے گی۔

سُبْحَانَ الَّذِیْ فِی السَّمَاۗءِ عَرْشُهٗ — پاک ہے وہ ذات جس کا عرش آسمان میں ہے
سُبْحَانَ الَّذِیْ فِی الْاَرْضِ مَوْطِئُهٗ — پاک ہے وہ ذات زمین جس کا فرش ہے
سُبْحَانَ الَّذِیْ فِی الْبَحْرِ سَبِیْلُهٗ — پاک ہے وہ ذات جس کا راستہ سمندر میں ہے
سُبْحَانَ الَّذِیْ فِی النَّارِ سُلْطَانُهٗ — پاک ہے وہ ذات جس کی حکومت آگ پر ہے
سُبْحَانَ الَّذِیْ فِی الْجَنَّةِ رَحْمَتُهٗ — پاک ہے وہ ذات جس کی رحمت جنت میں ہے
سُبْحَانَ الَّذِیْ فِی الْقَبْرِ قَضَاۗؤُهٗ — پاک ہے وہ ذات جس کا حکم قبر میں جاری ہے
سُبْحَانَ الَّذِیْ فِی الْھَوَاۗءِ رُوْحُهٗ — پاک ہے وہ ذات جسکی بنائی ہوئی روح ہوا میں ہے
سُبْحَانَ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمَاۗءَ — پاک ہے وہ ذات جس نے آسمان کو بلند کیا
سُبْحَانَ الَّذِیْ وَضَعَ الْاَرْضَ — پاک ہے وہ ذات جس نے زمین کو بچھایا

سُبْحَانَ الَّذِی لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَأَ اِلَّا اِلَیْہِ پاک ہے وہ ذات کہ جسکے سوا نہ کوئی پناہ ہے نہ نجات

منیٰ میں تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر تین شیطانوں کی علامتوں کے طور پر تین قدآدم سفید ستون سے پتھر کے کھڑے ہوئے ہیں، ہمارے معلم صاحب نے اپنے "عنایت کرم" سے ہمارے قافلہ کو عین اسی جگہ اتارا جہاں منجھلا درمیانی شیطان نصب تھا، گویا اللہ کے گھر کے مہمان پوری شب ان ذات شریف کے ٹھیک پڑوس میں مقیم رہے، ایسے مقدس پڑوس میں اللہ سے مناجات کا موقع تو کیا ملتا یہی غنیمت ہے کہ اس مردود پر لاحول بھیجنے میں کچھ وقت صرف ہوتا رہا!

معلّم اور جمّال جس طرح اپنی شرارت سے منیٰ میں حاجیوں کو لاتے بہت دیر میں ہیں اسی طرح یہ کوشش بھی برابر جاری رہتی ہے کہ جس قدر جلد ممکن ہو یہاں سے لے بھی جائیں، چنانچہ ہمارے قافلہ سے بھی یہی اصرار شروع ہوا، کہ پچھلی شب میں عرفات کے لیے کوچ کر دینا ہوگا. گویا منیٰ میں پانچ نمازوں کے ادا کرنے کی جو سنّت ہے، اس سے جس طرح ۸ر کو نماز ظہر کے ترک کی محرومی ہوچکی تھی، اسی طرح ۹ر کی نماز فجر سے بھی محرومی ہو جائے. لیکن ہم لوگوں نے اتنے سویرے روانہ ہونے سے قطعی انکار کر دیا، عبدالقادر سکند خود ہوتے تو یقیناً بات بڑھتی لیکن ان کے لڑکوں اور کارندوں میں فی الجملہ انسانیت تھی، کچھ دیر

بعد جب آفتاب اچھی طرح بلند ہولیا یعنی ہندوستان کی گھڑیوں کے حساب سے کوئی سات ساڑھے سات کا وقت ہوگا اس وقت ہمارا قافلہ روانہ ہوا۔ میدان عرفات مکہ معظمہ سے ٹھیک جانب مشرق کوئی ۱۵-۱۶ میل کے فاصلہ پر ہے۔ منیٰ سے اس کا فاصلہ کوئی ۱۰-۱۱ میل ہوگا اور یہاں سے وہ شمال مشرق میں ہے۔ سنا تھا کہ عرفات میں پانی کی بہت قلت رہتی ہے، پانی کم ملتا ہے خراب اور گندلا ملتا ہے اور بہت گراں قیمت پڑتا ہے یہاں تک کہ بعض غریب غربا کو پیاس کی شدت سے ہلاکت تک کی نوبت آجاتی ہے یہ ڈراونی روائتیں سن کر صراحیاں پانی سے بھر بھر لی گئیں، اور ناشتہ کے لیے بسکٹوں کے ڈبے مکہ ہی سے ساتھ لے لیے گئے تھے۔ آج کا دن خاص فضیلتوں اور برکتوں کا رحمتوں اور نوازشوں کا دن ہے، راستہ میں جس قدر بھی ہو سکے تلبیہ وتکبیر، درود و استغفار جاری رہنا چاہیے، سعادت کی یہ گھڑیاں اگر عمر میں ایک بار بھی نصیب ہو جائیں تو خوش نصیبی ہے — لیجئے عرفات کے حدود شروع ہو گئے، ایک لق ودق میدان مبصروں کا اندازہ ہے کہ دس میل مربع سے کیا کم ہوگا، جہاں تک نظر کام دیتی ہے میدان ہی میدان اور اردگرد پہاڑیاں، اور اونٹوں کی تعداد حساب وشمار سے خارج اور خیموں کا گویا ایک جنگل لگا ہوا ہے، ہر طرف خیمے ہی خیمے جن کو خیمہ کی استطاعت نہیں انھوں نے معمولی چادریں تان رکھی ہیں۔ بعض جن کو یہ بھی نہیں نصیب بیچارے دھوپ میں پناہ لینے کے لیے شغدفوں کے نیچے گھسے ہوئے دوپہر

سے کچھ قبل کوئی گیارہ، پونے گیارہ کا وقت ہوگا کہ ہم لوگ پہونچ گئے۔

باب (۲۹)

عرفات

نمبر (۱)

حج کسی منفرد عمل کا نام نہیں، ایک طویل و مسلسل مجموعہ اعمال کا نام ہے، جن میں کچھ فرائض ہیں اور کچھ واجبات، کچھ سنن ہیں اور کچھ مستحبات اس مجموعہ کا سب سے اہم جزو یہی ۹ر ذی الحجہ کو عرفات کی حاضری ہے۔ جسے اصطلاح میں "وقوف عرفات" کہتے ہیں (وقوف کے لفظی معنی ٹھہرنے کے ہیں) کسی شخص نے اگر اور سارے اعمال و مناسک ادا کر لئے اور آج کی تاریخ میں عرفات کی حاضری خدانخواستہ کسی سبب سے رہ گئی تو سرے سے حج ہی رہ گیا دوسرے سال حج کر کے اس قضا کو ادا کرنا ہوگا۔ آج کی تاریخ دنیا کی تاریخ میں وہ اہم تاریخ ہے اور عرفات کا میدان روئے زمین کے مقامات میں وہ اہم مقام ہے کہ دین خداوندی کے جامع و مکمل ہونے اور اسلام کے آخری اور کامل پیام ہدایت ہونے کا باضابطہ اعلان کے لیے اسی سرزمین اور

اسی تاریخ کا انتخاب فرمایا گیا تھا، اور آج اور یہیں سے ہمیشہ کے لیے اور ہر قوم کے لیے اس فرمان کی منادی کی گئی تھی کہ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا،

ایک صحابی طارق بن ثابت روایت کرتے ہیں کہ ایک یہودی نے سیدنا عمر فاروق سے کہا کہ اگر ہمارے اوپر یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی ہوتی تو ہم نے اس کے یوم نزول کو روز عید قرار دے لیا ہوتا، آپ نے فرمایا کہ مجھے یاد ہے کہ یہ آیت کب نازل ہوئی تھی، وہ رات جمعہ کی رات تھی (اور وہ دن عرفہ کا دن تھا) اور ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ عرفات میں حاضر تھے! (سنن نسائی) یہ کہہ کر آپ نے گویا یہ ارشاد فرمایا کہ وہ دن ہماری سب سے بڑی عید کا تو تھا ہی کسی اور جشن کے مقرر کرنے کی کیا حاجت؟

آج کی رحمتیں بے حساب ہیں، اور آج وہ دن ہے کہ شیطان آج سے زیادہ حقیر و ذلیل، مایوس و پریشان اور کبھی نہیں ہوتا۔

عَنْ طَلْحَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا رَأَى الشَّيْطَانُ يَوْمًا هُوَ فِيْهِ اَصْغَرُ وَلَا اَدْحَرُ وَلَا اَحْقَرُ وَلَا اَغْيَظُ مِنْهُ فِيْ يَوْمِ عَرَفَةَ مَا ذٰلِكَ اِلَّا لِمَا رَأَى تَنَزُّلُ الرَّحْمَةِ وَتَجَاوُزَ

حضرت طلحہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان عرفہ کے دن سے زیادہ پست اور بے اعتبار اور حقیر و پریشان کسی دن نہیں دیکھا گیا یہ سب اس لیے کہ آج وہ اللہ کی رحمت کے نزول اور بڑے بڑے

اللہ عَنِ الذُّنُوبِ الْعِظَامِ گناہوں سے اس کے عفو و مغفرت کو دیکھتا ہے
اِلَّا مَا رَاٰی یَوْمَ بَدْرٍ۔ البتہ سوائے ایک یوم بدر کے (کہ اس روز
(موطا امام مالک) بھی وہ ایسا ہی پریشان و مایوس ہوا تھا)

آج کی رحمتوں کی نہ کوئی حد ہے نہ حساب، نہ کوئی اندازہ ہے، نہ پیمانہ بڑے سے بڑے مجرم آج رہا کیے جاتے ہیں، سب کو عفو عام کی بشارت ہوتی ہے وہ جو ہمہ رحمت و مرحمت اور ہمہ شفقت و مغفرت ہے، اس کی تجلیات رحمت امت کے بڑے سے بڑے تباہ کار کو بھی اپنے آغوش میں لے لیتی ہیں، اور اسی کو وہ مولیٰ اپنے بندوں کے اپنے قریب آجانے سے تعبیر کرتا ہے اور بندوں نے تو اپنے مالک پر خدا معلوم کتنی بار فخر کیا ہی ہوگا، آج وہ دن ہے کہ خود مالک اپنے بندوں پر فخر کرتا ہے۔

عَنْ عَائِشَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ یَوْمٍ اَکْثَرَ مِنْ اَنْ یُّعْتِقَ اللہُ عَزَّ وَجَلَّ فِیْہِ عَبْدًا مِنَ النَّارِ مِنْ یَوْمِ عَرَفَۃَ وَاِنَّہٗ لَیَدْنُوْ ثُمَّ یُبَاہِیْ بِھِمُ الْمَلٰٓئِکَۃَ فَیَقُوْلُ مَا اَرَادَ ھٰٓؤُلَآءِ

(صحیح مسلم)

حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی دن ایسا نہیں جس میں اللہ بندوں کو آگ سے اتنا آزاد کرتا ہو، جتنا عرفہ کے دن کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ قریب ہو جاتا ہے اور بندوں کا حال فرشتوں پر ظاہر کر کے فخر کرتا ہے اور فرشتوں کو قائل کرنے کے لیے) پوچھتا ہے کہ (بندوں کے اس مجمع کی غرض و غایت کیا ہے)

آج اور یہاں رحمت الٰہی سے مایوسی کفر ہے اور آج اس سے بڑھ کر ناشکرا اور گنہگار کوئی نہیں جو یہاں کی حاضری کے بعد بھی یہ سمجھتا ہے کہ اس کے نامۂ اعمال کی سیاہیاں رحمت و مغفرت کی بارش سے دھل کر نہیں رہیں سچے کا ارشاد ہے۔

اَعْظَمُ النَّاسِ ذَنْبًا مَنْ وَقَفَ بِعَرَفَةٍ فَظَنَّ اَنَّ اللّٰہَ لَمْ یَغْفِرْ لَہٗ۔	سب سے بڑھ کر گناہ گار وہ ہے جو عرفات میں وقوف کرے اور پھر بھی یہ سمجھے کہ اللہ نے اس کی مغفرت نہیں فرمائی۔

آج کا دن دعا و مناجات، توبہ و استغفار، الحاح و زاری، جھکنے اور گڑگڑانے کے لیے مخصوص ہے، جتنا اور جہاں تک ممکن ہو وقت اسی میں لگایا جائے جو کچھ مانگنا ہو، اپنے رب سے مانگ لے مانگے اور مانگتا جائے بے حساب مانگے اور بے تکان مانگے جب وہ ہمہ جود و کرم اور ہمہ بخشش و عطا بے حساب دینے اور دلانے بخشنے اور لٹانے پر آجائے تو خاک کا پتلا جو ہمہ فقر و ہمہ طلب ہمہ احتیاج و ہمہ درماندگی ہے۔ مانگنے میں اور طلب کرنے میں کوئی کسر کیوں اٹھا رکھے، اور دین و دنیا کی نعمتوں کا کوئی ارمان اور کوئی حوصلہ اپنے دل میں کیوں رہنے دے[1] افضل الدعاء دعاء یوم عرفۃ

---

[1] اللہ رحمتوں سے سیراب رکھے محمد علی جوہر کی تربت کو۔ کیا مضمون باندھ گیا ہے ؎

اک شہر آرزو پہ بھی ہونا پڑا خجل

ھَلْ مِنْ مَّزِیْد کہتی ہے رحمت دعا کے بعد

(عرفات کی دعا سب دعاؤں سے بڑھ کر ہے) یہ اس کا ارشاد ہے جو سب سے زیادہ دعائیں کرنے والا تھا، اور جس کی دعائیں سب سے زیادہ قبول ہونے والی تھیں۔ آج کے لیے کسی خاص دعا کا حکم نہیں، جو چاہے مانگتا رہے البتہ ان کلمات کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ حَيٌّ لَّا يَمُوْتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ جہاں تک ہو ان کلمات کو حضور قلب کے ساتھ بار بار پڑھتا رہے، اور تلبیہ بھی ابھی موقوف نہیں ہوا ہے، لبیک لبیک بھی برابر پکارتا رہے، بعض کتابوں میں یہ بھی منقول ہے کہ جب عرفات کو آنے لگے تو راستہ میں یہ دعا پڑھتا ہوا آئے۔

اَللّٰهُمَّ إِلَيْكَ تَوَجَّهْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَوَجْهَكَ أَرَدْتُّ فَاجْعَلْ ذَنْبِيْ مَغْفُوْرًا وَحَجِّيْ مَبْرُوْرًا وَارْحَمْنِيْ وَلَا تُخَيِّبْنِيْ وَبَارِكْ لِيْ فِيْ سَفَرِيْ وَاقْضِ بِعَرَفَاتٍ حَاجَتِيْ إِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔	اے اللہ میں نے اپنا منہ تیری طرف پھیرا اور تیرے اوپر بھروسہ کیا اور تیری توجہ کی طلب ہے پس میرے گناہوں کو معاف کیجیو، اور میرے حج کو قبول کیجیو اور مجھ پر رحم فرمائیو اور مجھے محروم نہ کیجیو میرے سفر کو مبارک بنائیو اور عرفات میں میری حاجتیں پوری کیجیو، تو تو ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے۔

اور عرفات میں داخلہ کے وقت اس کا ذکر مستحب ہونا تو اوپر گزر ہی چکا ہے۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ۔ خود سرورِ کائنات

صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے عرفات میں کسی دعا کے الفاظ حدیث کی چھ مشہور و مستند کتابوں میں تو درج نہیں البتہ ایک طویل دعا بعض اور حدیث کی کتابوں میں منقول ہے، جو اردو خواں ناظرین کو مع ترجمہ کے مولوی منور الدین صاحب دہلوی کی کتاب الحج والزیارۃ (فتاویٰ عثمانی جلد ۶) میں مل جائے گی کتب مناسک میں متعدد دعائیں لکھی ہوئی ہیں۔

وقوف عرفات کا وقت، مذہب حنفیہ میں ۹ رکو زوال آفتاب سے شروع ہوتا ہے اور حنفیہ ہی کی بعض کتابوں میں ہے کہ امام مالکؒ کے نزدیک وقت وقوف بعد طلوع آفتاب شروع ہو جاتا ہے لیکن خود قاضی القضاۃ ابن رشد مالکی لکھتے ہیں کہ۔

وَاَجْمَعُوْا عَلٰی اَنَّ مَنْ وَقَفَ بِعَرَفَۃِ قَبْلَ الزَّوَالِ وَاَفَاضَ مِنْھَا قَبْلَ الزَّوَالِ اِنَّہٗ لَا یُعْتَدَّ بِوُقُوْفِہٖ ذَالِکَ	اس پر سب ائمہ کا اتفاق ہے کہ اگر کوئی عرفات میں قبل زوال وقوف کرے اور قبل زوال ہی وہاں سے روانہ ہو جائے تو اس کا شمار وقوف میں نہ ہوگا۔

بدایۃ المجتہد جلد اول صفحہ ۲۸۱

بہر حال حاجی کو چاہیے کہ دوپہر تک یا اس کے قبل یہاں پہونچ جائے اور بہتر ہے کہ اس وقت غسل کرلے ورنہ وضو بھی کافی ہے، اس کے بعد مسجد نمرہ میں جس کا دوسرا نام مسجد ابراہیم بھی ہے، اور جو منیٰ سے آتے ہوئے عرفات کے

شروع ہی میں پڑتی ہے حاضر ہو جائے۔ امام کو چاہیے کہ جوں ہی زوال آفتاب ہو منبر پر آ بیٹھے، اور موذن اس کے سامنے آواز دے، جیسا کہ نماز جمعہ میں ہوتا ہے۔ اب امام دو خطبے دے گا جس میں مناسک حج کی تعلیم و تفصیل ہوگی، اس کے بعد اقامت اور پھر ظہر کی چار فرض رکعتیں۔ امام کے سلام پھیرنے پر معاً بعد بغیر نوافل وغیرہ کا وقت دیئے دوسری اقامت ہوگی اور اسی وقت اپنے عام و معمولی وقت سے قبل نماز عصر کی چار رکعتیں جماعت کے ساتھ پڑھی جائیں گی اور بس۔ اس کے بعد سے شام تک دعا و مناجات تسبیح و استغفار کے لیے اطمینان و یکسوئی کے ساتھ سارا وقت ہی وقت پڑا ہوا ہے۔ عرفات میں روزہ رکھنا بہتر نہیں کہ خلاف سنت ہے، البتہ غذا اگر ہلکی اور مختصر رکھی جائے تو بہت مناسب ہے، تاکہ گرانی اور ضعف دونوں سے امن رہے اور اپنے مشاغل کے لیے پوری فرصت بھی نصیب رہے۔ دو نمازوں کا ایک وقت میں جمع کر کے پڑھنا حنفیہ کے نزدیک صرف آج ہی جائز اور مستحب ہے۔ اس پر دوسرے حالات و اوقات کو قیاس نہیں کر سکتے مسجد تک پہونچنا، خصوصاً اگر قیام گاہ دور ہے اور موسم گرمی کا ہے، تو ہے ہمت کا کام۔ ہر شخص کے لیے پہونچنا اور جماعت میں شریک ہونا ممکن نہیں ہزارہا آدمی اپنے اپنے خیموں ہی میں نماز پڑھ لیتے ہیں اور یہ بالکل جائز ہے منفرد اگر جماعت میں نہ شریک ہو سکا اور خیمہ ہی میں نماز پڑھ رہا ہے تو امام ابوحنیفہ کے قول کے مطابق اسے ظہر اور عصر کی نمازیں الگ الگ اپنے معمولی وقتوں پر پڑھنا

چاہیئے مگر صاحبین (امام محمد و ابو یوسف) کا فتویٰ اس کے برعکس یہ ہے کہ ایسی صورت میں بھی دونوں نمازوں کو جمع تقدیم کے ساتھ پڑھ لینا چاہیئے، فقہ کی کتابوں میں دونوں مذہبوں کے جو دلائل منقول ہیں، ان سے تو امام ابو حنیفہ ہی کا قول ہم عامیوں کو زیادہ مضبوط و مدلل معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم و علمہ اتم۔

حج کا فرض اتر جانے کے لیے عرفات کی محض حاضری کافی ہے، خواہ انسان کچھ بھی نہ کرے یہاں تک کہ اگر سو رہا ہو، یا بیہوشی کی حالت میں اور کوئی اسے چند لمحوں کے لیے میدان عرفات سے آج کے دن گزار دے تو بھی اس کا حج ہو جائے گا۔ لیکن ظاہر ہے کہ اپنے قصد و ارادہ سے آج کی قیمتی گھڑیوں کو ضائع کرنا کون شخص گوارا کرے گا، سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میدان میں اور آج کے دن جو دعا کی ہے اس کا نقشہ حضرت ابن عباس ان الفاظ میں کھینچتے ہیں۔

رَاَیْتُہٗ عَلَیْہِ السَّلَامُ یَدْعُوْ بِعَرَفَۃٍ یَدَاہُ اِلٰی صَدْرِہٖ کَالْمُسْتَطْعِمِ الْمِسْکِیْنِ۔

میں نے حضور کو عرفات میں اس طرح دعا مانگتے ہوئے دیکھا جیسے کوئی بھوکا مسکین اپنا ہاتھ کسی سخی داتا کے آگے پھیلائے ہو!

جب رسول معصوم کا یہ حال تھا، تو امت کے سیہ کاروں اور تباہ حالوں کو اس دن اور اس جگہ اپنا کیا حال رکھنا چاہیئے؟ الحاح و تضرع، خشوع و خضوع کا کوئی دقیقہ آج اٹھا رکھنا چاہیئے؟ اپنے گناہوں کو یاد کرکے اگر آنکھوں سے آنسو جاری ہو جائیں تو کیا پوچھنا، لیکن اگر رونا نہ آئے تو اس پر زیادہ حسرت

بھی نہ کرنا چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ کسی روایت میں نہیں ملتا، کہ دعا کے وقت چشم مبارک سے آنسو بھی جاری تھے[1]۔ جہاں میدان ختم ہوتا ہے وہاں ایک سمت ایک اونچی پہاڑی ہے اس کا نام جبل رحمت ہے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کے نیچے وقوف کیا تھا، اور یہیں اونٹنی پر سوار ہو کر حجۃ الوداع کا مشہور و معروف خطبہ ارشاد فرمایا تھا موقف النبی اور موقف اعظم یہی مقام کہلاتا ہے۔ جبل رحمت کے نیچے بڑے بڑے سیاہ پتھر بہت سے ڈھیر ہیں اگر جگہ مل جائے اور ہمت ہو تو یہیں بیٹھ کر فراغت و یکسوئی کے ساتھ دعا و مناجات میں مشغول ہو جائے، سہ پہر کے وقت امام یہیں آتا ہے اور قبلہ رخ اونٹ پر سوار ہو کر خطبہ پڑھتا ہے اور دعائیں مانگتا ہے۔ لوگوں کو بھی چاہیے کہ دعا کے وقت حتی الامکان قبلہ رُخ ہی رہیں، اگر امام کے قریب پہونچ سکیں تو افضل ہے، ورنہ جہاں کہیں بھی ہوں، وہیں اپنے کام میں لگے رہیں، سارا میدان عرفات بجز وادی عرنہ کے جو مسجد نمرہ سے متصل ہے موقف ہی موقف ہے۔

امام غزالی اعمال عرفات کے ذکر میں فرماتے ہیں۔

در دعا مبالغہ کند کہ سرّ حج اجتماع	اس وقت خوب جی لگا کر دعا کرے، اور راز اس کا یہ ہے کہ اس وقت کیسے کیسے مقبول

---

[1] رونا انسان کا فعل اختیاری نہیں اور کسی عمل غیر اختیاری کو شریعت نے واجب نہیں قرار دیا ہے۔

اللہ اللہ یہ عرفات کا لق ودق ویرانہ، جو نہ انسان کے بسنے کے لائق ہے نہ حیوان کے اور جہاں سال بھر انسانی آبادی تو الگ رہی، پرندہ بھی پر نہیں مارتا دم کے دم میں آن کی آن میں کیسے کیا ہو جاتا ہے، دن بھر کے لیے سینکڑوں نہیں ہزاروں کا نہیں، لاکھوں کی آبادی کا ایک عظیم الشان شہر آباد ہو جاتا ہے ان میں بوڑھے بھی ہوتے ہیں اور جوان بھی، بچے بھی اور عورتیں بھی، شہ زور پہلوان بھی اور لب مرگ کمزور و ناتواں بھی گورے بھی کالے بھی، سانولے بھی پیلے بھی، مشرقی بھی مغربی بھی، جنوبی بھی شمالی بھی، عالم بھی عامی بھی، امیر بھی فقیر بھی، عابد و زاہد بھی فاسق و فاجر بھی۔ اور یہ سارا مجمع کیوں آپ ہی آپ اکٹھا ہو رہا ہے؟ کوئی دلچسپ تماشہ ہونے والا ہے؟ کوئی بزم مشاعرہ ہے؟ کوئی ہنسنے ہنسانے والی نقل دکھائی جائے گی؟ کوئی گھوڑ دوڑ ہے؟ پولو ہے ہاکی، فٹ بال کا میچ ہے؟ رستم دوراں گاما پہلوان کی کشتی کا دنگل ہے؟ ہالی ووڈ کی کوئی نئی فلم آئی ہوئی ہے؟ کوئی مشہور ایکٹرس بے حجابی کے ساتھ اسٹیج پر نمودار ہونے والی ہے؟ تجارتی مصنوعات کی نمائش ہونے والی ہے؟ ڈربی سویپ (SWEEP) ہے؟ گھوڑوں اور ہاتھیوں کا بازار لگنے والا ہے؟ کسی کانفرنس کسی کانگریس کا افتتاح ہے؟ کسی لیڈر کا لکچر ہونے والا ہے؟ کسی درگاہ پر عرس ہو رہا ہے؟ کسی دیوی دیوتا کی پوجا ہونے والی ہے؟ کوئی گنگا اشنان ہے؟ کوئی کمبھ میلا ہے؟ بجز ایک اللہ کی عبادت کے، بجز ایک اللہ کے حکم

کی تعمیل کے، بجز ایک اللہ کے نام پر مر مٹنے کی تمنّا کے اور کونسی شے ان ہزارہا بندوں کو، ان لاکھوں کلمہ گویوں کو یہاں اس تپتی ہوئی ریت میں گھسیٹ کر لائی ہے؟ مجمع دنیا میں اور بہت سے ہوتے رہتے ہیں۔ میلے ٹھیلے خدا معلوم کتنے ہوتے رہتے ہیں کھیل تماشوں میں ٹھٹ کے ٹھٹ ہر جگہ لگ جاتے ہیں لیکن اللہ کے نام پر جمع ہونے والوں کا لبیک لبیک کی رٹ لگا کر اللہ کا نام جپنے والوں کا، اور محض بن دیکھے مولا و مالک کے آگے رونے اور گڑگڑانے جھکنے اور گرنے والوں کا اتنا بڑا مجمع دریاؤں اور سمندروں کو پار کر کے پہاڑوں کو پھاند کر کے دنیا کے طول و عرض میں کہیں، اور وقت کے کسی حصّہ میں کبھی ہوتا ہے؟ دعائیں، ان اللہ والوں کی نہ قبول ہوں گی تو اور کس کی ہوں گی؟ بے حساب رحمتوں اور بیشمار برکتوں کا نزول ان کے سروں پر نہ ہوگا تو اور کس پر ہوگا؟ مشہور ہے کہ آدم علیہ السلام کی توبہ اسی مقام پر اور آج ہی کے دن قبول ہوئی تھی، یہ روایت صحیح ہو یا نہ ہو لیکن بہرحال بنی آدم اپنے گناہوں کے بخشوانے کے لیے آج سے بہتر تاریخ اور یہاں سے بہتر سرزمین اور کونسی ڈھونڈھ کر لائیں گے؟

دنیا کی کوئی قوم، روئے زمین کا کوئی مذہب، اس خالص توحید و خالص خدا پرستی کے عظیم الشان مظاہرہ کا نمونہ پیش کر سکتا ہے؟ کسی نے کبھی پیش کیا، کوئی آج کہیں پیش کر رہا ہے؟ کوئی آئندہ کبھی پیش کرے گا؟

بتوں کے بندے بیشمار، حرص وہوا کے پرستار لاتعداد، سیروتماشہ کے سودائی بے گنتی، لیکن دنیا آئے، پارکوں اور سبزہ زاروں کی سیر کرنے والی دنیا آئے بازاروں اور نمائش گاہوں کی گشت لگانے والی دنیا آئے، عجائب خانوں اور چڑیاخانوں میں وقت گزارنے والی دنیا آئے اور بیسویں صدی عیسوی میں ایک بار ذرا اللہ کی فوج کے ان سپاہیوں کو، اپنے رب کے ان مستوں کو اور دیوانوں کو دیکھے، کہ اس جلجلاتی دھوپ میں، تپتی ہوئی ریت کے اوپر ننگے سر اور پسینہ میں شرابور، مٹی میں اٹے ہوئے اور خاک میں لتھڑے ہوئے کس کس طرح جھک جھک کر اور گر گر کر رو رو کر اور گڑگڑا کر اپنے ان دیکھے مولا ومالک کے آگے مانگنے اور بھیک مانگنے کے لیے کن کن آرزوں اور تمناؤں کے ساتھ کس ہجوم شوق واشتیاق کے ساتھ، اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہیں! دعائیں ان کی نہ قبول ہوں گی تو کس کی قبول ہوں گی؟ جو کچھ مانگیں گے ملے گا، جو سوال ہوگا، پورا ہوگا. لیکن اتنا کرم تو دنیا کے کریم بھی کر دکھاتے ہیں، انھیں تو وہ ملے گا جو ان کے وہم وخیال میں بھی نہیں، یہ تو وہ پائیں گے جس کا سوال ان کے ذہن میں بھی نہیں۔ نور کے بنے ہوئے فرشتے، ظلوم وجہول انسان کی اس طاعت واطاعت پر دنگ رہ جاتے ہیں

اِنَّ اللہَ یَنْزِلُ اِلَی السَّمَاءِ الدُّنْیَا وَیُبَاھِی بِھِمُ الْمَلَائِکَۃَ یَقُوْلُ ھٰؤُلَاءِ عِبَادِی

انھیں دکھایا جاتا ہے اور جنھوں نے کبھی کہا تھا کہ انسان روئے ارض پر فتنہ وفساد ہی کرے گا۔ انھیں دکھا دکھا کر عرفات کی حاضری

جَاؤُنِیْ شُعْثًا غُبْرًا یَرْجُوْنَ رَحْمَتِیْ وَیَخَافُوْنَ عَذَابِیْ وَلَمْ یَرَوْنِیْ فَکَیْفَ لَوْ رَاوْنِیْ

دینے والوں پر فخر کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ دیکھو خاک کے پتلوں کا ذوق جبیں سائی دیکھو آج جب اپنے کو اتنے حجاب میں رکھا ہے اس وقت تو ان کی تمنائے دیدار اور دیوانگی کا یہ حال ہے پھر جس وقت حجابات اُٹھ جائیں گے اس وقت اس شمع رخ پر پروانے کس بے اندازمستی اور دیوانگی سے گریں گے۔

باب (۳۰)

عرفات

نمبر (۲)

لکھوکھا کے مجمع میں لوگ سب ہی طرح کے ہیں، ہر مزاج، ہر مذاق، ہر مرتبہ کے نمونے موجود ہیں، ہزاروں ایسے ہیں، جو عرفات کی حاضری کو ایک طرح کی تفریحی تقریب سمجھے ہوئے ہیں، اور چائے پینے پلانے کی دعوتوں میں مصروف ہیں، سینکڑوں ہزاروں ایسے ہیں جو سو سو کر اپنا وقت کاٹ رہے ہیں

کہیں کہیں دیگیں چڑھی ہوئی ہیں، اور اعلےٰ درجہ کی بریانی اور پلاؤ کا سامان ہو رہا ہے، پھر بھی ہزاروں بندے اللہ کے ایسے بھی ہیں جو وقت کی قدر و قیمت کو پہچانتے ہوئے اور مقام کی اہمیت کو پوری طرح جانتے ہوئے، اس دوپہر کی ایک ایک گھڑی اور اس سہ پہر کا ایک ایک لمحہ اپنے رب کے آگے ہاتھ پھیلانے اور پیشانی رگڑنے، رونے اور گڑگڑانے استغفار و مناجات کرنے میں بسر کر رہے ہیں انھیں میں کیسے کیسے مخلص و متقی ہوں گے، قطب ہوں گے ابدال ہوں گے، اولیا ہوں گے، کاملین ہوں گے۔ ان کی دعائیں کیا تنہا اپنے نفسوں کے لیے ہوں گی؟ ان کے رب کی رحمتوں کا نزول کیا صرف انھیں کے لیے ہوگا؟ اللہ اور اللہ والوں سے تنگ دلی کی بدگمانی! نعوذ باللہ! آج تو وہ دن ہے کہ کسی کا کرم بے حساب اور رحمت بے پایاں اپنے سایۂ دامن میں لینے کے لیے حیلہ ڈھونڈھتی ہے اللہ والوں کی سفارش سے بڑھ کر اور کیا حیلہ ہوگا، ان مقبولوں کے طفیل میں خدا معلوم کتنے غیر مقبول آج مقبول بن جاتے ہیں اور کتنے مفلسوں اور تہیدستوں کا شمار آج سرمایہ داروں میں ہونے لگتا ہے کریم جب دینے پر آئے اور کریم کے در کے بھکاری مانگنے میں کمی نہ کریں۔ تو داد و دہش کی کیا کمی! اہل و نا اہل کس و ناکس حقدار اور بے حقے کھرے اور کھوٹے سب ہی اپنی قسمتوں کے حصّہ کے مطابق نعمتوں سے سرفراز اور دولتوں سے مالامال ہو رہے ہیں۔!

صوفیہ کے تذکروں میں آتا ہے کہ علی بن موفق ایک بہت قدیم بزرگ گزرے ہیں، حج کے لیے حاضر ہوئے، نویں شب میں منیٰ میں خواب دیکھا کہ دو فرشتے باہم گفتگو کر رہے ہیں۔ ایک نے دوسرے سے پوچھا کہ ابکی کتنے حاجی آئے جواب ملا کہ ۶ لاکھ، پھر پوچھا کہ حج مقبول کتنوں کا ہے؟ جواب ملا کہ ۶ کا، ۶ لاکھ میں کل چھ! ہول و دہشت سے آنکھ کھل گئی اور دل نے کہا کہ اپنا شمار ان چھ خوش نصیبوں میں تو بہرحال نہیں ہو سکتا، معلوم ہوتا ہے یہ ساری محنت و مشقت بیکار ہی گئی دسویں شب میں عرفات سے واپسی کے بعد پھر اسی طرح خواب میں انھیں دو فرشتوں کو دیکھا، ایک نے پوچھا کہ حج مقبول کل چھ کا ہوا؟ دوسرے نے جواب دیا کہ ان چھ کے طفیل میں پورے چھ لاکھ کے حج قبول ہو گئے! العظمۃ للہ! ان نوازشوں اور سرفرازیوں کا کوئی ٹھکانا ہے! ان رحمتوں اور بخششوں کی کوئی حد و انتہا ہے!——

ان حکایتوں پر حیرت کیوں کیجیے، کیا روزمرہ آپ نہیں دیکھتے رہتے کہ غلہ کے انبار میں جو مٹی اور تنکے پڑ جاتے ہیں وہ بھی غلہ ہی کے حساب سے بکتے ہیں اور سونے میں گرد و غبار کے جو ذرات شامل ہو جاتے ہیں وہ بھی سونے ہی کے ساتھ تلنے لگتے ہیں! کتا ایک نجس اور ناپاک جانور ہے، اصحاب کہف کے طفیل میں کہاں سے کہاں پہونچ گیا! پھر انسان تو بہرحال انسان ہے اور جو عرفات میں حاضر ہوتا ہے وہ آخر اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیوا تو ہوتا ہے، اس سے بڑھ کر بدنصیب اور کون ہو گا جو آج اور یہاں کی

حاضری کے وقت بھی رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد مبارک کو بھلائے رکھے، کہ :-

اَعْظَمَ النَّاسِ ذَنْبًا مَنْ وَقَفَ بِعَرَفَةٍ فَظَنَّ اَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَغْفِرْ لَهٗ۔	سب سے بڑھ کر گناہ گار وہ ہے جو عرفات میں حاضر ہو اور پھر بھی یہ خیال رکھے کہ اللہ نے اسے نہیں بخشا۔

ایک زندہ بزرگ کا (خدا انھیں مدتوں زندہ وسلامت رکھے) معمول یہ سننے میں آیا کہ وہ ۸؍ کی صبح کو مکہ سے منیٰ پاپیادہ آجاتے تھے اور پھر ۹؍ کی صبح کو مع اپنے تین چار ہم مشرب وہم مذاق یاران سلسلہ کے منیٰ سے عرفات بھی پیدل ہی آتے تھے۔ ایک ایک جانماز، پانی کی ایک ایک بوتل اور بسکٹ وغیرہ کی قسم سے مختصر سا ناشتہ بس اس قدر سامان ہر ہر رفیق کے ہاتھ میں عرفات پہونچے، ذرا دم لیا، غسل فرمایا، ظہر وعصر کی نماز جمع کر کے جماعت کے ساتھ مسجد نمرہ میں ادا کی، اور اس کے بعد جبل عرفات کے دامن میں جو خشک جھاڑیاں ہیں ان میں سے ایک ایک جھاڑی ہر بزرگ نے اپنے اپنے لیے مقرر کر لی اور پوری یکسوئی وفراغ خاطر کے ساتھ اپنی اپنی عبادتوں میں مصروف ہو گئے۔ جھاڑیاں نہ اتنی قریب قریب کہ ایک شخص کی آواز دوسرے کی توجہ میں مخل ہو اور نہ اتنی دور دور، کہ فراغت کے بعد ساتھیوں کی تلاش کرنے میں دقت ہو۔ — یہ انتظام اگر کسی سے بن پڑے تو کیا کہنا، یکسوئی وسکون خاطر کا بہترین

نسخہ اور بہترین نقشہ ہے، اس سفرنامہ کے مصنف کی تقدیر بھلا ایسی رسا کب تھی، اپنا تو سارا وقت کہنا چاہیئے کہ محض ضائع ہی ہوا، اور نفس بہانے یہ کرتا رہا کہ قافلہ کی ضروریات اور مستورات کے آرام وغیرہ کا انتظام کرنا ہے! کئی فرلانگ طے کرکے اس کڑی دھوپ میں ایسے پست ہمت کو مسجد نمرہ تک جانے کی توفیق کیوں نصیب ہونے لگی تھی، یہی غنیمت ہوا کہ اپنے خیمہ ہی میں مختصر سی جماعت مل گئی، مولانا مناظر صاحب ہر موقع کی طرح آج بھی ہمارے قافلہ میں سب سے زیادہ نصیبہ ور رہے، نماز پڑھنے مسجد نمرہ گئے واپسی میں خیمہ کا راستہ بھول کر خدا جانے کہاں کہاں بھٹک گئے اور ساتھیوں سے گم ہوکر یہاں کی تنہائیوں اور خلوتوں میں خدا معلوم کیا کیا پالیا! **ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ** کی تصدیق ایک بار پھر ہو کر رہی ــــــ ہدایت شاید ایسے ہی کھوئے ہوؤں کے نصیب میں آتی ہے وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰى۔

ہم لوگ یہاں قبل دوپہر پہونچ گئے تھے۔ دوپہر ہوتے ہوتے جنھیں غسل کرنا تھا وہ غسل سے اور باقی وضو کرکے تیار ہو گئے، سولہ آدمیوں کے لیے دو خیمے تھے ایک خیمہ میں خاص میرے قافلہ کے آٹھ آدمی (زن ومرد) آگئے۔ دوسرے میں بقیہ آٹھ آدمی رہے۔ معلم صاحب نے جو خیمے دیئے ہیں، وہ آٹھ آٹھ آدمیوں کے رہنے کے قابل تو کسی طرح یہ بھی نہیں لیکن خیر چند ہی گھنٹوں کا معاملہ ہے، کسی نہ کسی طرح گزر ہو جائے گی، اپنے اپنے شغف بھی خیموں

سے بالکل متصل رکھوا لیے، عورتیں زیادہ تر شغدفوں ہی کے اندر رہیں، شغدف خیمہ سے زیادہ آرام دہ ثابت ہوئے۔ بڑی وجہ یہ ہے کہ شغدف اونچے پلنگ کی طرح زمین سے خاصے بلند ہوتے ہیں اس لیے ان میں بیٹھ کر کم ازکم زمین کی تپش سے تو امن رہتا ہے، خیمہ اگر ہر طرف سے بند رہتے ہیں تو بڑی امس پیدا ہوجاتی ہے، دم گھٹنے لگتا ہے، پسینہ کی حد نہیں، لیکن اگر خیمہ کی قناتیں دو طرف سے کھول کر دروازہ سے بنا دیئے جائیں تو پھر خاصی ہوا آنے لگتی ہے زمین خوب جلتی اور تپتی ہوتی ہے اس پر بچھانے کے لیے موٹا فرش ہمراہ لانا ضروری ہے اور اگر کپڑے کی کرسی یا ٹوٹ کا پلنگ ہمراہ آسکے تو یقیناً زیادہ آرام ملے گا۔ بمبئی سے ڈک چیر (کپڑے کی کرسی) اگر ہمراہ لے جائیے تو جہاز میں بھی بہت کام دے گی اور عرفات و منیٰ میں بھی اسی قدر مفید ثابت ہوگی پانی کی بابت بہت سی ڈراونی روایتیں سننے میں آئی تھیں، سنا تھا کہ عرفات میں پانی بہت مشکل سے اور بہت کم اور بہت گراں اور بہت خراب ملتا ہے اس کی سال تو خدا کے فضل سے کوئی ایسی دقت نہیں پیش آئی، پانی بیچنے والے کثرت سے پکارتے پھر رہے ہیں اور پانی کچھ ایسا گندلا بھی نہیں خاصا صاف ہے۔ زیادہ گراں بھی نہیں، ایک کنستر یا اوسط درجہ کی مشک آٹھ آنے میں یا اگر زیادہ نہ چکایا جائے تو چھ آنے میں بھی مل جانا ممکن ہے۔ بعض پچھلے سالوں البتہ سنا ہے کہ پانی بہت کم ملتا تھا، اور دو دو روپیہ فی مشک کے حساب سے ملتا تھا اور اور بہت گندلا ملتا تھا، اس کی سال اللہ کا بڑا فضل رہا۔ اللہ ٹھنڈا رکھے زبیدہ خاتون

کی تربت کو، اسی کی تعمیر کرائی ہوئی نہر سے صدہا سال سے اللہ کی بیشمار مخلوق سیراب ہوتی چلی آرہی ہے، اور آئندہ بھی خدا معلوم کب تک اسی طرح سیراب ہوتی رہے، البتہ ضرورت اس کی ہے کہ نہر کی صفائی، پابندی اور انتظام کے ساتھ ہوتی رہے، سفری چولھا (یا لکر) اگر ہمراہ ہو تو بہتر ہے۔ ہم لوگوں کے ساتھ انگیٹھی اور کوئلے تھے، ان سے بھی کام چل سکتا ہے۔ مختصر کھانا بطور ناشتہ کے پک گیا، ستو ایسے موقع پر خاص طور سے کام آتے ہیں غذا کی غذا اور پیاس کی تسکین الگ، اور پھر بغیر کسی دشواری و اہتمام کے دم بھر میں تیار۔ مُرمُرے (لائے) کے ستو سب سے بہتر ہیں، تال مکھانے کے ستو مناسب نہیں نقصان کا احتمال ہے خصوصًا جبکہ طبیعت پیچش کی طرف از خود آمادہ ہو رہی ہو۔

خیموں کے اس جنگل میں اپنے خیمے سے باہر نکل کر کچھ دور تک جانا غضب کا سامنا کرنا ہے خیموں کے نصب کرنے میں کوئی خاص ترتیب نہیں ہوتی یا اگر ہوتی ہو بھی تو کم از کم حاجی غریب کو تو اس کا علم ہوتا نہیں، نہ خیموں پر کوئی نمبر یا اور کوئی خاص علامت، سینکڑوں ہزاروں خیمے، بس ایک ہی رنگ کے ایک ہی وضع قطع کے ہر طرف مسلسل چلے گئے ہیں، بے پڑھوں، بوڑھوں اور بوڑھیوں کا ذکر نہیں، اچھے خاصے جوان جہان، ہوشیار، پڑھے لکھے چکرا جاتے ہیں اپنے خیمہ سے نکل کر چند قدم چلے کہ راستہ گم ہو گیا۔ اب نہ جہاں جانے کے لیے نکلے تھے

وہاں پہونچ سکتے ہیں، نہ واپس ہونے کے لیے اپنا خیمہ کا راستہ پاتے ہیں عجیب مصیبت وبیکسی کا وقت ہوتا ہے، راستہ پوچھیں تو کس سے، اور کوئی بتانا چاہے بھی تو کیا بتائے سب انھیں جیسے ناواقف۔ ہم لوگ نماز کے لیے کسی بڑی جماعت کی تلاش میں ایک بار اپنے خیموں سے باہر نکلے لیکن چند قدم چلنے کے بعد عافیت واپسی ہی میں نظر آئی۔ حکومت اگر چاہے تو ان دشواریوں کا سدباب بہت آسانی سے کرسکتی ہے اول تو موجودہ حالت انتشار وبے نظمی کے بجائے خیموں کے مختلف محلے (کیمپ) مختلف ملکوں کے اعتبار سے قائم کردینے چاہییں، مثلاً ایک محلہ مصریوں کا ایک ہندیوں کا ایک حجازیوں کا ایک جاویوں کا وغیرہ وغیرہ، پھر بڑے ملکوں کے محلوں کے اندر صوبہ وار تقسیم کردینی چاہیے، مثلاً پنجاب کیمپ بنگال کیمپ وقس علیٰ ہذا، اور پھر اس کے بعد خود ان صوبہ وار محلوں کے اندر خیموں پر نمبر ڈال دینے چاہییں۔ ہر کیمپ کا بھی الگ الگ نمبر ہونا چاہیے اور علاوہ نمبروں کے مختلف رنگ کے بلند جھنڈوں اور جھنڈیوں کے ذریعہ سے مختلف کیمپوں کو ممتاز ونمایاں کرنا چاہیے۔ عارضی سڑکوں اور روشوں کو بنا کر اور ان پر نمبر ڈال کر بھی بہت کچھ سہولت پیدا کی جاسکتی ہے، صوبہ وار کیمپوں کے اندر مختلف معلموں کے نام بھی ان معلموں کے حاجیوں کے خیموں کے گرد اگرد اگر نمایاں کردیئے جائیں تو دقتیں اور زیادہ گھٹ سکتی ہیں، ان سب تدبیروں کے علاوہ، چار پانچ سو کی تعداد میں مختلف زبانیں جاننے والے رضاکار یا پولیس کے رضاکاروں

کے کیمپ کسی خاص نمایاں رنگ کے ساتھ میدان عرفات کے مختلف حصوں میں ہونے چاہئیں اور ان میں ایک دوسرے سے فوری پیام رسانی کے لیے عارضی ٹیلیفون کا انتظام بآسانی ہو سکتا ہے۔ حکومت حجاز لکھوکھا روپیہ ان حاجیوں سے موسم حج میں وصول کرتی ہے۔ اگر اس میں سے دس بیس ہزار روپیہ انھیں کی سہولت و آسائش کے سامان پر لگا دیا جائے تو حکومت کے خزانہ پر ہرگز کوئی بار نہیں پڑ سکتا۔

حکومت کے نظم و انتظام کی افسوسناک کمی صرف اسی ایک حیثیت سے واضح نہیں ہو رہی تھی۔ عرفات سے واپسی کے بعد سننے میں آیا کہ وہاں پانی برف، شربت، فالودہ، چائے اور قہوہ کی دوکانیں بھی موجود تھیں۔ خدا معلوم کہاں تھیں۔ عرفات کے دوران قیام میں تو ہمارے قافلہ کو ان کا پتہ کہیں چلا نہیں۔ ظاہر ہے کہ میلوں کے وسیع رقبہ میں کسی ایک گوشہ میں یا عین وسط میں بھی اگر چند دوکانیں ہوئیں تو دور والوں کو ان کی کیا خبر ہو سکتی ہے۔ بجائے ایک جگہ کے چاہیے یہ تھا کہ مختلف ملکوں کے کیمپوں میں الگ الگ دوکانیں ہوتیں۔ دوکانیں ہوتیں چاہے چھوٹی ہی۔ لیکن ان کا متعدد ہونا اور مختلف حصوں میں پھیلا ہونا لازمی تھا۔ ہندوستان میں جن لوگوں نے کانگریس کے یا خلافت کمیٹی کے زمانہ عروج میں اس کے سالانہ جلسوں کے انتظامات میں حصہ لیا ہے وہ عرفات میں اپنی رضاکارانہ خدمات بخوشی پیش کر سکتے تھے اور سعودی حکومت

اگر انھیں موقع دیتی تو ان خدمات کو وہ اپنے لیے وسیلہ نجات و باعث سعادت خیال کرتے، پچھلے سالوں میں جو کچھ ہونا تھا ہو چکا آئندہ کے لیے اب بھی کچھ نہیں گیا ہے، حکومت لاکھ نیک نیتی کے ساتھ کوئی انتظامی کمیٹی قائم کرے لیکن جب تک اس میں مختلف زبانیں جاننے والوں اور مختلف ممالک کے مذاق طبیعت سے واقفیت رکھنے والوں کو شریک نہ کرے گی کوئی بڑی کامیابی ممکن نہیں یہ جو کچھ لکھا جا رہا ہے۔ حاشا۔ اس سے موجودہ حکومت حجاز کی تنقیص یا اس پر مخالفانہ نکتہ چینی مقصود نہیں بلکہ صرف آئندہ کے لیے اصلاح حال ہے، جس سے حاجیوں کو بھی راحت پہونچے اور حکومت بھی اجر اور نیک نامی حاصل کرے۔

اعمال حج کا رکن اعظم یہی وقوف عرفات ہے جس وقت سہ پہر کو (اندازہ کے لیے اوسط وقت عصر سمجھیے) امام خطبہ پڑھ چکتا ہے تو وہ وقت عجیب مسرت کا ہوتا ہے "حج" ہو گیا، "حج ہو گیا" کی صدائیں ہر طرف سے آنے لگتی ہیں اور ایک دوسرے کو گرمجوشی کے ساتھ مبارکبادی دی جانے لگتی ہیں، معلمین خیموں پر آ آ کر اپنے اپنے حاجیوں کو کچھ دعائیں پڑھاتے ہیں، جو نہ اس وقت یاد آتی ہیں اور نہ کسی دوسری کتاب میں نظر سے گزری ہیں، اور ساتھ ہی ساتھ وہ خود اور ان کے ملازمین اور کارندے کچھ نہ کچھ وصول بھی کرتے جاتے ہیں۔ ــــ لیجیے دیکھتے ہی دیکھتے **عصر کا وقت** آخر ہونے لگا آفتاب میں زردی

آنے لگی، اور خیمے اکھڑنا شروع ہو گئے! سبحان اللہ وبحمدہ کیا خدا کی قدرت ہے اب تھوڑی ہی دیر میں یہ ساری آبادی ویرانی سے بدل جائے گی، اور جہاں آج دن بھر لکھو لکھا انسانوں کا مجمع رہا وہاں اب ایک متنفس بھی نہ نظر آئے گا۔ اور سال بھر کی ویرانی کے بعد پھر آج ہی کی تاریخ اسی طرح کی آبادی اور چہل پہل ہوگی، آج کے دن جس طرح یہاں نماز عصر اپنے وقت سے پہلے ہٹ کر نماز ظہر کے ساتھ پڑھی گئی، اسی طرح حکم ہے کہ آج نماز مغرب بھی اپنے وقت سے پیچھے ہٹادی جائے اور بجائے یہاں پڑھنے کے مزدلفہ پہونچ کر رات گئے نماز عشا کے ساتھ ملاکر پڑھی جائے۔ بعض ناواقف بیچارے جلدی جلدی یہیں نماز مغرب ادا کرنے کے لیے نیت باندھ رہے ہیں، ناواقفیت کی بنا پر مواخذہ سے تو غالباً بچ جائیں، لیکن اتباع سنت کا اجر تو بہرحال اپنے ہاتھوں کھو رہے ہیں۔ ہزارہا ایسے ہیں جو جلد بازی کرکے کچھ دن رہے ہی روانہ ہوجاتے ہیں، مسنون وقت روانگی کا غروب آفتاب کے بعد ہے لیجیے آفتاب غروب ہونے لگا سب کے خیمے اکھڑ چکے ہمارے خیمے اکھڑ ہی رہے تھے کہ بے شان وگمان بغیر کسی موسمی توقع وتغیر کے دفعتاً آسمان پر ایک طرف سے ابر کا ٹکڑا آتا نمودار ہوا دو چار بار بجلی چمکی بوندیں شروع ہوئیں اور چند ہی لمحوں میں اچھی خاصی بارش ہونے لگی! کریم کی کریمی اور مولا کی رحمتوں کی تھاہ کون پاسکتا ہے! احرام پوشوں کے جسم کہاں تو ابھی جلجلاتی ہوئی دھوپ میں تپ رہے تھے اور کہاں ابھی پانی میں لت پت ہونے

لگے۔ بارش ہوئی اور خوب اچھی طرح ہوئی، لوگ بھیگے اور خوب بھیگے"باران رحمت" کا لفظ سنا بارہا تھا، حقیقتہً "باران رحمت" کا مشاہدہ آج ہی ہوا! لوگ کہتے تھے اتنی بارش عرفے کے دن سالہا سال کے بعد ہوئی ہے۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ عرفات کی بارش حج کی مقبولیت کی علامت ہے۔ یہ اگر سچ ہے تو خدا ہی کو علم ہے کہ اِبکی حج میں کون اللہ کا شیر شریک تھا، بارش پانی کی کیوں تھی یوں کہیے کہ عفو ومغفرت کی بارش تھی، اور جو جو بوند جسم پر گرتی تھی بس یہ معلوم ہوتا تھا کہ معاصی کی سیاہیاں دھل رہی ہیں!

باب (۳۱)

مزدلفہ

حج کا رکن اعظم بحمد اللہ ختم ہو چکا، اس وقت دل کی مسرتوں کا کیا پوچھنا، بات کہنے کی نہیں تجربہ کرنے کی ہے، ہر چہرہ کھلا جا رہا ہے۔ ہر طرف مسرت و انبساط۔ عرفات کے بعد ہی حاجیوں کو مزدلفہ میں قیام کرنا ہوتا ہے یہ ایک وسیع میدان کا مشہور نام ہے جو منیٰ و عرفات کے درمیان واقع ہے منیٰ سے عرفات کے دو راستے ہیں ایک سیدھا اور ایک کسی قدر چکر کے ساتھ منیٰ سے عرفات جاتے ہوئے سیدھے راستے سے جانا مسنون ہے۔ ادھر

مزدلفہ نہیں پڑتا۔ عرفات سے واپسی دوسرے راستے سے مسنون ہے جو ذرا چکر کھا کر ہے، مزدلفہ اسی راستہ میں پڑتا ہے، عرفات سے اس کا راستہ ۷، ۸ میل ہوگا، اور منیٰ یہاں سے ڈھائی میل رہ جاتا ہے۔ اس میدان کا معروف نام مزدلفہ ہے۔ قرآن مجید میں اس کا نام مشعر الحرام آیا ہے اور یہاں کے قیام کی اہمیت اسی سے ظاہر ہے کہ خود کلام پاک میں یہ تصریح موجود ہے کہ عرفات سے واپسی میں مشعر الحرام میں ذکر الٰہی کرو۔ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ مشعر الحرام کے مفہوم میں سارا میدان داخل ہے اور ایک مسجد بھی یہاں اسی نام سے موسوم و مخصوص ہے۔ علما لکھتے ہیں کہ لفظ مزدلفہ مشتق ہے۔ "ازدلاف" سے جس کے معنی قریب ہونے کے ہیں اور اس میدان کا نام مزدلفہ اس لیے پڑا کہ حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام جنت سے نکلنے کے بعد پہلے یہیں ملے تھے ۹ر اور ۱۰ر کی درمیانی شب یہیں بسر کرنی ہوتی ہے۔ فقہا لکھتے ہیں کہ مزدلفہ میں داخل ہوتے وقت اگر پیادہ ہو اور غسل بھی کرلے تو بہتر ہے۔ وَالْمُسْتَحَبُّ اَنْ يَّدْخُلَ الْمُزْدَلِفَةَ مَاشِيًا وَيَغْتَسِلُ لِدُخُوْلِهَا۔ (فتح القدیر)

اگر ضعیفی، کمزوری یا بیماری کے عذر قوی کی بنا پر یہاں کا قیام ترک کردیا جائے تو مضائقہ نہیں۔ لیکن بغیر کسی قوی عذر کے محض تن آسانی کے خیال سے یا ہجوم سے بچنے کے لیے یہاں قیام نہ کرنا اور عرفات سے سیدھے

منیٰ چلے جانا ہرگز مناسب نہیں، امام اوزاعی اور بعض تابعین کے نزدیک
تو وقوف مزدلفہ رکن حج ہے یعنی فرائض میں داخل ہے، اور اگر یہ فوت
ہو گیا تو حج ہی فوت ہو گیا (جیسا کہ قاضی ابن رشد نے بدایۃ المجتہد میں اس
جماعت کا مذہب نقل کیا ہے) اور قاضی خاں نے ایسا ہی مذہب امام
مالک کا بھی نقل کیا ہے، حنفیہ کے ہاں گو یہ رکن حج نہیں لیکن مرتبہ وجوب
رکھتا ہے اور کسی نے بلا عذر خاص یہاں کا قیام ترک کر دیا تو اسے قربانی
دینی ہوگی۔ آج کی شب مبارک بعض فقہا و محدثین کے بیان کے مطابق
شب قدر سے بھی بڑھ کر ہے۔ جہاں تک ممکن ہو ساری رات تلاوت اور
نماز اور مناجات و استغفار میں گزارے، آج جو ساری رات جاگ گیا
وہ خود کیا جاگا، اس کا نصیبہ جاگ گیا۔ بہرحال جتنی دیر بھی ممکن ہو عبادت
ہی میں وقت گزارنا چاہیئے۔ عرفات سے آتے ہوئے راستہ میں اللہ اکبر
اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر و الحمد للہ پڑھتا ہوا آئے اور لبیک اور استغفار
کو جاری رکھے، مزدلفہ پہونچکر کوئی خاص دعا منصوص نہیں، مناسک کی
کتابوں میں متعدد دعائیں لکھی ہوئی ہیں، راستے میں وہ وادی بھی پڑتی
ہے جہاں خانہ کعبہ اور رب کعبہ کا مشہور دشمن ابرہہ اپنے زمانہ کی پر قوت
امپیریلزم (جہانگیریت و قیصریت) کا نمائندہ مع اپنے سارے ساز و سامان
لاؤ لشکر کے دم کے دم میں ہلاک ہو گیا تھا۔ اس وادی کا نام وادی محسّر ہے
فقہا رحمہم اللہ لکھتے ہیں کہ جب اس وادی سے گزرے تو سواری کو تیز

کردے اور یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰھُمَّ لَا تَقْتُلْنَا بِغَضَبِكَ وَلَا تُھْلِکْنَا بِعَذَابِكَ وَعَافِنَا قَبْلَ ذَالِكَ — اے اللہ ہم کو نہ مارنا اپنے غضب سے اور نہ ہلاک کرنا، اپنے عذاب سے، اور معاف کر دینا اس سے پہلے ہی۔

دعا کے الفاظ بہتوں نے دہرائے ہوں گے، خدا معلوم کسی کے دل سے مغرب و مشرق کی ان قوموں کی بھی تباہی و بربادی کی دعائیں نکلیں جو آج چودھویں صدی ہجری میں کعبہ اور رب کعبہ کی عداوت میں اس پرانی اور برباد شدہ قوم سے کہیں بڑھی ہوئی ہیں، جن کی جلدیں سفید بھی ہیں اور گندمی بھی، مگر جن کے دل عداوت حرم و ملّت حرم میں حبشہ کی اس قوم کے چہروں سے بھی زیادہ سیاہ ہو چکے ہیں اور جن کو ابرہہ کے ہاتھیوں سے کہیں بڑھ چڑھ کر آج اپنی آبادی کی کثرت اور اپنے توپ خانوں ہوائی جہازوں اور مسلح موٹر کاروں کی قوت پر دعویٰ اور ناز ہے!

عرفات سے چلنے میں کچھ دیر تو بارش کی وجہ سے ہوئی اور کچھ وقت معلم صاحب کی خوش انتظامیوں کی نذر ہوا۔ بہرحال غروب آفتاب کو کوئی قریب آدھ گھنٹہ کے ہوا ہوگا، جب ہمارا قافلہ روانہ ہوا، مولانا مناظر صاحب کی گم شدگی سے ہمارے ساتھیوں میں ایک کی کمی ہو گئی تھی اور اونٹ کے سفر میں یہ کمی ایک اہمیت رکھتی ہے۔ بغیر دو سواریوں کے شغدف کی میزان

برابر نہیں رہتی، اگر شغدف میں صرف ایک ہی طرف ایک سواری بیٹھی ہو تو شُغدف اسی طرف جھک کر زمین پر گر جاتا ہے۔ خیر مولانا کی جگہ پر معلم صاحب کے صاحبزادہ نے قبضہ کیا اور قافلہ چلا! اس وقت کے سفر کی کیا کیفیت بیان ہو، عرب میں اونٹوں اور موٹروں پر سفر بہت سے کیے، دن اور رات کے مختلف حصوں میں بھی کیے لیکن اتنا پر لطف، اتنا دل کش، اتنا فرحت انگیز سفر نہ اس کے قبل کوئی ہوا نہ اس کے بعد۔ چاندنی رات، پانی برس کر آسمان بالکل کھل چکا تھا۔ کھُلے ہوئے آسمان میں شب دہم کا چاند، ہر طرف روشنی پھیلی ہوئی بارش ہو جانے سے موسم کی حالت بالکل بدلی ہوئی، نہ تپش، نہ لُو، نہ گرد، نہ اُمس، اس کے بجائے خوشگوار خنکی، لطیف و سبک ہواؤں کے جھونکے چلے آرہے ہیں۔ یہ معلوم ہو رہا ہے کہ اپنے صوبہ یوپی میں مارچ یا اکتوبر کے مہینہ کی شام ہے! مصری اور بدوی حاجی حج کی خوشی میں طرح طرح کے ترانے گا رہے ہیں، پہاڑیوں سے آواز ٹکراتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ جیسے پہاڑیاں اور چٹانیں بھی جشن مسرت و طرب میں شریک ہیں! طرح طرح کی بڑی بڑی مشعلیں اور گیس کی روشنیاں نورٌ علیٰ نور، داہنے اور بائیں آگے اور پیچھے سو پچاس نہیں ہزار ہا اونٹ اوپر نظر اٹھائیے تو دلکش اور پیارا آسمان نیچے دیکھئے تو مضبوط اور بوجھ اٹھانے والی زمین اِدھر اُدھر نظر دوڑائیے تو ہر طرف پہاڑیوں کا سلسلہ سورۃ الغاشیہ کی آیت کریمہ اَفَلَا یَنظُرُونَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ وَاِلَی السَّمَاءِ کَیْفَ رُفِعَتْ وَاِلَی الْجِبَالِ

كَيْفَ نُصِبَتْ وَإِلَى الْأَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ کی دلنشیں تفسیر بغیر کسی لفظ وعبارت کی وساطت کے زبان حال سے از خود ہوتی جارہی ہے! فقہا لکھتے ہیں، کہ مزدلفہ کے راستہ میں تکبیر وتہلیل اور اللہ کی حمد وثنا کرتا رہے، اور ایک قلب ہی کے مضغۂ گوشت پر کیا موقوف ہے۔ ہر ہر بن مو اس وقت شکر نعمت کی صدائیں دے رہا ہے۔ صبر کے مرحلے اس سفر میں جھیلنے کو بکثرت ملتے ہیں، یہ موقع خالص مرتبہ شکر کے طے کرنے کا ہے! اس شکر گزاروں کی تو ہر گھڑی شکر میں گزرتی ہے، یہ گھڑی وہ ہے کہ ناشکرے بھی شکر گزار بن جاتے ہیں۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ۔

کوئی دو گھنٹہ میں مزدلفہ پہونچ گئے، یہاں صرف ایک ہی رات بسر کرنی ہوتی ہے، اور افسوس ہے کہ بہت سے لوگ تو اتنا بھی نہیں کرتے گزرتے ہوئے سیدھے منیٰ چلے جاتے ہیں۔ اس لیے یہاں خیمے وغیرہ نہیں لگتے ہیں، یوں ہی کھلے میدان میں لوگ زمین پر بستر بچھا کر یا اپنے شغدفوں کے اندر لیٹ کر گزار دیتے ہیں خوب وسیع میدان ہے۔ جگہ کی چپقلش نہیں ہونے پاتی، کھانے کی دوکانیں بہ کثرت پورا بازار لگا ہوا۔ جا بجا روشنیاں بھی نصب، ہلکی خنکی سُنا ہے اس میدان میں عموماً رہتی ہے، ابکی سال تو اچھی خاصی خنکی رہی پانی کی دقت ابکی سال کچھ نہیں ہوئی، نہ زیادہ گراں نہ زیادہ گندا تھا، اور ملا بھی خاصہ افراط کے ساتھ قیام اگر مسجد مشعر الحرام کے متصل

جبل قزح پر ہوسکے تو سبحان اللہ ہم لوگوں کے نصیب ایسے کہاں تھے؟ معلم صاحب نے اپنی مہربانی سے جہاں چاہا ہمارے اونٹ بٹھلا دیئے مسجد میں اذان کب ہوئی، اس کی بھی خبر نہ ہوئی، اور نہ کسی کی ہمت پڑی کہ مسجد کی تلاش میں اپنا قافلہ چھوڑ کر روانہ ہو، اور گم ہوجانے کا قوی خطرہ اختیار کرے۔ پہونچنے کے ساتھ ہی نماز مغرب وعشا، بغیر درمیان میں کوئی نفل پڑھے یا کسی اور طرح فاصلہ دیئے، جمع کرکے اپنے قافلہ کی جماعت کے ساتھ پڑھی گئی۔ آج کے دن حالت احرام میں نماز مغرب وعشا، مزدلفہ ہی میں آکر عشا کے وقت اکٹھے پڑھنا کم ازکم حنفی مذہب میں تو ضروری ہے، یہاں تک کہ اگر کسی نے نماز مغرب مزدلفہ کے راستہ میں پڑھ لی، تو امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک وہ نماز درست نہیں ہوئی، اور چاہیئے کہ مزدلفہ میں پہونچکر اسے دوبارہ پڑھے، اس وقت کے لیے اذان واقامت بھی ایک ہی ہے۔ یعنی مغرب وعشا کے لیے الگ الگ تکبیر کہنے کی ضرورت نہیں ایک ہی تکبیر دونوں نمازوں کے لیے کافی ہوگی۔

ان مسائل سے عموماً ناواقفیت ہے، یا اگر واقفیت بھی ہے جب بھی بے پروائی برتی جاتی ہے۔ نماز مغرب کوئی صاحب عرفات میں پڑھ لیتے ہیں، اور کوئی صاحب راستہ میں، نماز عشا بھی بعض جلد باز حضرات راستہ میں پڑھ لیتے ہیں، اس لیے بہتر ہوگا کہ یہاں پہونچکر ایک نظر فقہا کی تصریحات پر کی جائے صاحب درمختار لکھتے ہیں:۔

وَصَلَّی الْعِشَائَیْنِ بِاَذَانٍ وَّ اِقَامَۃٍ لِاَنَّ الْعِشَاءَ فِیْ وَقْتِہَا لَمْ تَحْتَجْ لِلْاِعْلَامِ کَمَا لَا اِحْتِیَاجَ ھُنَا لِلْاِمَامِ وَلَوْ صَلَّی الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ فِی الطَّرِیْقِ اَوْ فِیْ عَرَفَاتٍ اَعَادَہٗ۔

اور مغرب و عشا دونوں نمازیں مزدلفہ میں پڑھے ایک اذان اور ایک اقامت سے کیونکہ عشاء کی نماز تو اپنے وقت ہی پر ہو رہی ہے اور اس لیے اس کے اعلام کی حاجت نہیں جیسا کہ یہاں اس جمع بین الصلواتین کے لیے) امام بھی ضروری نہیں اور اگر مغرب یا عشاء کی نماز راستہ میں یا عرفات میں پڑھ لی جائے تو چاہیے کہ یہاں دہرائے

اور اسی کو درمختار کے دونوں شارحین طحطاوی و شامی نے اختیار کیا ہے ۔صاحب کنز کہتے ہیں:۔

وَلَمْ تَجُزِ الْمَغْرِبُ فِی الطَّرِیْقِ

آج کے دن مغرب کی نماز راستہ میں پڑھ لینی جائز نہیں،

ان کے شارح صاحب بحر الرائق فرماتے ہیں۔

لَمْ تَحِلَّ صَلَاۃُ الْمَغْرِبِ قَبْلَ الْوُصُوْلِ اِلٰی مُزْدَلِفَۃَ

مزدلفہ پہونچنے سے قبل نماز مغرب پڑھ لینا جائز نہیں،

صاحب بدائع الصنائع لکھتے ہیں:۔

وَلَوْ صَلَّی الْمَغْرِبَ بَعْدَ غُرُوْبِ الشَّمْسِ قَبْلَ اَنْ یَّاْتِیَ مُزْدَلِفَۃَ

اگر کسی نے غروب آفتاب کے بعد نماز مغرب مزدلفہ پہونچنے سے قبل ہی پڑھ لی تو اگر اب بھی

فَإِنْ كَانَ يُمْكِنُهُ أَنْ يَأْتِيَ مُزْدَلِفَةَ	اس کے امکان میں قبل طلوع فجر مزدلفہ پہنچ
قَبْلَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ لَمْ تَجُزْ صَلٰوتُهُ	جاتا ہے تو اس کی یہ نماز صحیح نہیں ہوئی اور
وَعَلَيْهِ إِعَادَتُهَا مَالَمْ يَطْلُعِ	امام ابوحنیفہ و محمد و زفر و حسن کے قول کے
الْفَجْرُ فِيْ قَوْلِ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ	مطابق قبل فجر، اس نماز کا اعادہ کرنا
وَزُفَرَ وَحَسَنٍ۔	چاہیے۔

اور لباب المناسک میں ہے۔

وَلَا يُصَلِّى الْمَغْرِبَ وَلَا الْعِشَاءَ	مغرب اور عشا کی نمازیں نہ عرفات میں
بِعَرَفَاتٍ وَلَا فِي الطَّرِيْقِ حَتّٰى	پڑھنی چاہئیں، اور نہ راستہ میں یہانتک
يَدْخُلَ مُزْدَلِفَةَ وَيَنْزِلَ بِهَا،	کہ مزدلفہ آجائے اور حاجی وہاں اترے ...
وَلَوْ صَلَّى الصَّلَاتَيْنِ أَوْ إِحْدٰى	اور اگر کوئی نماز یا دونوں نمازیں مزدلفہ پہنچے
هُمَا قَبْلَ الْوُصُوْلِ إِلٰى مُزْدَلِفَةَ	سے قبل پڑھ لی ہیں تو وہ درست نہیں
لَمْ يَجُزْ وَعَلَيْهِ إِعَادَتُهَا إِذَا	ہوئیں، اور ان کا اعادہ وہاں پہنچکر
وَصَلَ	لازم ہے۔

اور ہدایہ میں ہے۔

وَيُصَلِّي الْإِمَامُ بِالنَّاسِ الْمَغْرِبَ	امام جماعت کے ساتھ مغرب اور عشا کی نمازیں
وَالْعِشَاءَ بِأَذَانٍ وَإِقَامَةٍ وَاحِدَةٍ	صرف ایک ہی اذان و اقامت کے ساتھ ادا
وَمَنْ صَلَّى الْمَغْرِبَ فِي الطَّرِيْقِ	کرے اور اگر کسی نے مغرب کی نماز راستہ ہی میں
لَمْ يُجْزِهِ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ	پڑھ لی تو امام ابوحنیفہ اور محمد کے نزدیک نماز درست نہیں ہوئی

صرف ایک امام ابو یوسف سے اختلاف منقول ہے مگر فقہاء میں سے کسی نے ان کے قول پر فتویٰ نہیں دیا۔

عالم اسلامی میں جو بد نظمی و انتشار سرایت کئے ہوئے ہے۔ اس کا نمونہ جس طرح عرفات میں دیکھنے میں آیا تھا، یہاں بھی دیکھنا پڑا۔ اتنا بڑا مجمع اور نہ کسی قسم کا نظم و تنظیم ایک طوائف الملوکی سی پھیلی ہوئی رات کا وقت اجنبی زبان ممکن نہ تھا کہ کوئی شخص اپنے قافلہ سے کسی ضرورت کے لیے جدا ہوا، اور پھر وہاں تک آسانی سے واپس پہونچ سکے، بازار تک جانا تو خیر آسان تھا، اس لیے کہ ہر دوکان پر خوب روشنی ہو رہی تھی اور دور سے نمایاں تھی لیکن بازار جاکر واپس آنا چاہے تو آخر کس پتہ کس نشان سے واپس آئے؟

ہمارے ساتھ کی بیویاں، دن بھر کے سفر اور تکان کے بعد قدرتاً بھوکی تھیں، قافلہ کے دو تین مرد بازار کھانا لینے گئے، واپسی میں راستہ بھولے اور ان پر جو کچھ گزری بس انھیں کا دل جانتا ہے، ایک ہی طرح کے ہزارہا اونٹ اور ہزارہا شغدف ہر طرف نظر آرہے تھے، بالکل بھول بھلیاں کا سا منظر قدم قدم پر بھٹکتے تھے، اور اپنے قافلہ والوں کو چیخ چیخ کر پکارتے تھے۔ پکارتے پکارتے گلے پڑ پڑ گئے جب جاکر کس مشکل سے پہونچ پائے ہیں کیا حکومت کی استطاعت سے یہ باہر ہے کہ مختلف ملکوں کے حاجیوں کے

لیے مختلف عارضی سڑکیں، ایک شب کے لیے تیار کرا دے، اور ان سڑکوں کے نام انھیں ملکوں کے نام پر رکھ دے، مثلاً ہندیہ، مصریہ وغیرہ اور پھر ان سڑکوں کو مختلف قطعات (PLOTS) میں تقسیم کر کے ہر ہر قطعہ (پلاٹ) پر ایک ایک معلم کے لیے نمبر ڈال دے، اور سڑکوں کے ناموں اور ان نمبروں کو روشنی میں خوب نمایاں کر دیا کرے؟ اور پھر بھٹکے ہوؤں کی رہنمائی اور رہبری کے لیے تربیت پائے ہوئے اور مختلف زبانیں جاننے والے باقاعدہ اور مستعد رضاکاروں اور پہرہ کے اگر صرف چند ہی دستے مقرر ہو جائیں تو غریب پردیسیوں کو کتنی سہولت اور کتنی آسائش ہو جائے! سلطان کے مشیروں خصوصاً ہندی مشیروں نے خدا معلوم سلطان کی خدمت میں کبھی رفاہ خلق و خدمت حجاج کی ان صورتوں کا بھی مشورہ پیش کیا ہے؟

مزدلفہ میں قیام صرف شب بھر رہتا ہے، ۱۰ کی صبح کو امام کو چاہیے کہ مسجد مشعر الحرام میں نماز اول وقت یعنی صبح صادق طلوع ہوتے ہی اندھیرے میں پڑھ لے۔ صحیحین میں حضرت عبد اللہ بن مسعود کی روایت موجود ہے کہ آج کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر معمولی وقت سے پہلے پڑھی تھی علمائے حنفیہ نے بھی اسی وقت پر زور دیا ہے۔ نماز کے بعد چاہیے کہ عرفات کی طرح یہاں بھی قبلہ رخ ہو کر وقوف کریں اور خوب جی لگا کر دعائیں مانگیں مقبولیت دعا کی یہ خاص جگہ اور خاص گھڑی ہے اس سے فارغ ہو کر آفتاب

نکلتے نکلتے یہاں سے منیٰ کی طرف روانہ ہو جانا چاہیئے اور منی پہونچ کر شیطانوں پر جو کنکریاں ماری جائیں گی ان کا بھی یہیں سے چن لینا مسنون و افضل ہے۔ منیٰ میں اگر ۱۳ تک رہنے کا قصد ہو تو ۷۰ کنکریاں گن کر لے، اور اگر صرف ۱۲ ہی تک ٹھہرنا منظور ہو تو ۴۹ کنکریاں کافی ہوں گی کنکریاں چھوٹی ہوں تو بہتر ہے، دانہ باقلہ کے برابر اگر اس سے بڑی یا چھوٹی ہوں تو بھی جائز ہے۔ ان کنکریوں کو دھو کر ساتھ رکھ لینا چاہیے، نجس کنکریاں پھینکنا مکروہ ہے، وقوف مشعر الحرام کے وقت یہ دُعا پڑھے تو افضل ہے۔

اَللّٰهُمَّ بِحَقِّ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَالْبَيْتِ	اے اللہ مشعر الحرام کے حق سے اور خانہ کعبہ
الْحَرَامِ وَالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالرُّكْنِ	کے حق سے اور اس پاک مہینہ کے حق سے
وَالْمَقَامِ بَلِّغْ رُوحَ مُحَمَّدٍ مِنَّا التَّحِيَّةَ	اور حجر اسود اور مقام ابراہیم کے حق سے محمدؐ
وَالسَّلَامَ وَأَدْخِلْنَا دَارَ السَّلَامِ	کی روح کو ہمارا درود و سلام پہونچا دیجیو اور
يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ۔	اے بزرگی و عظمت والے ہم کو رحمت کے گھر (جنت) میں داخل کیجیو۔

اس کے بعد اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ۔ کہے اور لبیک کہے اور درود پڑھے، اور پھر جو حاجت ہو اس کے لیے دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگے۔

اعمال حج کا سارا سلسلہ اِدھر سے عبدیت و انابت اور اُدھر سے

رحمت و مرحمت کا ایک مسلسل مظاہرہ ہے، مہمانوں کو اپنے گھر بلا کر شریف اور کریم النفس میزبان کیسی کیسی خاطریں کرتے ہیں، لطف و مدارات میں کیا کوئی کسر اٹھا رکھتے ہیں، پھر وہ جو سب کریموں سے بڑھ کر کریم اور سب حاتموں سے بڑھ کر حاتم ہے جو کرم اور کریمی سب کا خالق و پروردگار ہے۔ کیا وہ اپنے گھر کے مہمانوں پر لطف و نوازش کی بارش کرنے میں کوئی بات اٹھا رکھے گا اس کے خزانہ میں مغفرت و مرحمت کی کوئی کمی ہے؟ اس کے جود و عطا میں بخل کی کسی آمیزش کا امکان ہے؟ میدان عرفات میں آپ کے سرور، وسردار نے آپ کے حق میں، اپنے مولا و پروردگار کے سامنے ہاتھ پھیلا پھیلا کر جو کچھ مانگا تھا اور وہاں سے جو کچھ ملا تھا اس سے آپ واقف ہو چکے اب سنئے کہ آپ کا اور ساری دنیا کا وہ غمخوار اور غمگسار، جب عرفات سے مزدلفہ پہونچتا ہے تو کیا پاتا ہے، کیا طلب کرتا ہے، اور کیا کیا ملتا ہے، خوب جانے اور پہچانے رکھیئے کہ مانگنے والا کون تھا، اور دینے والا کون تھا۔ عباس بن مرداس سلمی سے روایت ہے کہ۔

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَا لِاُمَّتِهٖ عَشِيَّةَ عَرَفَةِ بِالْمَغْفِرَةِ فَاُجِيْبَ اِنِّىْ قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ مَا خَلَا الظَّالِمَ فَاِنِّىْ اٰخِذٌ لِلْمَظْلُوْمِ مِنْهُ قَالَ اَىْ رَبِّ اِنْ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات میں سہ پہر کے وقت اپنی امت کی مغفرت کی دعا کی تو جواب ملا کہ ہم نے بخش دیا تیری امت کو بجز ان لوگوں کہ جو دوسروں کے حقوق تلف کرنے والے ہیں مظلوموں کا بدلہ ضرور لیا جائے گا اس پر

شِئْتَ أَعْطَيْتَ الْمَظْلُومَ الْجَنَّةَ
وَغَفَرْتَ لِلظَّالِمِ فَلَمْ يُجَبْ عَشِيَّتَهُ
فَلَمَّا أَصْبَحَ بِالْمُزْدَلِفَةِ أَعَادَ الدُّعَاءَ
فَأُجِيبَ إِلَى مَا سَأَلَ قَالَ فَضَحِكَ
رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
أَوْ قَالَ تَبَسَّمَ فَقَالَ أَبُوبَكْرٍ وَعُمَرُ بِأَبِي
أَنْتَ وَأُمِّي إِنَّ هٰذِهِ السَّاعَةَ
مَا كُنْتَ تَضْحَكُ فِيهَا فَمَا الَّذِي
أَضْحَكَكَ وَأَضْحَكَ مِنْكَ قَالَ
إِنَّ عَدُوَّ اللّٰهِ إِبْلِيسَ لَمَّا عَلِمَ
أَنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ قَدِ اسْتَجَابَ
دُعَائِي وَغَفَرَ لِأُمَّتِي أَخَذَ
التُّرَابَ فَجَعَلَ يَحْثُوهُ عَلَى
رَأْسِهِ وَيَدْعُو بِالْوَيْلِ
وَالثُّبُورِ فَأَضْحَكَنِي مَا رَأَيْتُ
مِنْ جَزَعِهِ ـ

(ابن ماجہ)

آپؐ نے پھر عرض کیا، اے پروردگار اگر تو چاہے
تو مظلوم کو جنت دے کر اسے اس پر راضی
کر سکتا ہے کہ وہ ظالم کو معاف کر دے اور ظالم
کی بھی مغفرت کر دے اس کا کچھ جواب نہ ملا
(یہاں تک کہ آپؐ عرفات سے مزدلفہ میں آگئے)
اور مزدلفہ میں صبح ہوتے آپ نے پھر یہی
دعا کی اس وقت یہ دعا قبول ہو گئی اس وقت
آپ مسرت سے ہنس پڑے (یا تبسم فرمانے لگے)
ابوبکرؓ و عمرؓ نے عرض کی کہ ہمارے ماں باپ حضور
پر فدا ہوں، آپ ان اوقات (دعا و مناجات)
میں تو کبھی ہنستے نہیں تھے، آپ کو اللہ ہنستا ہی
رکھے، اس وقت آپ کیسے ہنسے؟ آپ نے ارشاد
فرمایا کہ جس وقت اللہ کے دشمن ابلیس نے یہ دیکھا
کہ اللہ نے میری دعا قبول فرمائی اور میری ساری
امت کی مغفرت کا پروانہ مرحمت ہو گیا تو زمین
سے خاک اٹھا اٹھا کر اپنے سر پر ڈالنے لگا
اور غم و غصہ سے لوٹنے لگا مجھے یہ جزع و فزع
دیکھ کر ہنسی آگئی ـ

اللہ اکبر! جو کچھ عرفات میں بھی نہ ملا تھا، مزدلفہ میں مل گیا! اس رحمت بے حساب کا کوئی حساب لگا سکتا ہے؟ اس کرم بے نہایت کی کوئی پیمائش کر سکتا ہے! مزدلفہ کی بزرگیوں اور عظمتوں کا کون اندازہ کرے گا؟ اور جس نے مزدلفہ میں یہ دعائیں مانگیں اس کے لطف و شفقت کا کون احاطہ کر سکتا ہے؟ اور پھر سب سے بڑھ کر جس نے ان دعاؤں کو قبول کیا، اسکی شانِ رحمت و مغفرت کے اظہار کے لیے کوئی لفظ، کوئی عبارت کافی ہو سکتی ہے۔

باب (۳۲)

منیٰ بعدِ حج

نمبر (۱)

حج کے سلسلہ اعمال میں عرفات اور مزدلفہ کی حاضری تو کہنا چاہیے کہ بس کھڑی سواری ہی ہوتی ہے۔ عرفات میں جاتے ہوئے منیٰ میں بھی کچھ ایسا طویل قیام نہیں ہوتا۔ البتہ عرفات و مزدلفہ سے واپس آکر منیٰ میں ایک خاصا طویل قیام ہوتا ہے۔ یعنی ۱۰ر کی صبح سے لے کر کم سے کم ۱۲ر کی شام تک اس تین چار دن کے عرصہ میں مختلف واجبات و سنن ادا کرنے ہوتے ہیں۔ مثلاً شیطان کے کنکریاں مارنا، قربانی کرنا، سر منڈانا وغیرہ اور اسی درمیان

میں مکہ جاکر خانہ کعبہ کا فرض طواف بھی ادا کرنا ضروری ہے اس سے پہلے جتنے طواف کیے تھے، وہ کوئی حج کے فرض طواف نہ تھے۔ حج کا فرض طواف وہی ہے جو عرفات سے واپسی کے بعد ادا کیا جائے، ہم لوگ ۱۰ر ذی الحجہ (یکشنبہ) کو دن نکلے مزدلفہ سے روانہ ہوئے تھے اور ڈھائی گھنٹہ میں منٰی پہونچ گئے، آج کے ہجوم اور کش مکش کا کیا پوچھنا! منٰی کے حدود شروع ہوئے تھے کہ ہجوم کی زیادتی بھی محسوس ہونے لگی، ایک ہی سڑک، اسی پر اونٹ بھی چل رہے ہیں، گھوڑے گدھے اور خچر بھی پیدل چلنے والے انسان بھی اور کہیں کہیں موٹر بھی آنے والوں کے لیے بھی وہی راستہ اور جانے والوں کے لیے بھی وہی! نہ کسی قسم کی ترتیب، نہ تنظیم، نہ پولیس کی طرف سے انتظام نہ کسی اور محکمہ کی طرف سے، ہر ایک کی یہی کوشش کہ جس طرح ممکن ہو دوسرے کو دھکا دے کر اپنے لیے جگہ پیدا کرے، چپقلش کا اندازہ سمجھ رکھنے والے ناظرین کے لیے دشوار نہیں، اونٹ سے اونٹ لڑ رہے ہیں اور شغدف سے شغدف ٹکرا رہے ہیں اونٹ اپنی طرف زور زور سے بلبلا رہے ہیں اور ان بے زبان جانوروں سے کہیں زیادہ چیخ چیخ کر ان کے زبان دراز جمال اور معلم اور معلموں کے کارندے آسمان پر سر اٹھائے ہوئے ہیں اور شغدفوں کے اوپر جو سواریاں بیٹھی ہوئی ہیں، کچھ نہ پوچھئے کہ خوف ودہشت سے ان کی کیا حالت ہو رہی ہے، کچھ گلا پھاڑ پھاڑ کر چلا رہے ہیں، اور یہ سمجھ رہے ہیں کہ ان کا شغدف اب گرا اور اب گرا، اور کچھ بدحواس ہوکر

بالکل چیپ سادھ گئے ہیں اور گرد و غبار کی تو حد نہیں ہاتھ اور پیر، کان اور ناک، سر اور منھ سب خاک سے اٹے ہوئے! اس وقت اپنی جان عزیز کے لالے پڑے ہوئے ہیں، صفائی اور پاکیزگی کا خیال کس کو!

بڑی فکر یہ تھی کہ چل کہاں رہے؟ اور منزل پر پہونچ کر اتریں گے کہاں؟ عرفات کے میدان میں قیام کر کے خوب تجربہ ہو چکا تھا کہ عرب کی بے پناہ گرمی سے معلم صاحب کے عنایت کیے ہوئے دو تنگ اور ہلکے خیمے کہاں تک پناہ دے سکتے ہیں، پھر وہاں تو چند گھنٹے کا معاملہ تھا کسی طرح گزر ہو گئی یہاں پورے تین دن قیام کرنا ہے، قربانیاں ہوں گی، اور قربانیوں کے بعد اپنے ہاتھوں کی پیدا کی ہوئی گندگی اور عفونت کی بنا پر جو وبائی بیماریاں پھیلیں گی ان کا کیا علاج ہو گا؟ دماغ میں یہ فکریں گونج ہی رہی تھیں کہ مہربان معلم نے یہ مژدہ سنایا کہ خیمے ہنوز نصب نہیں ہوئے بلکہ ہم لوگوں کے پہونچ لینے کے بعد کہیں نصب ہونے شروع ہوں گے! انا للہ! اس کو چھوڑیئے کہ نصب کس مقام پر ہوں گے، وہ جگہ کیسی ہو گی ابھی سرے سے نصب ہی نہیں ہوئے ہیں، اور نہ ان کے نصب ہونے کی کوئی عجلت ہے! فرنگی قوموں کا نکتہ چیں اس سفرنامہ کے مصنف سے بڑھ کر اور کون ہو گا، لیکن ایسے موقعوں پر شرم و ندامت سے کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے دیندار، کاش ان بے دینوں ہی سے کچھ سبق حاصل کرتے!

بڑے سے بڑے مجمع ان دنیا پرستوں کے ہاں بھی ہوتے ہی رہتے ہیں، اور پھر آخر وہ کس طرح خوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ اپنے مہمانوں کی راحت اور پردیسیوں کی آسائش کا سامان بات کی بات میں کر دیتے ہیں اور پردیس کو دیس سے بھی بڑھ کر خوش گوار بنا دیتے ہیں! یہ بالکل صحیح ہے کہ عبادت عبادت ہی کے لیے کی جاتی ہے، نہ کہ لذت اور مزیداریوں کے لیے لیکن بلا ضرورت مشقت اور تعب برداشت کرنا اور عبادت کو بلا وجہ تکلیف دہ اور ناخوشگوار بنا دینا یہ آخر کس آئین شریعت و قانون طریقت کے مطابق ہے؟

پختہ مکانات کی قدر آج جا کر معلوم ہوئی، اپنے دیس میں آنکھ کھولی تو پختہ مکان کے اندر ساری عمر حویلیوں اور کوٹھوں میں ہی گزری، دل نے معمولی بات اور انھیں اپنا فطری حق سمجھ کر ان کی قدر نہ پہچانی اور ایک اسی پر کیا موقوف ہے، اللہ کی جو بھی نعمت بلا مشقت اور فراوانی کے ساتھ ملتی رہتی ہے ان سب کے ساتھ اپنی ناشکریوں کا یہی معاملہ رہتا ہے، آج جب اپنے قبضہ میں کوئی پختہ چھت نہ تھی، اور یہ تصور پیش نظر تھا کہ مئی کے مہینے میں عرب کے ملک میں تین دن اور دو راتیں، مع ایک پورے قافلہ کے کھلے میدان یا کپڑے کی چھت کے نیچے کاٹنی ہوں گی، تو زندگی میں پہلی بار یاد پڑا کہ پختہ مکان کا میسر آجانا بھی اللہ کی ایک خاص نعمت ہے! اور اللہ کے بیشمار بندے ایسے ہیں، جو ساری ساری عمریں بغیر اس نعمت ہی کے بسر کر دیتے

ہیں! حیدر آباد کے سرکاری قافلہ کے لیے جو پختہ مکان کرایہ پر لے لیا گیا تھا وہ عظیم الشان سہی، اور یہ بھی صحیح ہے کہ حجاج حیدر آباد کے سرکاری ایجنٹ حاجی بلال صاحب بڑے خلیق اور سالار قافلہ میر فیض الدین صاحب وکیل ان سے بھی بڑھ کر خلیق و متواضع و مہمان نواز لیکن بہرحال ان بیچاروں کے پاس بھی تو جگہ محدود ہی ہے، دو ایک آدمی ہوتے تو کوئی مضائقہ نہ تھا، لیکن یہ پورے سولہ آدمی، جن میں عورتیں بھی ہیں اور بوڑھے بھی، وہاں کہاں ٹھہر سکیں گے اور ان کی راحت و آسائش کے لائق وہ لوگ بیچارے کہاں سے انتظام کر سکیں گے ـــــ دل ابھی اس حیص بیص میں تھا اور قریب تھا کہ معلم صاحب کسی مقام پر شغدفوں کو اتارنے کا حکم دے دیں کہ اتنے میں ہماری سالی صاحبہ بیگم نواب ناظر یار جنگ بہادر جج ہائی کورٹ حیدر آباد، مع اپنے موٹر کے دکھائی دیں۔ (نیوتنی کے ڈاکٹر ناظر الدین حسن بیرسٹر لکھنؤ اور حیدر آباد کے ناظر یار جنگ بہادر سے دکن اور اودھ میں کون نا واقف ہوگا؟) یہ بھی مع اپنے شوہر اور بچوں کے اسی سال حج کے لیے آئی ہوئی ہیں۔ ان کا ملنا تھا کہ مکان کی مشکل آسان تھی، ان کے پاس علاوہ اچھے وسیع مضبوط خیموں اور قناتوں سے گھرے ہوئے صحن کے ایک مختصر پختہ مکان بھی تھا، اور اچھے موقع سے تھا۔ آدھ گھنٹہ میں میرا ذاتی قافلہ آٹھ آدمیوں کا ان کا مہمان تھا۔ بقیہ آٹھ ساتھی حیدر آباد والے مکان میں اتر پڑے اور وہ سب بھی آرام سے رہے ـــــ بابا آدم جنت سے جدا ہونے کے بعد جب مزدلفہ میں ماما حوا سے ملے تھے تو ان کی

اس وقت کی مسرت کی روایتیں اور حکایتیں بہتوں نے پھیلا پھیلا کر لکھی ہیں، اسی مسرت اور راحت کا ایک ہلکا سا نمونہ اس ابن آدم کو مزدلفہ میں نہ سہی، منیٰ میں بیوی کی بہن سے مل کر دیکھنے میں آیا۔ اسے کوئی صاحب محض لطیفہ نہ سمجھیں، یہ واقعہ ہے کہ جو راحت و آسائش اس پختہ مکان کے نصیب ہو جانے سے ملی، اس کی عشر عشیر بھی خیمہ میں ممکن نہ تھی۔

آج ۱۰/ ذی الحجہ کو منیٰ میں داخل ہوتے وقت اگر یہ دعا پڑھی جائے تو بہتر ہے۔

اَللّٰھُمَّ ھٰذِہٖ مِنًی قَدْ اَتَیْتُھَا وَ اَنَا عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ اَسْئَلُكَ اَنْ تَمُنَّ عَلَیَّ بِھَا کَمَا مَنَنْتَ بِھَا عَلٰی اَوْلِیَائِكَ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْحِرْمَانِ وَ الْمُصِیْبَۃِ فِیْ دِیْنِیْ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَبْلَغَنِیْ سَالِمًا غَانِمًا ۔	اے اللہ میں آج منیٰ پہونچا ہوں، میں ترا بندہ ہوں اور ترا بندہ زادہ ہوں، تجھ سے التجا کرتا ہوں کہ میری آرزوئیں پوری کر جس طرح تو نے اپنے اولیاء کی آرزوئیں پوری کی ہیں، اے اللہ میں پناہ مانگتا ہوں کہ دین کے باب میں محرومی اور مصیبت میں پڑوں اے سب سے بڑھ کر رحم کرنے والے شکر ہے، اس خدا کا جس نے یہاں عافیت وسلامتی سے پہونچایا۔

منیٰ کے دوران قیام میں خاص عبادتیں یہ چار ہیں۔ شیطانوں کے

کنکریاں مارنا۔ جسے اصطلاح میں رمی کرنا یا رمی جمرات کرنا کہتے ہیں۔ قربانی[2] کرنا۔ حلق[3] یا قصر (یعنی سر کے بال منڈانا (کترانا) اور مکہ[4] جاکر طواف زیارت کرنا ترتیباً رمی کا شروع کردینا سب سے مقدم ہے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ جب اپنے لخت جگر حضرت اسمٰعیلؑ کو ذبح کرنے لے چلے ہیں تو راستہ میں تین مرتبہ شیطان ملا، اور باپ بیٹے کو راہ حق سے بہکانا چاہا، اور تینوں مرتبہ ناکام و نامراد رہا۔ اس واقعہ کی یادگار میں انھیں تینوں مقامات پر شیطان کو کنکریاں مارتے چلے آرہے ہیں۔ ہر ستون کو جمرہ کہتے ہیں جمرات اور جمار اسی لفظ جمرہ کی جمع ہے۔ "رمی" کے معنی مٹی پھینکنے کے ہیں تینوں جمرے عین سڑک پر بازار کے وسط میں واقع ہیں، جو جمرہ مکہ سے آتے وقت سب سے پہلے منیٰ کے کنارے پڑتا ہے، اسے جمرہ عقبہ کہتے ہیں دوسرے کو جمرہ وسطیٰ تیسرے کو جمرہ اولیٰ جو عرفات و مزدلفہ کی سمت میں واقع ہے، عوام کی زبان میں یہ بڑا شیطان، مجھلا شیطان، چھوٹا شیطان کہلاتے ہیں، تینوں کے درمیان ایک ایک دو دو فرلانگ کا فاصلہ ہے۔

آج جمرہ عقبہ کی رمی کرنی چاہیے، اور آج کے لیے صرف ایک جمرہ کی رمی ہے، باقی دو کی نہیں رمی کی کنکریاں جنس زمین سے ہونا چاہیئے یعنی پتھر یا مٹی کی کنکریاں، اگر کوئی شخص لوہے، سونے چاندی کی کنکریاں بنا کر مارنا چاہے تو درست نہ ہوگا، کنکریاں تعداد میں سات سے کم نہ ہوں۔ اگر زیادہ

ہوجائیں تو مضائقہ نہیں۔ ہر کنکری داہنے ہاتھ سے، انگوٹھے اور کلمہ کی انگلی سے پکڑ کر پھینکے اور پھینکتے وقت یوں تکبیر کہنا چاہیئے۔ بسم اللہ اللہ اکبر رجماً للشیطان، ساتھ ہی یہ دعا بھی پڑھ لے تو بہتر ہے اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ حَجِّيْ مَبْرُوْرًا وَّسَعْيِيْ مَشْكُوْرًا وَذَنْبِيْ مَغْفُوْرًا۔ کنکریاں بہتر ہے کہ مزدلفہ سے چن کر اپنے ہمراہ لائے وہ نہ ہوں تو دوسری کنکریوں سے بھی درست ہے، البتہ جو کنکریاں دوسروں کی پھینکی ہوئی وہاں پہلے سے پڑی ہوئی ہیں انھیں کو اٹھا اٹھا کر رمی کرنا مکروہ ہے، جمرہ عقبہ کے تین طرف نشیب ہے بہتر ہے کہ وہیں کھڑے ہو کر رمی کرے لیکن اگر ہجوم کے باعث وہاں جگہ نہ ملے یا زیادہ دقت کا خیال ہو تو چوتھی طرف پہاڑی ہے اس کی بلندی سے بھی پھینکنا جائز ہے۔ کنکریوں کو دھولینا بھی بہتر ہے تاکہ نجاست کا شبہ نہ رہے۔ آج کے دن اس جمرہ کی رمی کے بعد ہی چلا جائے۔ توقف کرنا مسنون نہیں دیکھتے دیکھتے تھوڑی ہی دیر میں کنکریوں کا ایک پورا ٹیلا بن جاتا ہے۔ اگر حاجیوں کا شمار اس سال کے تخمینہ کے بموجب ایک لاکھ فرض کیا جائے، اور ہر حاجی کی کنکریوں کی تعداد بھی کم سے کم فرض کیجائے یعنی سات، سات، تو صرف آج ہی کے دن (ابھی آئندہ تاریخوں کا حساب نہیں) اس جمرہ پر سات لاکھ کنکریاں تو اکھٹی ہو ہی جاتی ہیں، لیکن حیرت کی بات ہے کہ آپ ہی آپ یہ ٹیلہ غائب بھی ہو جاتا ہے، اور حج کے بعد اگر دیکھئے تو پھر وہی صفاچیٹ میدان، رمی پیدل بھی کرنا جائز ہے۔ لیکن امام ابو حنیفہؒ و امام محمدؒ کے قول کے مطابق سواری کے اوپر کرنا افضل ہے (قاضی خاں) بہتر یہ ہے کہ

ہر حاجی اپنے ہاتھ سے رمی کرے لیکن بیماروں، ناتوانوں اور معذوروں کی طرف سے نیابتہً کوئی دوسرا بھی کر سکتا ہے۔ اس رمی کا وقت افضل و مسنون آج کی تاریخ طلوع آفتاب سے لے کر زوال تک ہے۔ زوال و غروب کے درمیان بھی بلا کراہت جائز ہے، بعد غروب، طلوع صبح صادق تک بھی جائز ہے مگر بہ کراہت، لبیک اب تک تقریباً ہر موقعہ کا ایک ضروری جزء تھا، پہلی رمی کے ساتھ ہی اسے موقوف کر دینا چاہیے۔

ہم لوگ بحمد اللہ دوپہر تک رمی سے فارغ ہو گئے اس کے بعد قربانی کا نمبر آتا ہے۔ قربانی کے لیے تین چار جانور شریعت نے رکھے ہیں۔ اُونٹ[۱] گائے[۲]. بھیڑ[۳] یا بکری[۴]، اونٹ، گائے اور بیل میں سات سات آدمیوں کی شرکت ہو سکتی ہے، بھیڑ اور بکری میں شرکت، مذہب حنفی میں جائز نہیں ہر شخص کی طرف سے ایک ایک بکری یا بھیڑ ہونی چاہیے۔ اس کے باوجود بھی کفایت بھیڑ یا بکری ہی میں رہتی ہے۔ اونٹ کثرت سے قربانی کے لیے ملتے رہتے ہیں، لیکن سات حصّوں میں تقسیم ہونے پر بھی خاصے گراں پڑتے ہیں۔ گائے بیل بھی اچھی خاصی تعداد میں مل جاتے ہیں، لیکن اگر کفایت کا خیال مدنظر نہ ہو، اور جیب میں کافی گنجائش ہو تو افضل یہی ہے کہ اونٹ کی قربانی کرے۔ فقہا کی سفارشیں اونٹ اور پھر گائے کے حق میں ہیں۔

أَعْلَاهُ بُدْنَةٌ مِنَ الْإِبِلِ وَالْبَقَرِ (درمختار) بہترین قربانی اونٹ اور گائے کی ہے۔

اَلْاَعْلٰی وَھُوَ الْاِبِلُ وَھُوَ اَفْضَلُہٗ — ایک قربانی اعلیٰ و افضل ہے اور وہ اونٹ کی

وَ اَوْسَطُ وَھُوَ الْبَقَرُ (طحطاوی) — ہے اور ایک درجہ اوسطی ہے وہ گائے کی ہے۔

عِنْدَنَا اَفْضَلُھَا الْاِبِلُ ثُمَّ الْبَقَرُ — ہمارے مذہب میں سب سے اعلیٰ قربانی اونٹ کی

ثُمَّ الْغَنَمُ۔ (فتح القدیر) — ہے پھر گائے کی پھر بکری کی۔

امام شافعی نے عطا کے حوالے سے یہ روایت بھی نقل فرمائی ہے کہ سب سے ادنیٰ قربانی بھیڑ بکری کی ہے، بکریوں اور بھیڑوں کا نرخ منیٰ میں تقریباً وہی ہے جو ہندوستان میں عید اضحیٰ کے موسم میں ہو جاتا ہے پہلے ہر شخص جہاں چاہتا تھا اپنا جانور ذبح کر ڈالتا تھا، اور خون گوشت کھال ہر جگہ پڑی رہتی تھی گویا سارا منیٰ ایک وسیع مذبح تھا، اس سے قدرۃً عفونت پھیلتی اور طرح طرح کی وبائیں نمودار ہوتیں۔ ابکی سال خدا کے فضل سے اس طرح کی لغویت نہیں ہوئی، ایک مستقل مذبح بن گیا ہے وہیں جاکر سب نے قربانی کی اور وباؤں اور بیماریوں سے بالکل امن رہا۔ ہمارے قافلہ میں شیخ مشیر الزماں صاحب رامپوری ہمہ تن فدویت ہیں، اور ایک پیکر ایثار و انقیاد، قافلہ بھر کا سارے سفر میں اول سے آخر تک عملی انتظامی کام وہی کرتے رہے، آج بھی اس کڑی دھوپ میں ہم لوگوں کو تو باہر نکلنے کی ہمت ہوئی نہیں، وہی بیچارے جاکر ہم آٹھ شخصوں کی طرف سے قربانیاں کرا آئے۔

یاد رہے کہ ۷، ۸ ذی الحجہ کی درمیانی شب میں حج کے لیے جو احرام باندھا تھا وہ ابھی بندھا ہوا ہے اور احرام کے جو قیود و شرائط ہیں ان کی پابندیاں اس وقت تک بدستور نافذ ہیں صرف تلبیہ (لبیک کہنا) البتہ پہلی رمی کے بعد موقوف ہو گیا ہے۔ قربانی سے فراغت کے بعد احرام اتارنے کی فکر ہوئی، اس کے لیے مذہب حنفی میں ضروری ہے کہ پہلے سر منڈایا جائے، یا کم سے کم یہ کہ بال کتروا دیے جائیں۔ (افضلیت سر منڈانے والوں کو ہے۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں از خود دعا فرمائی ہے اور بال کتروانے والوں کے حق میں۔ صحابہ کے اصرار سے فقہا لکھتے ہیں کہ سر منڈانا ایسا ہے جیسے غسل کرنا، اور بال کترانا ایسا ہے جیسے وضو کرنا۔ بہرحال اب حجام کی تلاش شروع ہوئی۔ ایک پیر مرد دستیاب ہوئے، اتفاق سے وہ یہی نہیں کہ ہندوستانی اور ہمارے صوبہ کے بلکہ خاص ہمارے ضلع بارہ بنکی کے نکلے، تیس چالیس سال ہوئے، وطن چھوڑ کر یہیں چلے آئے ہیں۔ عورتوں کے لیے سر منڈانا جائز نہیں ان کے لیے بالوں کی لٹ انگلی کی ایک پور کے برابر کاٹ ڈالنا کافی ہے۔ سر منڈاتے وقت کچھ دعائیں پڑھتے رہنا۔ اور تکبیر کہتے رہنا مستحب ہے لیکن ہمارے حجام صاحب کو اللہ کے ذکر سے زیادہ دلچسپ اپنی باتیں معلوم ہوئیں۔ عصر کا وقت آخر ہو رہا تھا کہ ہم لوگ حجامت سے اور غسل سے فارغ ہو گئے، حج کی وردی (احرام) جسم سے اتار دیا، اور سب نے

اپنا معمولی لباس پہن لیا۔

باب (۳۳)

منیٰ بعد حج

کلامِ مجید میں ایک مقام پر جہاں مناسکِ حج کا ذکر ہے، ایک حکم یہ بھی ہے کہ:۔

وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ (سورہ حج) لوگ خانہ کعبہ کا طواف کریں

حج کے اصلی رکن یعنی فرائض، احرام پوشی کے بعد صرف دو ہیں۔ وقوف عرفات اور طواف کعبہ مفسرین اور فقہاء کا اجماع ہے کہ جو طواف فرض ہے، وہ یہی طواف ہے جو وقوف عرفات کے بعد یوم عید (۱۰ ذی الحجہ) کو یا اس کے بعد کیا جائے اس سے قبل جو پہلا طواف کیا تھا وہ عمرہ کا طواف تھا۔ حج کا طواف نہ تھا درمیان میں اور جتنے طواف کئے تھے سب نفل طواف تھے۔ طواف فرض کا وقت اب آیا۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ منیٰ سے جا کر کیا جائے اور بہتر یہی ہے کہ اس سے فارغ ہو کر پھر منیٰ میں واپس آئے اور یہاں رمی جمرات (شیطان پر کنکریاں مارنے) کو تکمیل تک پہونچائے اس طواف کا مشہور نام طواف زیارت ہے۔ طواف رکن، طواف افاضہ طواف

یوم النحر بھی اسی کو کہتے ہیں، یہ طواف قربانی کر کے اور سر منڈانے کے بعد ہر وقت کیا جا سکتا ہے اس کا وقت ۱۰ر ذی الحجہ کی صبح سے شروع ہو کر ۱۲ر۱۱ر تک رہتا ہے۔ لیکن افضل یہ ہے کہ ۱۰ر ہی کو کرلے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۰ر ہی کو یہ طواف ادا فرمایا تھا، طواف کے طریقے اوپر تفصیل سے بیان ہو چکے ہیں بس انھیں طریقوں پر یہ طواف بھی ہوگا۔ اسی طرح باب السلام سے مسجد حرم میں داخلہ، اسی طرح نیت طواف، اسی طرح سات پھیرے، اسی طرح مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز، اسی طرح آب زمزم کے تبرک سے فیض یابی، اسی طرح صفا و مروہ کے درمیان سعی، غرض کوئی نئی بات اس طواف کے ساتھ مخصوص نہیں۔

حدیث اور فقہ کی کتابوں میں ایک بحث یہ آتی ہے کہ کسی شخص نے صبح کے وقت یہ طواف کیا، اور منیٰ بھی اسے واپس آنا ہے تو وہ نماز ظہر کہاں پڑھے؟ مسجد حرام میں یا منیٰ واپس آکر؟ حدیث میں روایات دونوں طرح کی ملتی ہیں اور لطف یہ کہ دونوں روایتیں صحیح مسلم کی ہیں، پہلی حدیث باب حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں حضرت جابر کے حوالہ سے ایک بڑی طویل روایت میں آتی ہے، اور اس میں صاف یہ فقرہ آتا ہے کہ۔

فَاَفَاضَ اِلَى الْبَيْتِ فَصَلّٰى بِمَكَّةَ الظُّهْرَ	حضور نے خانہ کعبہ کے طواف افاضہ کے بعد مکہ میں نماز ظہر ادا کی۔

اور دوسری حدیث باب استحباب طواف الافاضہ یوم النحر میں حضرت عبد اللہ بن عمر کے حوالہ سے یوں آتی ہے۔

عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفَاضَ يَوْمَ النَّحْرِ ثُمَّ رَجَعَ فَصَلَّى الظُّهْرَ بِمِنًى۔

نافع حضرت ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۰ ذی الحجہ کو طواف افاضہ کیا اس کے بعد واپس چلے آئے اور نماز ظہر منی میں ادا کی۔

صرف اتنا ہی نہیں، بلکہ حضرت نافع سے حضرت عبد اللہ بن عمر کا یہ تعامل بھی منقول ہے کہ

قَالَ نَافِعٌ فَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يُفِيضُ يَوْمَ النَّحْرِ ثُمَّ يَرْجِعُ فَيُصَلِّي الظُّهْرَ بِمِنًى وَيَذْكُرُ اَنَّ النَّبِيَّ فَعَلَهُ

آپ دسویں ہی کو طواف افاضہ کیا کرتے تھے اور نماز ظہر منیٰ میں واپس آکر پڑھا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہی عمل تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا۔

محدثین نے دونوں معارض روایتوں کے درمیان تطبیق یوں دی ہے کہ۔

وَوَجْهُ الْجَمْعِ بَيْنَهُمَا اَنَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَافَ لِلْاِفَاضَةِ قَبْلَ الزَّوَالِ ثُمَّ صَلَّى الظُّهْرَ بِمَكَّةَ فِي اَوَّلِ وَقْتِهَا ثُمَّ رَجَعَ اِلَى مِنًى فَصَلَّى بِهَا الظُّهْرَ

حضور نے طواف قبل زوال فرمایا، اس کے بعد نماز ظہر اول وقت میں مکہ میں پڑھ لی پھر جب منی واپس آئے تو صحابہ کے دریافت فرمانے پر حضور نے ان کے ہمراہ منیٰ میں

مَرَّةً اُخْرٰی بِاَصْحَابِہٖ حِیْنَ سَأَلُوْہُ ذَالِكَ فَیَکُوْنُ مُتَنَفِّلًا بِالظُّهْرِ الثَّانِیَةِ الَّتِیْ بِمِنًی۔

دوبارہ پھر نماز پڑھ لی، اور یہ دوسری نماز بہ طور نماز نفل کے ہو گئی۔

یہ عبارت علامہ نووی شارح مسلم کی تھی، اور اسی قول کو بہتوں نے اختیار کیا ہے۔

یہ فیصلہ محدثین کا تھا، ہمارے فقہا رحمہم اللہ میں صاحب فتح القدیر نے یہ بات خوب لکھ دی ہے کہ جب دو روایتیں ایک دوسری کے متضاد ملتی ہیں تو دونوں ساقط ہو جاتی ہیں، اور نماز ظہر تو بہر حال پڑھنا ضروری ہے پس بہتر ہے کہ اسے مکہ ہی میں پڑھا جائے کہ مسجد حرم کی نماز کی فضیلت بجائے خود ثابت و مسلم ہے، ۱۰ ر کو اتنی مہلت تو کیا ملتی دن نکلنے کے دو تین گھنٹے کے بعد تو پہونچے ہی تھے، قیام گاہ کی تلاش وہاں سے کنکریاں پھینکنے کے لیے مجمع کو چیرتے ہوئے اور خاصی مسافت طے کر کے جمرہ عقبہ تک جانا ہجوم کے اندر گھس پل کر کسی طرح رمی سے فارغ ہونا اور اسی طرح پھر مجمع کے اندر سے دھکے کھاتے ہوئے واپس آنا، کھانا کھانا قربانی کرنا، سر منڈانا غسل کرنا سارا دن اسی میں تمام ہو گیا، اور ۱۱ ر سے قبل طواف زیارت کے لیے مکہ جانے کی نوبت نہ آسکی۔ ابھی گزر چکا ہے کہ ۱۰ ر کا طواف افضل ہے لیکن دین فطرت میں ہر طرح کی آسانیاں اور سہولتیں بھی ہیں، دین سختیوں

اور دشواریوں کا نام نہیں۔ فقہاء رحمہم اللہ کے ہاں یہ تصریح بھی موجود ہے کہ ساتھ میں اگر عورتیں ہوں تو بلا تکلف بجائے ۱۰ر کے ۱۱ر ۱۲ر کو طواف کیا جاسکتا ہے اس لیے کہ ۱۰ر کو ہجوم بہت زیادہ ہوتا ہے، یہ رعایتیں اور رخصتیں ہم جیسے ضعفاء کے حق میں پروانۂ رحمت ثابت ہوتی ہیں۔

۱۱رذی الحجہ کو صبح سے سواری کی تلاش شروع ہوئی، یاد رہے کہ مکہ سے ۸رذی الحجہ پانچ دن کے لیے جو اونٹ کرایہ پر کیے گئے تھے ان کے کرایہ میں منیٰ سے مکہ تک کا یہ طواف زیارت والا سفر شامل نہ تھا ـــــ کم از کم ہمارے معلّم نے تو یہی دستور ہمیں بتایا ـــــ بہرحال خاصی تلاش و انتظار کے بعد چار اعرابیوں سے کرایہ طے ہوا۔ ہمارے قافلہ کے علاوہ ناظر یار جنگ کا قافلہ بھی ہمراہ ہوا، اس لیے اتنی سواریوں کی ضرورت پڑی، اعرابی کی بابت پہلے کسی مقام پر ذکر آچکا ہے کہ حیدر آبادی جھٹکے کی طرح ایک بکس نما سواری ہوتی ہے جس کے اندر بیٹھنے کے بعد آدمی بند ہو جاتا ہے۔ ان اعرابیوں کا تجربہ پیشتر بھی ہو چکا تھا۔ آج پھر ہوا، ہر اعرابی کے اندر چار چار یا پانچ پانچ سواریاں بیٹھتی ہیں۔ کسی میں گھوڑا اور کسی میں خچر جُتا ہوتا ہے۔ عرب کے گھوڑوں کی تعریف ہمیشہ سنتے آئے تھے لیکن وہ نسل شاید اب ناپید ہو گئی ہے جو کچھ دیکھا وہ اس سے بالکل مختلف تھا، جو کچھ کہ اب تک سنا تھا۔ ہر گھوڑا مریل، اور خالی مریل ہی نہیں اڑیل بھی! ہمارے ہاں کے اِکّوں کے

کے ٹٹو ان سے بدرجہا بہتر ہوتے ہیں اور اعرابیوں کی حالت گھوڑوں سے بھی بدتر! خدا معلوم مکہ کی حکومت بلدیہ ایسی سڑیل سواریوں کو "پاس" کرتے وقت اپنے احساس ذمہ داری کو کہاں رکھ آتی ہے، یہ سب تفصیل اس لیے حوالۂ قلم ہو رہی ہے کہ جو دینی بھائی اس سفرنامہ کو پڑھیں وہ ہر موقع کی راحتوں اور زحمتوں دونوں کا پیشتر سے خوب اچھی طرح اندازہ لگالیں اور ہر موقع کے لیے اسی مناسبت سے تیار رہیں جو زحمت خلاف توقع اور اچانک پیش آجاتی ہے وہ محسوس بھی بہت زائد ہوتی ہے۔ فی اعرابی کرایہ غالباً چار چار ریال سعودی (ایک ریال ہندوستان کے تقریباً ۸ ر کا ہوتا ہے) طے پایا۔ راستہ ابھی نصف طے ہوا تھا کہ بلا کسی ظاہری سبب کے اچانک ہماری اعرابی الٹ گئی، جانور الگ اور سواریاں ایک دوسرے کے اوپر اسی اعرابی کے قفس کے اندر بند! ہم لوگ تو خیر محفوظ رہے۔ البتہ منشی امیر احمد صاحب علوی کاکوروی (جن کا ذکر مدینہ منورہ کے ذیل میں آچکا ہے) کا پیر ایک ٹوٹے ہوئے تختے میں پھنس گیا، اور ان بیچارے کے اچھی خاصی چوٹ آئی، مرہم پٹی کا سامان بھلا کہاں دستیاب ہوتا۔ پیر پانی سے دھوکر بیچارے پھر سے سوار ہوئے اور شکر کے نہ سہی، صبر کے مراتب ازسر نو طے ہونے لگے۔

ہندوستان کی گھڑیوں کے حساب سے کوئی ساڑھے آٹھ کا وقت ہوگا کہ حرم شریف کے دروازوں پر پہونچ گئے، جنت المعلیٰ ۸ ر ذی الحجہ کو

منیٰ جاتے وقت بھی راستہ میں پڑا تھا، لیکن آج اسے ذرا زیادہ غور و اطمینان سے دیکھنے کا اتفاق ہوا، اور جتنا قریب سے دیکھا، اسی قدر حیرت میں بھی اضافہ ہوا ——— خیر یہ تذکرہ تو پھر کبھی ہوگا۔ درِ حرم پر پہونچے اور اندر داخل ہوتے ہی ساری کلفتیں، ساری زحمتیں، ساری تکلیفیں دور تھیں وہی بشاشت وہی مسرت، وہی تازگی اللہ اللہ! گھر والے نے گھر کی کیا شان رکھی ہے! تسکین و تسلی کے سارے نسخے۔ اطمینان و سکونِ خاطر کی ساری تدبیریں ایک طرف اور اس بے گھر والے کے گھر کی زیارت، اس بے مکان اور لامکان والے مکین کے مکان کا دیدار دوسری طرف! بزرگوں نے کہا ہے کہ دل کا سکون اور چین چاہتے ہو تو دل کا تعلق اللہ سے پیدا کرو۔ یہاں یہ عرض کرنا ہے کہ اللہ سے دل کا لگانا تو اللہ والوں کا کام ہے۔ اللہ تک اگر براقِ ہمت اور کمندِ حوصلہ کی رسائی نہیں ہوتی تو بیت اللہ تک کیوں نہ پہونچے؟ اور دل کے تصور کو چھوڑ کر آنکھوں سے دیدار کی دولت کے حصول میں کیوں قصور کیجئے؟ مکان والے کے جمال کا حال تو قدوسیوں اور ملکوتیوں سے پوچھیے، باقی خود مکان کے در و دیوار میں جو حسن و جمال ہے، جو کشش و رعنائی ہے جو زیبائی و محبوبی ہے، اس سے اگر کوئی خاکی و ناسوتی باوصف قدرت محروم رہے تو اس بیچارے کی محرومی پر جی چاہتا ہے کہ دل کھول کر آنسو بہائیے۔ لوگ کہتے ہیں اور سچ کہتے ہیں کہ حج کے سفر میں بڑی بڑی زحمتیں

پیش آتی ہیں۔ لیکن ادائے فریضہ حج کا احساس تو الگ رہا۔ عرفات کی حاضری، مزدلفہ کی شب باشی، منیٰ کی قربانی یہ ساری چیزیں الگ رہیں، محض کعبہ کا دیدار، سیاہ پتھر والے اور سیاہ غلاف والے بقعہ نور کا پرتو جمال بجائے خود وہ نعمت ہے کہ اس کی قیمت میں اگر صدہا سفر اور ہر سفر کی صدہا زحمتیں اور صعوبتیں پیش کرنی پڑیں تو رب کعبہ کی قسم ہے کہ سودا پھر بھی ارزاں ہے۔ یہ جو کچھ آج عرض کر رہا ہوں، اپنے جیسے کوربصروں اور ٹھیٹھ دنیاداروں کی زبان سے کہہ رہا ہوں، باقی عارفوں اور بصیرت والوں کے نزدیک تو ہر بار اگر سر بھی نذر کرنا پڑے، جب بھی یہ سودا گراں نہ ہو!

متاع وصل جاناں بس گراں ست

گر این سودا بہ جاں بودے چہ بودے!

"وصل جاناں" سے شاعر نے جو کچھ بھی مراد لی ہو، ہم کوتاہ بینوں کے لیے تو در جاناں تک رسائی اس گھر کی زیارت ہی سب سے بڑی دولت اور اپنی ہمتوں اور حوصلوں کا آخری منتہیٰ ہے!

طواف اس سے بیشتر متعدد ہو چکے تھے۔ مگر آج کے طواف کا کیا کہنا۔ صبح کا ٹھنڈا وقت مجمع نسبتاً بہت کم۔ عرفات و مزدلفہ سے واپسی کی برکتیں، ادائے فرض کا احساس، سب نے مل کر عجیب کیفیت پیدا کر رکھی

ہے۔ مکان کے ہر چکر کے ساتھ صاحب مکان پر فدا ہونے کو جی چاہ رہا ہے!

ملتزم پر دعا مانگنے کا موقع بھی آج ہی ملا، حجر اسود اور خانہ کعبہ کی چوکھٹ کے درمیان، دیوار کا جو حصہ ہے اور جوکہ ۔ ابالشت کا ہوگا اس کا نام ملتزم ہے اور جو مقامات اجابت دعا کے لیے مخصوص ہیں ان میں سے ایک مقام یہی ملتزم ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ قسم ارشاد فرمایا کہ "یہ وہ جگہ ہے جہاں میں نے جو دعا مانگی قبول ہوئی" جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں دعائیں مانگی ہیں اور بار بار مانگی ہیں، اور ہر مرتبہ اپنی مانگی مرادیں پائی ہیں تو کوئی اُمتی یہاں کیوں کمی کرے وہ بیچارہ تو ہمہ احتیاج اور ہمہ درماندگی ہے۔ مناسک کی کتابوں میں آتا ہے کہ ملتزم سے لپٹ کر (ملتزم کے لفظی معنی بھی یہی ہیں کہ "جس سے لپٹا گیا") اور غلاف کعبہ کو تھام کو خوب دعا مانگے۔ حضور قلب کے ساتھ مانگے اور ہو سکے تو آنسوؤں کا تحفہ نیاز و ناز والے کی خدمت میں پیش کرے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ جبرئیل ملتزم سے لپٹے ہوئے یہ دعا مانگتے رہتے ہیں۔

یَا وَاجِدُ یَا مَاجِدُ لَا تُزِلْ عَنِّیْ	اے قدرت والے اور اے عزت والے
نِعْمَۃً اَنْعَمْتَھَا عَلَیَّ	جو نعمت تو نے مجھے عطا فرمائی ہے مجھ سے زائل نہ فرما۔

ان الفاظ کی جامعیت اور ان کی برکت کا کیا پوچھنا، لیکن اکیلی اسی

دعا پر موقوف نہیں، اس وقت جو کچھ دل میں آئے سب کچھ کہہ سُنائے اور جو کچھ اپنے لیے یا جس کے لیے مانگنا ہو سب کچھ مانگ ڈالے، سوزِ دل ورقتِ قلب کے لیے زیادہ فکر و اہتمام نہ کیجیے، وقت اور موقع ایسا ہے کہ انشاءاللہ از خود پیدا ہو کر رہے گا۔

ان سطور کا محرر، نامہ سیاہ، کیا بتائے کہ اس نے کیا کیا مانگا؟ کوئی دو چار دس بیس گناہ ہوں تو متعین طور پر انھیں یاد کرکے، اور ان کا نام لے کر ان سے معافی چاہی جائے، لیکن جس کی زندگی کی ساری فردِ عمل سیاہیوں کا ایک مجموعہ اور تاریکیوں کا ایک تسلسل ہو وہ اپنے کس کس گناہ کو یاد کرے اور کس کس سے معافی چاہے؟ مگر خدا کی قدرت اس وقت اپنی ساری خطائیں اور معصیتیں ساری تباہ کاریاں اور عصیاں شعاریاں ایک ایک کرکے یاد آتی چلی جارہی ہیں! اور دعائیں جو زبان سے اور زبانِ قلب سے نکل رہی ہیں وہ تنہا اپنے لیے نہیں بلکہ اپنے والوں کے لیئے بھی، عزیزوں کے لیے دوستوں کے لیے بزرگوں کے لیے اور سب سے بڑھ کر امتِ اسلامیہ کے لیے ہیں۔ آج ہندوستان پر کیا موقوف ہے، سارے عالمِ اسلام میں مسلمانوں کا کیا حال ہے؟ ان کا زوال اور ادبار، ان کی پستی اور فلاکت، ان کی بدنظمی اور بےعملی، ان کا نفاق اور انتشار دور کردینا، اور ان کے قلوب کو ایمان سے، حسنِ عمل سے، نورِ ہدایت سے، باہمی نظم و اتحاد سے معمور کردینا سب

تیرے ہی ہاتھ میں ہے! ذلتوں کی انتہا ہو چکی، رسوائیاں اپنی حد کو پہونچ چکیں گلی گلی تیرے خلیل کی ذریت پر طنز ہیں، طعنے ہیں، مضحکہ ہے، گھر گھر تیرے حبیب کی امت کے ساتھ تمسخر و استہزاء ہے۔ پھبتیاں اور آوازے ہیں ہم اپنی شور بختیوں سے تو کعبہ کو مدت ہوئی بھلا چکے، اور مدت ہوئی کہ کَالَّذِیْنَ نَسُوا اللّٰہَ فَاَنْسٰھُمْ اَنْفُسَھُمْ کے مصداق بن چکے، اب کیا کعبہ نے بھی ہم کو بھلا دیا؟ اور رب کعبہ! اب تیری ذات سہو و نسیاں سے پرے ہے تو تو کبھی اور کسی کو نہیں بھول سکتا! کون کہے، اور بلا شائبہ گستاخی کس طرح کہے، کہ کیا تو نے بھی طواف کعبہ پر آس لگانے والوں کو، محمدؐ کا کلمہ پڑھنے والوں کو اپنی نگاہ لطف و چشم التفات سے بھلا دیا ہے؟

باب (۴۴)

منیٰ بعدِ حج

نمبر (۳)

حطیم کا ذکر پہلے آچکا ہے، خانہ کعبہ سے ملا ہوا وہ نیم مدوّر صحن جو مطاف کے اندر ہے اور جو حکماً خانہ کعبہ ہی کا ایک جزو ہے اس میں نماز پڑھنا گویا خانہ کعبہ کے اندر نماز پڑھنا ہے۔ طواف کرنے اور ملتزم سے لپٹ کر دعائیں مانگ چکنے کے بعد آج اطمینان سے حطیم کے اندر بھی حاضری کا موقع ملا جس کا جتنی دیر تک جی چاہا نمازیں پڑھیں اور دیوار کعبہ سے لگ لگ کر اور لپٹ لپٹ کر دعائیں مانگیں، کسی کسی نے دیوار و فرش کی خاک اٹھا کر بطور تبرک ساتھ لے لی۔ کہتے ہیں کہ مطاف میں اولیاء واقطاب وابدال ہمیشہ حاضر رہتے ہیں، رہتے ہوں گے ولی کو پہچاننے کے لیے خود نگاہ ولایت کی ضرورت ہے۔ عامیوں سے اس بارے میں کسی اظہار رائے کی توقع ہی بیکار ہے، البتہ نورانی چہروں پر انتہائی خشوع وخضوع کے، انتہائی تضرع وابتہال کے انتہائی عبدیت وانابت کے جو آثار نظر آئے، ان کے حروف ونقوش تو ہم جیسے بے بصر بھی پڑھ سکتے تھے۔ سبحان اللہ عجیب مقام ہے

رحمت و مغفرت کی صلائے عام کیسے کیسے فاسق و فاجر، کیسے کیسے جفا پرور جرم پیشہ، عصیاں شعار، اپنی تباہ کاریوں اور بدحالیوں کی بنا پر اپنی نجات سے مایوس، اولیائے کاملین کے پہلو میں کھڑے ہوئے اور جس نے

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ وَاَنِیْبُوْٓا اِلٰی رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ (زمر۔ ۶۶)	اے پیمبر، میرے بندوں سے کہہ دو کہ جنہوں نے اپنے اوپر زیادتیاں کی ہیں، تم اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، اللہ بالیقین تمام گناہوں کو معاف کردے گا، واقعی وہ بڑا ہی بخشنے والا اور بڑی رحمت کرنے والا ہے اور تم اپنے رب کی طرف جھکو، اور اس کی فرمانبرداری کرو۔

کا اشتہار عام دے رکھا ہے، اس مالک اور آقا کے در پر پڑے، اپنے نجات و مغفرت کی ٹوٹی ہوئی آس نئے سرے سے جوڑ رہے ہیں! عمر بھر کی سیاہ کاریاں یاد آرہی ہیں، ہر وہ شیطنت جو شیطان کو بھی شرمندہ کردینے کے لیے کافی ہے ایک ایک کرکے قبول کی جارہی ہے اور جس کی شان ستاری ابتک ہر عیب و رسوائی پر پردہ ڈالے رہی ہے۔ اس کے آگے ایک ایک معصیت کا اقبال کرکے آنسو بہا بہا کے ہاتھ پھیلا پھیلا کے، پیشانی رگڑ رگڑ کے نجات و غفران کا پروانہ حاصل کیا جارہا ہے!

دوپہر نہیں ہونے پائی تھی کہ منیٰ کے لیے واپس روانہ ہوئے، جن

جن اعرابیوں پر آئے تھے وہ اتنی دیر تک بھلا کیا انتظار کرتیں۔ کچھ نئی اعرابیاں کرنی پڑیں بعض رفقاء کو پھر بھی جگہ نہ ملی، تو گدھوں اور اونٹوں پر سوار ہوئے یہ اعرابیاں اور ان کے جانور اور ان کے ہنکانے والے پہلے سے بھی کچھ بڑھے چڑھے ہوئے نکلے۔ آدھا راستہ طے ہوا تھا کہ ایک اعرابی کے گھوڑے نے بالکل جواب دے دیا۔ اب بجائے اس کے کہ گھوڑا سواریوں کو کھینچتا، سواریاں اعرابی سے اتر اتر کر گھوڑے کو کھینچ رہی تھیں، یہ سماں بھی دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا، دوپہر کا وقت، مئی کی بے پناہ دھوپ، ریگستانی مٹی، سر سے پیر تک پسینے میں شرابور کچھ عورتیں اور بچے گاڑی پر سوار اور ساتھ کے مرد گاڑی کو ٹھیل ٹھیل کر اور دھکے دے دے کر آگے بڑھا رہے ہیں۔ اس وقت نہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہاں کوئی میونسپلٹی ہے، جو ایسی اعرابی چلانے والے کا چالان کرے، اور نہ یہ یقین ہوتا تھا کہ یہاں کوئی حکومت ہے جو ایسے موقع پر بیکس پردیسیوں کو کسی طرح کی مدد دے! البتہ اس وقت تیز ہوا کا چلنے رہنا رحمت ہو گیا، پسینے سے نہائے ہوئے جسم میں گرم ہوا لگتی تھی تو ناگوار ہو کر نہیں، بلکہ ٹھنڈی ہو کر خوشگوار معلوم ہوتی تھی اور ظاہری صعوبت ایک سامان تفریح بنی ہوئی تھی ——— کریم کو کریمی کے بھی کتنے ڈھب آتے ہیں! چلچلاتی دوپہر میں مکہ سے منیٰ تک پا پیادہ چند قدم بھی چلنا، ہم جیسے تن پروروں کے لیے اپنی خوشی اور مرضی سے بھلا کب ممکن تھا، اور یہ سعادت ہم جیسوں کے نصیب میں بھلا کب آسکتی تھی؟ اس کے لیے کیا ڈھنگ نکالا گیا، اور کس ترکیب

و حکمت سے پیدل چلا کر، اس کے اجر کا امیدوار و حقدار بنا دیا گیا! شوقین لڑکے اپنے شوق سے علم حاصل کرتے ہیں، لیکن جو مٹھائی کی چاٹ سے پڑھتے ہیں، بہرحال پڑھنے والوں میں شمار تو ان کا بھی ہو ہی جاتا ہے!

منیٰ پہونچنے کے بعد بجز رمی کے اور کوئی خاص کام نہ تھا ۱۰ ر کی رمی کا ذکر گزر چکا ہے۔ ۱۰ ر کو صرف ایک جمرہ کی رمی تھی۔ ۱۱ ر ۱۲ ر کو تینوں جمروں کی ہے ۱۱ ر ۱۲ ر کی رمی کا وقت بعد زوال ہے دونوں دن ترتیب یہ رہے گی کہ پہلے جمرہ اولی کی رمی کرے جو مسجد خیف کے قریب ہے۔ اس کے بعد جمرہ وسطیٰ (منجھلے شیطان کی) اور آخر میں جمرہ عقبہ کی، تینوں جمروں پر سات سات کنکریاں پھینکی جائیں گی، ان دونوں تاریخوں میں رمی، قبل زوال، فقہ حنفی میں درست ہے۔ اور اتنی دیر کی کہ آفتاب غروب ہو گیا، تو یہ وقت مکروہ ہو جاتا ہے۔ پہلے دونوں جمروں کی رمی کے بعد مسنون یہ ہے کہ قبلہ رو کھڑے ہو کر کچھ دیر تک تسبیح و تہلیل، مناجات و استغفار میں مشغول رہے اور ہاتھ اٹھا کر دعائیں مانگتا رہے۔ البتہ جس رمی کے بعد پھر کوئی رمی نہیں یعنی آخری جمرہ (جمرہ عقبہ) کی رمی اس کے بعد وقوف مسنون نہیں، فوراً پلٹ آنا چاہیئے، جمرات کے پاس رمی کے بعد دعا مانگنا، مقامات مقبولیت میں سے ہے ۱۰ ر ۱۱ ر ۱۲ ر کی ان تاریخوں میں رمی واجب ہے۔ ۱۳ ر کی رمی مستحب کے درجے میں ہے۔ ۱۲ ر کی شام کو یا شب میں کسی وقت اگر مکہ واپس ہو گیا تو

بالکل جائز ہے لیکن اگر ۱۳ر کی صبح تک منیٰ میں قیام ہوگیا تو پھر بغیر ۱۳ر کو بھی رمی کئے ہوئے مکہ واپس ہونا درست نہیں ہے۔

منیٰ میں یہ دن ڈیڑھ دن یعنی ۱۱ر کی دوپہر سے لے کر ۱۲ر کے غروب آفتاب تک بحمد اللہ لطف سے گزرا۔ ہر سال، سنا تھا کہ منیٰ میں سخت غلاظت وگندگی رہتی ہے۔ وبائیں پھیلتی ہیں، پانی کا قحط ہوجاتا ہے۔ لوگ ہزارہا کی تعداد میں ہیضہ اور لُو سے مرجاتے ہیں لیکن ابکی تو خدا کے فضل سے ان میں سے کوئی بھی شئے پیش نہیں آئی۔ نہ کوئی وبا پھیلی نہ پانی کا توڑا پڑا نہ لُو سے کچھ زائد موتیں ہوئیں۔ اور نہ اتنے بڑے مجمع کے لحاظ سے عفونت وغلاظت بھی زائد کہی جاسکتی تھی، تین دن ماشاء اللہ منیٰ کا بازار خوب گرم رہتا ہے۔ ہر وقت ہر طرف خوب چہل پہل رہتی ہے۔ ہزاروں لاکھوں کی خریداریاں ہوتی ہیں اور ضرورت بلکہ شوق کی بھی شاید ہی کوئی چیز ایسی ہو جو ان دنوں میں یہاں نہ مل جاتی ہو۔ اور پھر بہ افراط نہ ملتی ہو، میوے تر و تازہ پھل سبز و شاداب ترکاریاں جتنی چاہیئے لے لیجیے، اور بجائے گوشت اور خشک چیزوں کے انھیں کا استعمال یہاں کے موسم وحالات کے مناسب بھی ہے ۱۰ر کو تو خیر مشغولیت رہی تھی، ۱۱ر کی دوپہر کے بعد سے کوئی خاص کام نہ تھا، بس اِدھر اُدھر پھرنا، دوست احباب سے ملنا جلنا بعض شوقین مزاجوں کو دعوت کی سوجھتی ہے، خوب خوب مزے کی دعوتیں ہوتی ہیں۔

عرفات اور مزدلفہ کے بچھڑے ہوئے یہیں آکر ملتے ہیں۔ مولانا مناظر احسن صاحب اور ایک شخص جو ہمارے قافلہ سے بچھڑ گئے تھے یہیں آکر ملے، حیدر آباد کا قافلہ جہاں ٹھہرا ہوا ہے وہاں سالار قافلہ مولوی فیض الدین صاحب وکیل کے حسن انتظام اور وسعت اخلاق نے مہمان نوازیوں کا سلسلہ خوب وسیع کر رکھا ہے۔ مولوی ابوالخیر خیر اللہ صاحب وکیل ورنگل[1] اور پربھنی (دکن) کے ایک اور وکیل صاحب (غالباً مولوی خیر الدین نام ہے[2]) اور مولانا محمد علی و مولانا شوکت علی کے بھانجے اور مولانا شوکت علی کے داماد عثمان علی خاں (ایک زمانہ میں ہمدرد کے منیجر رہ چکے ہیں) ماشاء اللہ خوب چاق اور بشاش نظر آرہے ہیں، بار بار ملاقاتیں ہوئیں۔

رمی کے احکام و شرائط کی تعمیل تینوں تاریخوں میں، معلم صاحب کی ہدایت و رہنمائی میں الٹی سیدھی، بری بھلی جیسی کچھ بھی بن پڑی ہو گئی، خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ ظاہری آداب و شرائط میں کتنی کوتاہیاں رہ گئیں ضابطہ پری کسی طرح ہو ہوا گئی۔ لیکن باطن کے اندر جو خناس سمایا ہوا ہے اور جو گوشت کے ایک ایک ریشے میں، اور خون کے ایک ایک قطرہ میں رچا ہوا ہے۔ اس پر

---

[1] اب مرحوم و مغفور ہو چکے ہیں۔

[2] ماشاء اللہ حیات ہیں۔ ابھی پچھلے ہی ہفتہ خط آیا تھا (جولائی ۱۹۴۹ء)

بھی کوئی کنکری پڑی ؟ اس پر بھی کوئی ضرب لگی ؟ اس کی انانیت بھی گھائل ہوئی ؟ پتھر کے بنے ہوئے ستونوں پر مار پڑتے سب نے دیکھا، پردل کے پردوں کے اندر جو شیطان نفس چھپا ہوا ہے، وہ بھی کچھ مجروح ہوا ؟ خلیل ابن خلیل کو بہکانے کی، جس مردود نے کوشش کی تھی، وہ تو مومنوں کے ہاتھوں لاکھوں کروڑوں بار مار کھا چکا ہے۔ لیکن خلیل کے نام لیوا، اور خلیل کے رب جلیل کے پرستار جس موذی کے دام بلا میں ہر لمحہ اور ہر آن گرفتار رہتے ہیں، اسے بھی ذلت و خواری نصیب ہوئی ؟ اس ظالم کا جسم بھی ان کنکریوں سے چھلنی ہوا؟ سوالات سب کر سکتے ہیں جواب کون دے ؟ اور کوئی کیوں دینے لگا ؟ جب کسی کی شان ستاری سب کے عیبوں کو ڈھانپے ہوئے جب ہر زاغ کو طاؤس کے پردں میں ملبوس کیے ہوئے، جب ہر ویرانہ کو گلستان اور ہر داغ کو چراغ بنائے ہوئے ہے تو کسی کو کیا پڑی ہے کہ ہانکے پکارے گلوں شکووں کا دفتر کھول کر بیٹھے اور ایک ایک کے آگے اپنی محرومیوں اور برگشتہ بختیوں کا رونا روتا پھرے ؟

---

۱۲ کی دوپہر سے واپسی کا کوچ شروع ہو گیا، اور جلد بازوں نے پوری طرح زوال کا بھی انتظار نہ کیا۔ آج کی چپقلش ہر روز اور ہر موقع سے بڑھی ہوئی ہے۔ آج کی کشمکش کا منظر محض دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے کسی کے قلم کے بس کی بات نہیں کہ اس ہجوم اور کشاکش ہجوم کا پورا نقشہ کاغذ پر پیش کر سکے۔

"یک انار وصد بیمار" بارہا سنا تھا۔ "ایک سڑک وصد ہزار سوار" کا منظر آج آنکھوں سے دیکھا! بیچارے سو بیمار ایک انار پر کیا اس طرح ٹوٹ کر گریں گے کیا اس طرح چھین جھپٹ کریں گے، کیا اس طرح ایک دوسرے سے گتھ سکیں گے جس طرح تنو کے تنو گتھے، ایک دوسرے سے ریل پیل دھکم دھکا اور زور آزمائیوں میں مصروف تھے، معاذ اللہ۔ معاذ اللہ! ان میں بیمار و لاغر بھی تھے اور ہٹے کٹے توانا تندرست بھی بوڑھے بھی اور بچے بھی، شہ زور مرد بھی اور کمزور عورتیں بھی۔ متین وحلیم بھی اور جاہل و اُجڈ بھی، بات کو طرح دے جانے والے بھی اور بلا بات کے الجھ پڑنے والے بھی، پیدل بھی سوار بھی، اونٹ اور سانڈنیاں بھی اور گھوڑے گدھے بھی، آنے والے بھی اور جانے والے بھی، ایک سڑک اور ایک رہ گزر! زبانیں بھی چل رہی ہیں، اور کہنیاں بھی اور ہاتھ بھی! جو نہیں چل پاتیں وہ صرف ٹانگیں ہیں، اور جو نہیں اُٹھ پاتے وہ صرف قدم ہیں، اونٹ سے اونٹ بھڑ رہے ہیں، شغدف سے شغدف لڑ رہے ہیں، سر سے سر ٹکرا رہے ہیں، وحشت زدہ اونٹوں کی بھیانک بلبلاہٹ اور اس سے کہیں زیادہ بھیانک ان کی وحشت زدہ سواریوں کی چیخ و پکار! محض خدا کی قدرت ہے کہ سیکڑوں حادثے اس وقت واقع نہیں ہو جاتے، مکہ سے منیٰ آتے وقت اور مزدلفہ سے منیٰ واپس ہوتے وقت، اور دوسرے موقعوں پر بھی سخت ہجوم اور اژدہام کا سامنا ہوتا ہے۔ لیکن آج کا ہجوم و اژدہام ان سب سے کہیں بڑھا ہوا

ہے، اس بے قاعدہ مجمع کو قاعدہ سے لگانا اس ہڑبونگ میں نظم وانتظام پیدا کرنا، حاجیوں اور پردیسیوں کے اس انبوہ کو راحت پہونچانا سعودی شریعت میں شاید کوئی بدعت عظیم ہے!

مناسک حج کی کتابوں میں ایک مفصل باب جنایات کے متعلق بھی ہوتا ہے اعمال حج کے سلسلہ میں جو فرد گذاشتیں ہو جاتی ہیں، یا حاجی جن ممنوعات کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے۔ ان کو اصطلاح فقہ میں جنایت کہتے ہیں یہ غلطیاں یا تو کسی عذر شرعی کی بنا پر صادر ہو سکتی ہیں اور یا بلا عذر پہلی قسم کی غلطیوں کے عوض کفارہ دینا ہوتا ہے، اور دوسری قسم کے معاوضہ میں جزا مقرر ہے۔ یہ کفارہ اور جزا دونوں فقہی اصطلاحیں ہیں، جزا کی دو صورتیں ہیں، ہلکی لغزشوں کے معاوضہ میں ہلکا سا صدقہ اور بڑی خطاؤں کی یاداشت میں جانوروں کی قربانی کفارہ کی صورت میں اختیار ہے کہ خواہ صدقہ دے۔ خواہ قربانی کرے، اور خواہ روزہ رکھ لے ممنوعات کی دو قسمیں ممنوعات احرام، و ممنوعات اعمال حج۔ اور پھر ہر ایک کے تحت میں بہت سی صورتیں ہیں۔ ہر جنایت کی جزا و کفارہ الگ الگ ہے جس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں درج ہے۔ موٹی موٹی باتیں معلم زبانی بتا دیتے ہیں ہر حاجی کو ان سے واقف ہونا ضروری ہے۔ اس لیے کہ لاکھ احتیاط کی جائے کچھ نہ کچھ بے احتیاطیاں اور فرد گذاشتیں ہو ہی جاتی ہیں

صدقے عموماً ہلکے رکھے گئے ہیں جو ہر حاجی بہ آسانی دے سکے۔ قربانیاں بھی عموماً کچھ زیادہ سخت نہیں رکھی گئی ہیں، ان جزاؤں اور کفاروں کے ادا کرنے کا بہترین وقت یہی منیٰ کا زمانہ قیام ہوتا ہے۔ اردو میں جنایات اور ان کے کفاروں اور جزاؤں کی تفصیل پوری شرح وبسط کے ساتھ مولوی منور الدین صاحب دہلوی کی کتاب الحج والزیارۃ (فتاویٰ عثمانی جلد ۶) میں ملے گی، وہ کافی ہی نہیں کافی سے زائد ہے۔

عصر کا وقت آیا ہی تھا کہ ہم لوگوں کے خیمے بھی اکھڑنے اور سامان بندھنے لگے، ادھر عصر کا وقت آخر ہو کر آفتاب غروب ہونے کو تھا کہ ہم لوگ جمرہ عقبہ پر آخری رمی سے فراغت کر کے اپنے اپنے اونٹوں پر سوار ہونے کے لیے لپکے، اونٹ پر سوار ہونا آج بجائے خود ایک مستقل مرحلہ ہے، نہ پوچھیے کہ ہم لوگ کس طرح سوار ہوئے اور ہمارے قافلہ کے ضعیفوں اور عورتوں پر کیا گزر گئی، بہرحال محض تقدیر تھی کہ زندہ وسلامت سوار ہو گئے، راستہ میں مکہ کی آبادی شروع ہونے سے ذرا پہلے جنت المعلیٰ کے قریب ایک مقام آتا ہے جسے وادی محصب کہتے ہیں، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے موقعہ پر مکہ واپس آتے ہوئے یہاں حسب روایت صحیح بخاری، قیام فرمایا تھا، اور ظہر وعصر ومغرب وعشا کی نمازیں یہیں ادا فرما کر کسی قدر استراحت فرمائی تھی، اور اس کے بعد مکہ میں داخل ہوئے

تھے۔ فقہائے حنفیہ نے یہاں اترنا اور تھوڑی دیر قیام کرکے دعا کرنا سنت قرار دیا ہے، اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں قصداً نزول فرمایا تھا، البتہ بعض دوسرے ائمہ حدیث کے نزدیک یہ سنت نہیں، اس لیے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت ابن عباسؓ کے اقوال میں بہ تصریح موجود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فعل بغرض عبادت نہ تھا، بلکہ آپؐ نے محض آرام لینے کی غرض سے قیام فرمایا تھا، تاہم سنت رسول کے بعض محقق صحابہ (مثلاً عبداللہ بن عمر) اس پر برابر عمل فرماتے رہے۔

عَنْ نَافِعٍ قَالَ كَانَ اِبْنَ عُمَرَ يُنِيخُ بِالْبُطْحَاءِ الَّتِي بِذِي الْحُلَيْفَةِ الَّتِي كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُنِيخُ بِهَا وَيُصَلِّيْ بِهَا۔	نافع کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر اپنا اونٹ ذوالحلیفہ (یعنی وادی محصب) میں بٹھاتے تھے نماز پڑھتے تھے اور فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں اونٹ بٹھایا ہے اور نماز پڑھی ہے۔

اور نووی نے شرح مسلم میں لکھا ہے کہ حضرت صدیقؓ اور حضرت فاروقؓ کا عمل بھی اسی پر تھا۔ اور حنفیہ کی کتابوں میں تو صاف یہ لکھا ہوا ہے۔

اذا انفر الحاج الى مكة نزل استناناً ولو بساعة بالمحصب (درمختار)	جب حاجی مکہ کو آنے لگے تو مسنون یہ ہے کہ محصب میں اترے خواہ ایک ہی ساعت کے لیے ہو۔

لیکن اب اس پر عمل کس کا؟ ہر شخص کو بھاگا بھاگ مکہ پہونچنے کی عجلت اور حاجی غریب اگر ٹھہرنا چاہیں بھی تو معلمؔ حضرات کب انھیں ٹھہرنے دیتے اور سنت نبوی پر عمل اور تعامل صحابہ کے اقتداء کا موقع کب نصیب ہونے دیتے ہیں!

باب (۳۵)

مکہؔ

مکہؔ کی آبادی شروع ہونے کے ساتھ ہجوم میں بھی اور اضافہ شروع ہوا یہاں تک کہ چلتے ہوئے اونٹوں کی رفتار رک گئی۔ اب قطار کی قطار رکی ہوئی کھڑی ہے اور ہر شخص طوعاً نہ سہی کرہاً رضا بہ قضا کی تصویر بنا ہوا! اور یہ ساری "خوش انتظامی" عین بیت الحکومت کے سامنے اور ارد گرد، یعنی ولیعہد حجاز اور گورنر مکہؔ کے محل کے سایۂ دیوار کے نیچے! گویا سعودی حکومت نے اپنے نفس پر لازم کر رکھا ہے کہ راستہ کے انتظامات اور مسافروں کی راحت رسانی میں اپنی انگلی تک نہ ہلائے گی۔ خیال یہ تھا کہ رباط حیدر آباد میں جگہ کی قلت ہے اس لیے ابکی اپنے ذاتی قافلہ کو ہمراہ لے کر مدرسہ صولتیہ چلا جاؤں گا، اور روانگی کے وقت تک وہیں

قیام کروں گا لیکن مدرسہ تک پہونچنے کے لیے دو ایک فرلانگ اور چلنے کی ضرورت تھی، اتنی ہمت کسے تھی؛ معلم صاحب ہمراہ تھے، بولے کہ اس چپقلش میں اتنی دور چلنا سخت مصیبت ہے۔ بہر حال مولوی سلیم صاحب کی مہمان نوازیوں سے محروم رہنا مقدر ہو چکا تھا، مجبوراً محلہ مسفلہ ہی کو آئے اور ۱۲ ذی الحجہ کو رات کوئی دو ڈھائی گھنٹہ جا چکی ہوگی کہ اسی رباط حیدرآباد میں جہاں سے ۸ ذی الحجہ کو روانہ ہوئے تھے پانچ دن کے سفر کے بعد بحمد اللہ حج سے فراغت کر کے پھر آکر مقیم ہو گئے۔

مراسم حج سب ادا ہو چکے تھے، اب صرف ایک طواف الوداع، جو رخصت ہوتے وقت کیا جاتا ہے، کرنا تھا، اور جن لوگوں نے طواف فرض کے ساتھ سعی نہیں کی تھی انھیں ایک سعی کرنی باقی تھی، بس ان دو چیزوں کے سوا اور کوئی شے اب اعمال حج کے سلسلہ میں باقی نہ تھی، ہاں نفل طواف اور مسجد الحرام میں نمازیں پڑھنے کے موقع تو ظاہر ہے کہ ہر وقت باقی تھے کتابوں میں پڑھا تھا، اور لوگوں سے زبانی بھی یہی سنا تھا کہ مکہ میں متعدد مقامات و مکانات قابل زیارت ہیں، مولد النبی، مولد علی، دار خدیجہ جبل ثور، غار حرا، مسجد الجن وغیرہ —— حقیقۃً زیارت گاہ بننے کے قابل تو اس پاک سرزمین کا چپہ چپہ اور ذرہ ذرہ ہے —— لیکن ——

یہ قصہ ہے جب کا کہ آتش جوان تھا!

اب زیارتوں کے موقع کہاں حاصل، دورِ سعودی میں یہ سب افسانۂ پارینہ ہے، کہیں سنتریوں کے پہرے ہیں، اور کہیں ایک ایک اینٹ کھود کر ویرانہ بنا دیا گیا ہے، بہرحال اب ان مقامات کی زیارت کا تو خیال بھی نہیں البتہ جنت المعلیٰ میں جس وقت اور جس صورت سے بھی ممکن ہو گا حاضری دینا ضرور ہے۔

جنت المعلیٰ کا نام آپ کے کان میں ضرور پڑ چکا ہوگا، مکہ معظمہ کے قبرستان کا نام ہے، مسجد حرام سے کوئی ایک میل کے فاصلہ پر منیٰ کے راستہ میں وادی محصب سے کچھ ادھر ایک بڑا وسیع میدان ایک طرف پہاڑ باقی ہر طرف سے کھلا ہوا، ایک حصہ چہار دیواری سے گھرا ہوا، لیکن اب تو چہار دیواری بھی ہر طرف سے شکستہ اور جابجا سے مسجود درمیان میں ایک سڑک نکلی ہوئی، اس لیے اور بھی بے قید، اس کے انوار و برکات کا کیا بیان ہو! کوئی ایک دو بزرگ یہاں مدفون ہوں تو ان کے نام لیے جائیں جہاں بے حساب آفتاب اور بے تعداد ماہتاب پیوندِ خاک ہوں، وہاں کس کس کے نام گنائے جائیں، اور کن کن کے فضائل و مناقب کا پیمانہ ہاتھ میں لے کر ناپا جائے! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد کرام، ایک روایت کے بموجب خیر البشر کی والدہ ماجدہ ام المومنین خدیجۃ الکبریٰؓ، سیدنا قاسم بن نبی صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن ابی بکرؓ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ

امام ابوالقاسم قشیریؒ، خواجہ عثمان ہارونیؒ (مرشد خواجہ اجمیری) امام نسفیؒ (صاحبؒ "کنز") اور فخر المتاخرین مرشد دوران حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی۔ اندازہ کے لیے ہر قرن اور ہر دور کے یہ چند نام کافی ہیں "جنت" عربی محاورہ میں قبرستان کو بھی کہتے ہیں، لیکن اگر اس بقعہ نور "جنت" کے وہی معنی لیے جائیں جو عربی اور اردو میں اس کے عام اور مشہور معنی ہیں تو کس کو انکار ہو سکتا ہے؟ ان مقدس ہستیوں کی فیض باریوں اور نور پاشیوں پر اس سفر نامہ کے راقم کا ایک ذاتی تعلق اس جنت خاکی کے ساتھ مزید برآں والد ماجد مرحوم و مغفور مولوی عبد القادر پنشنر ڈپٹی کلکٹر اضلاع اودھ نے مع والدہ ماجدہ مدظلہا[1] و دیگر اعزہ کے سنہ ۱۹۱۲ء مطابق سنہ ۱۳۳۰ھ میں سفر حجاز اختیار کیا اور بیت اللہ کا جوار پسند آیا کہ حج سے فارغ ہونے کے معًا بعد ۱۱ر ذی الحجہ کو شب میں منیٰ میں ہیضہ میں مبتلا ہوئے اور قبل اس کے کہ دوبارہ دنیا کی آلودگیوں میں مبتلا ہوں ۱۴ر ذی الحجہ کو صبح صادق کے وقت مکہ معظمہ میں سفر آخرت پر روانہ ہو گئے اور اسی قبرستان میں مدفون ہوئے۔

کوئی ہندوستانی حکومت برطانیہ کا کتنا ہی وفادار ہوا خواہ ہو، ذرا اسے

---

[1] "مدظلہا" اس وقت تھیں، اب مرحومہ و مغفورہ۔

ریل کے اونچے درجوں میں دو چار بار سفر کر لینے دیجئے، ہم سفر انگریزوں کا برتاؤ دیکھ لینے کے بعد ممکن نہیں کہ اس کے جذبات وفاداری و ہوا خواہی بدستور قائم رہ جائیں اور بجائے ان کے اس کے قلب میں بغاوت و عداوت کے جذبات حرکت میں نہ آنے لگیں[1]۔ ٹھیک ایسا ہی حال سلطان ابن سعود کے معاملہ میں جنت المعلیٰ اور جنت البقیع کا ہے۔ عہد سعودی کے امن و امان کی ساری برکتیں ایک طرف اور جنت البقیع ہی کی طرح جنت المعلیٰ کی ویرانی و پامالی دوسری طرف! ممکن نہیں کوئی غیرت مند صاحب احساس مسلمان اس وقت جنت المعلیٰ کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھے اور دیکھ کر اپنے اوپر قدرت رکھ سکے، خیال یہ تھا کہ مولانا شفیع الدین صاحب مدظلہ العالی کی معیت میں جنت المعلیٰ کی زیارت کے لیے جائیں گے (ممدوح بلا ناغہ بعد نماز فجر، منہ اندھیرے جنت المعلیٰ اپنے مرشد حضرت حاجی صاحب کے مزار پر حاضر ہوتے رہتے ہیں) لیکن ممدوح ۱۳ کی صبح تک منیٰ سے واپس تشریف نہیں لائے تھے اس لیے مجبوراً ہم لوگ تنہا بغیر کسی رہبر و رہنما کے روانہ ہوئے قبرستان پہونچتے ہی نہ پوچھیے کہ آنکھوں کو کیا کیا دیکھنا پڑا، اب تک تو یہ سمجھے ہوئے تھے کہ جنت البقیع سے زیادہ ابتر حالت اور کہاں کی ہو سکتی ہے، لیکن آہ کہ جنت المعلیٰ میں جو کچھ دیکھا وہ کچھ اس سے بھی فزوں تر تھا

---

[1] خیال رہے کہ یہ ساری عبارت سنہ ۲۶ء کی لکھی ہے (ہندوستان کے دور "آزادی" سے بہت قبل کی)

آہ کہ جو سرزمین اس قابل ہے کہ اولیاء صالحین و اتقیاء کاملین بھی اگر وہاں قدم رکھیں تو لوازم ادب اور آداب احترام کے ساتھ، وہاں آج بے ادبیوں اور بے حرمتیوں کا کوئی دقیقہ اُٹھ نہیں رہنے پاتا! انسان تو انسان جانور تک یہاں بے حرمتی کے لیے آزاد ہیں! اونٹوں کی قطار کی قطار حدود قبرستان کے اندر اپنی منزل بنائے ہوئے کئی دن قبل منیٰ جاتے وقت دکھائی دی تھی، آج دیکھا کہ جابجا اونٹوں کی مینگنیاں اور پیشاب پڑا ہوا! ہر طرف غلاظتوں کے انبار سے لگے ہوئے، کیسے کتبے، اور کہاں کے مزارات، یہ پتہ ہی نہیں چل سکتا تھا کہ کون صاحب کہاں مدفون ہیں! والد مرحوم کے متعلق سنا تھا کہ سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کے پائیں میں مدفون ہیں۔ اس پتہ پر ان کی تربت کو تلاش کرنے کا ارادہ تھا، یہاں سرے سے حضرت عبدالرحمٰن ہی کی تربت کا پتہ نشان نہیں! کسی دوسری تربت کا پتہ ان کے پتہ سے کیا چلایا جائے، بہرحال چارہ کیا تھا، اندازہ سے اور اپنے ہی جیسے ناواقف عوام کی رہنمائیوں میں مختلف مقامات پر کھڑے ہو کر فاتحہ پڑھ لیا گیا، اور بس — فاتحہ تنہا ان اہل قبور ہی پر نہ تھا، سعودی حکومت کی عقل سلیم اور تمیز داری پر بھی فاتحہ پڑھ لیا گیا!

۱۴ر ذی الحجہ ڈاکٹر عبدالرحمٰن (بہاری) کا ذکر مدینہ منورہ کے سلسلہ میں آچکا ہے یہاں بھی وہ اسی رباط کی ایک دوسری منزل میں مقیم ہیں، یہ تو معلوم

تھا کہ شیخ سنوسی اعظم عرصہ سے مکہ معظمہ ہی میں مقیم ہیں مگر یہ نہ معلوم تھا کہ کہاں مقیم ہیں اور نہ ان کی خدمت میں حاضر ہونے کا کوئی خیال تھا۔ آج صبح ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ شیخ موصوف کی طبیعت کچھ عرصہ سے ناساز ہے اور ڈاکٹر صاحب ہی کا علاج ہو رہا ہے۔ یہ سن کر طبیعت میں قدرۃً اشتیاق پیدا ہوا اور تھوڑی دیر کے بعد جب ڈاکٹر صاحب وہاں چلنے لگے تو ہم لوگوں کو بھی ہمراہ لے لیا، حرم سے کچھ دور ایک بہت بلند ٹیلہ جبلِ ہندی کے نام سے ہے۔ راستہ باب الصفا سے ہو کر گیا ہے، شیخ وہیں مقیم ہیں، صبح آٹھ ساڑھے آٹھ کا وقت ہوگا جب ہم لوگ روانہ ہوئے اور جس طرح پہاڑوں پر چڑھتے ہیں بلندیاں اور بلندیوں کے بعد پھر بلندیاں طے کرتے کرتے شیخ کی منزل گاہ تک پہنچے یہ تو ایک اچھا خاصا قلعہ ہے؟ بڑی وسیع لق ودق عمارت، بلکہ ایک مجموعۂ عمارات! اخبارات میں شیخ کا نام آج سے نہیں کم از کم ۱۵، ۲۰ سال سے سنتے چلے آرہے ہیں۔ طرابلس میں اطالیوں کے خلاف جہاد، اور اس کے بعد سے خدا معلوم کتنی بار جہاد وغیرہ ہی کے سلسلہ میں شیخ کا نام سننے میں آچکا تھا، دل خوش ہو رہا تھا، بلکہ خوشی سے اچھل رہا تھا کہ آج اپنے زمانہ کے مجاہد اعظم کا دیدار نصیب ہوگا، شیخ کوئی تارک الدنیا زاہد گوشہ نشین نہیں، ماشاء اللہ مع پورے خدم و حشم کے یہاں مقیم ہیں۔ رئیسانہ بلکہ شاہانہ ساز و سامان، اپنی ضرورت کی ہر شے الگ موجود، یہاں تک کہ مسجد بھی موجود۔ مختلف درجوں اور منزلوں میں متعدد خدام اور دربان ملتے رہے

سب سے سلام علیک ہوتی رہی اور کسی میں نجدی سپاہیوں کی سی درشتی اور خشونت نہ ملی، یہاں تک کہ سب سے اوپر کی منزل میں پہونچے، اور ایک کمرہ میں تھوڑی دیر انتظار کرنے کے بعد شیخ کے سامنے طلبی ہوئی۔

کمرہ سامان آرائش و نمائش سے خالی، سادگی کی ایک تصویر بنا ہوا، وسط میں تکیہ لگائے ہوئے، چہرہ سفید بال سفید، کپڑے سفید اور ان ساری سفیدیوں سے کہیں بڑھ چڑھ کر شیخ کی نورانیت! باطن کے نور اور قلب کی نورانیت کی خبر تو خدا کو لیکن چہرہ کی نورانیت کا یہ عالم کہ نظر سے نظر ملانی مشکل! طریق ولایت پر راہِ سلوک طے کرنے والے اچھے اچھے بزرگ نظر سے گزر چکے تھے، اس وقت اس شیر مرد کا سامنا تھا جو راہ سلوک طریق نبوت پر طے کر رہا ہے، تسبیح و سجادہ، حلقہ و خرقہ والے بہت سے بزرگوں کی زیارت کی سعادت نصیب میں آچکی تھی، آج اس بزرگ کی حضوری حاصل ہو رہی تھی، جو صحابہ کرام خصوصاً خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے نمونہ پر، صاحب دل بھی ہے اور صاحب سیف بھی! خانقاہ کے اندر بیٹھ کر ذکر شغل کرنے والا بھی اور میدان میں نکل کر اعدا اللہ سے غزا و قتال کرنے والا بھی! صوفیہ نے جہاد کی دو قسمیں قرار دے رکھی ہیں، جہاد اصغر، جہاد اکبر، اس گھڑی مواجہہ اس ذات کا تھا جو جہاد اصغر و جہاد اکبر دونوں کی جامع ہے، قبل اس کے کہ شیخ کی زبان سے ایک

لفظ بھی نکلے محض چہرہ پر نظر پڑتے ہی دل اپنے پہلو سے غائب تھا، اور جس وقت شیخ نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا، اور ان کے دست پاک سے اپنا دست ناپاک مس ہوا جسم میں ایک تھرتھری سی پڑگئی، اور یہ معلوم ہوا کہ آنکھوں کے سامنے ایک بجلی سی کوند گئی، آنکھیں پُرنم تھیں، دل اندر سے بھرا چلا آتا تھا اور جی بے اختیار یہی چاہ رہا تھا کہ شیخ کے قدموں پر آنکھیں ملیئے اور خوب رو رو کر دل کی بھڑاس نکالیے۔

اے ہلال ماخم ابروئے تو!

جلالت فاروقی کے متعلق مثنوی معنوی میں ایک شعر مدت ہوئی پڑھا تھا ؎

ہیبت حق است ایں از خلق نیست
ہیبت ایں مرد صاحب دلق نیست

اس "ہیبت حق" کے معنی ایک بار ہندوستان میں روشن ہوئے[1] تھے، اور دوسری بار آج جاکر روشن ہوئے! جب نسبت فاروقی رکھنے والوں کی ہیبت وجلال کا یہ عالم ہے تو خود فاروق اعظم کی ہیبت وجلالت کا اندازہ اس زمانہ کے ضعیف القویٰ کیا اور کیونکر لگا سکتے ہیں!

---

[1] اشارہ ہے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کی خدمت میں پہلی بار کی حاضری کی طرف

شیخ کا سن کچھ ایسا زائد نہیں معلوم ہوتا، اور قویٰ تو ماشاء اللہ قابل رشک ہیں، اللہ اس کی عمر اقبال میں برکت دے اور اس کی سپاہ کو نصرت و فتح نصیب کرے کہ اس بیسویں صدی کے دور یاجوجی میں جہاد اسلامی اور غزائے شرعی کا نام روئے زمین پر اگر کہیں زندہ ہے تو اسی کے دم سے ۔ ورنہ ہمارے "روشن خیالوں" نے تو حالات موجودہ میں اس کے صرف ناقابل عمل ہونے ہی پر بس نہیں کی بلکہ سرے سے اس کی عدم ضرورت ہی کا اعلان فرما رکھا ہے۔ شیخ گفتگو صرف عربی میں فرما سکتے ہیں، اور عربی ماشاء اللہ خوب فصیح و شستہ بولتے ہیں، گفتگو مختصر فرماتے ہیں لیکن ایک ایک فقرہ درد و اثر میں ڈوبا ہوا۔ مولانا مناظر صاحب نہ صرف اپنی طرف سے گفتگو کر رہے تھے بلکہ مجھ جیسے بے علم و بے زبان کے ترجمان بھی وہی بنے ہوئے تھے. موضوع گفتگو کیا تھا؟ وہی مسلمانان عالم کی پستی اور بدبختی، وہی کلمہ گویان اسلام کی بے حسی اور بے بسی، ہندوستان کا ذکر آیا، ہندوستان کے مجاہدوں کا ذکر آیا، خلافت کمیٹی کی جدوجہد کا ذکر آیا محمد علی و شوکت علی کی سرفروشیوں کا ذکر آیا، جانشین شیخ الہند کا ذکر آیا، آخر میں شیخ نے جس وقت دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے ہیں تو ہم لوگ تو بہرحال انسان تھے معلوم یہ ہوتا تھا کہ کمرہ کے اندر بے جان چیزوں کے بھی جان پڑ گئی ہے اور در و دیوار سقف و فرش کا ایک ایک ذرہ ان دعاؤں پر آمین کہہ رہا ہے! ــــ

سلوک بطریق نبوت، ہندوستان کے لیے کوئی بالکل نئی اور نامعلوم چیز نہیں، ابھی بہت زمانہ نہیں ہوا کہ ادھر ہی کے ایک خاندان سے ایک سید اٹھا اور سرحد پر سکھوں کے مقابلہ میں اللہ کی راہ میں اپنا سب کچھ لٹا کے، اور اپنے آپ کو مٹا کے دنیا کو دکھا دیا کہ ہندی مسلمان بھی جہاد وغزا کے معنی سے نا آشنا نہیں۔

باب (۳۶)

حجّ ربّ البیت

لیجیے حج ختم ہو گیا، ارکان و اعمال حج ختم ہو گئے، طواف ہو چکا، عرفات میں حاضری ہو لی، مزدلفہ میں رات کو رہ لیے، منیٰ میں کنکریاں پھینک چکے قربانی کر چکے سر منڈا چکے صفا و مروہ کے درمیان سعی کر لی، احرام پہن چکے جو حاجی نہ تھے وہ اب حاجی ہو گئے —— کیا واقعۃً حج ہو گیا؟ کیا حقیقۃً اعمال حج ادا ہو چکے؟ رسمًا وصورۃً نہیں، معنًا و حقیقۃً طواف و وقوف سعی و رمی، تلبیہ و قربانی کے فرائض و واجبات سے سبکدوشی ہو چکی؟ کیا جس کو دوستوں اور عزیزوں نے "حاجی" کہہ کر پکارنا شروع کر دیا وہ اللہ کے رجسٹر میں بھی "حاجی" لکھ لیا گیا؟ فرشتوں کی زبان پر بھی "حاجی" کے

لقب سے موسوم ہوگیا؟ جس نے باربار کسی کو پکارا اس کے کان میں ادھر سے بھی کوئی آواز آئی؟ جس کا جسم مکے اور مدینے کی گلیوں میں چلتا پھرتا رہا اس کا دل بھی وہیں رہا؟ جو گونگا اور بہرا، اور اندھا سفر کو چلا تھا وہ واپسی کے وقت کچھ بھی گویائی اور شنوائی اور بینائی کی قوتیں لے کر چلا؟ —— جواب کون دے؟ اور کس زبان سے دے!

شیخ عثمان بن علی ہجویری لاہوری (داتا گنج بخش) کشف المحجوب میں روایت فرماتے ہیں کہ ایک صاحب حضرت جنید بغدادیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے پوچھا کہ کہاں سے آرہے ہو جواب ملا کہ حج سے واپس ہو رہا ہوں پوچھا حج کر چکے؟ عرض کیا کہ کر چکا، فرمایا کہ جس وقت گھر سے روانہ ہوئے اور عزیزوں سے جدا ہوئے تھے اپنے تمام گناہوں سے بھی مفارقت کی نیت کرلی تھی؟ کہا نہیں یہ تو نہیں کیا تھا، فرمایا بس تم سفر حج پر روانہ ہی نہیں ہوئے، پھر فرمایا کہ راہ میں جوں جوں تمہارا جسم منزلیں طے کر رہا تھا تمہارا قلب بھی قرب حق کی منازل طے کرنے میں مصروف تھا؟ جواب دیا کہ یہ تو نہیں ہوا، ارشاد ہوا کہ پھر تم نے سفر حج کی منزلیں طے ہی نہیں کیں پھر پوچھا کہ جس وقت احرام کے لیے اپنے جسم کو کپڑوں سے خالی کیا تھا اس وقت اپنے نفس سے بھی صفات بشریہ کا لباس اتارا تھا؟ کہا "یہ تو نہیں کیا تھا" ارشاد ہوا پھر تم نے احرام ہی نہیں باندھا، پھر پوچھا کہ عرفات

میں وقوف کیا تو کچھ معرفت بھی حاصل ہوئی؟ کہا یہ تو نہیں ہوا، فرمایا کہ پھر تم نے عرفات میں وقوف ہی نہیں کیا، پھر پوچھا کہ جب مزدلفہ میں اپنی مراد کو پہونچ چکے تو اپنی ہر مراد نفسانی کے ترک کا بھی عہد کیا تھا؟ کہا کہ یہ تو نہیں کیا تھا، ارشاد ہوا کہ پھر مزدلفہ تم حاضر ہی نہیں ہوئے، پھر پوچھا کہ خانہ کعبہ کے طواف کے وقت صاحب خانہ کا بھی جمال نظر آیا تھا؟ کہا کہ یہ تو نہیں ہوا تھا، ارشاد فرمایا کہ پھر تمہارا طواف ہی نہیں ہوا۔ پھر پوچھا کہ جب صفا و مروہ کے درمیان سعی کی تھی تو مقام صفا اور درجہ مروہ کا بھی کچھ ادراک ہوا تھا؟ کہا کہ "یہ تو نہیں ہوا تھا"، ارشاد ہوا کہ پھر سعی بھی تم نے نہ کی، پھر پوچھا کہ جب منیٰ آئے تو اپنی ساری آرزوں کو تم نے فنا کیا؟ کہا "یہ تو نہیں کیا تھا ارشاد ہوا کہ پھر تمہارا منیٰ جانا لاحاصل رہا پھر پوچھا کہ قربانی کے وقت اپنے نفس کی گردن پر بھی چھری چلائی تھی؟ کہا یہ تو نہیں کیا تھا،، ارشاد ہوا کہ پھر تم نے قربانی ہی نہیں کی، پھر پوچھا کہ جب کنکریاں ماری تھیں تو اپنے جہل و نفسانیت پر بھی ماری تھیں؟ کہا کہ "یہ تو نہیں کیا تھا"، ارشاد ہوا کہ پھر تم نے رمی بھی نہ کی اور اس ساری گفتگو کے بعد آخر میں فرمایا کہ "تمہارا حج کرنا نہ کرنا برابر رہا اب پھر جاؤ صحیح طریقہ پر حج کرو"۔

سید الطائفہ کی یہ ساری تقریر محض خیال آرائی و تخیل طرازی نہیں ذوالنون مصری اپنی آنکھوں دیکھی بات بیان کرتے ہیں کہ منیٰ میں میں نے ایک جوان کو دیکھا کہ جس وقت ساری خلقت قربانیوں میں مصروف

تھی وہ سب سے الگ چپکا بیٹھا ہوا ہے میں برابر اس کی طرف دیکھتا رہا کہ دیکھوں اب یہ کیا کرتا ہے، آخر میں نے دیکھا کہ اس نے مناجات شروع کی، کہ اے پروردگار! ساری خلق قربانی کرنے میں مشغول ہے میں چاہتا ہوں کہ تیرے حضور میں خود اپنے نفس کی قربانی پیش کردں، اسے قبول فرما۔ یہ کہا اور اپنی انگشت شہادت کو اٹھایا، اور دھڑ سے زمین پر گر پڑا، میں نے قریب جا کر دیکھا تو روح پرواز کر چکی تھی، اللہ اللہ! بڑوں کی باتیں بھی بڑی ہوتی ہیں انھیں جو کچھ ملتا ہے وہ سب کے نصیب میں کہاں سے آسکتا ہے؟ وہ جو کچھ دیکھ لیتے ہیں اسے دیکھنے کے لیے ہر اندھا کہاں سے آنکھیں لائے؟ حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ وہ عبادت ہی کیا جو کی آج جائے اور اس کا ثواب کل کے لیے ادھار رہے۔ اللہ کی اطاعت کے معنیٰ تو یہ ہیں کہ ادھر طاعت اور اُدھر اجر طاعت ساتھ ہی ساتھ نقد وصول! چنانچہ اپنے متعلق فرماتے ہیں کہ جب پہلی بار حج کو گیا تو بجز خانۂ کعبہ کے اور کچھ دکھائی نہ دیا دوبارہ گیا تو خانہ اور صاحب خانہ دونوں کا جلوہ دیکھا اور جب تیسری بار گیا تو صرف صاحب خانہ ہی کا جلوہ ہر طرف دکھائی دیا، اور مکان کے در و دیوار نظروں سے غائب!

۔ شیخ ہجویری جنھوں نے یہ سب حکایات و اقوال نقل فرمائے ہیں خود اپنی تحقیق تحریر فرماتے ہیں کہ حرم کو حرم اس لیے کہتے ہیں کہ اس کے اندر مقام ابراہیم ہے، اور مقام ابراہیم کی دو قسمیں ہیں ایک مقام تن، ایک مقام دل

مقام تن کا نام مکہ ہے اور مقام دل کی تعبیر مرتبہ خلت ہے، جن کی ہمتیں مقام تن تک محدود ہیں انھیں چاہیے کہ اپنا معمولی لباس اتار کر احرام کی کفنی پہنیں، حدود حرم میں شکار نہ کھیلیں، عرفات میں حاضر ہوں، طواف کریں وقس علیٰ ہذا لیکن جس کا حوصلہ یہ ہو کہ مقام ابراہیم کے مقام دل تک پہونچے تو اسے چاہیے کہ:۔

چوں کسے قصد مقام دل وے کند از مالوفات	اپنے شوق و خواہش کی چیزوں کو چھوڑ دے
اعراض باید کرد و بہ ترک لذات و راحات	لذتوں اور راحتوں کو ترک کر دے غیر اللہ کا
و بگفت از ذکر اغیار معرض شود ز انچہ التفات	تذکرہ تک زبان پہ نہ لائے اسلئے کہ عالم کون کی
وے بہ کون محظور باشد آں گاہ بعرفات	جانب التفات ہی اس وقت ممنوع ہے اسکے بعد
معرفت قیام گیرد و ازاں جا قصد مزدلفہ	عرفات معرفت میں وقوف کرے وہاں سے مزدلفہ
الفت گردد و ازان جا سر را بطواف حرم	الفت کا قصد کرے وہاں سے اپنے قلب کو تنزیہ حق
تنزیہ حق فرستد و سنگ ہوائے و خاطرہا ئے	طواف کے لیے روانہ کرے، اور منائے ایمان میں
فساد را بہ منائے ایماں بیفگند و از	خواہشات نفس کے سنگریزوں کو پھینک دے قربان گاہ
و نفس را اندر منحر گاہ مجاہدت قربان کرد و	مجاہدات میں اپنے نفس کی قربانی پیش کر دے اور
بہ مقام خلت رسد، پس دخول مقام تن امن	اسطرح مقام خلت پر فائز ہو جائے مقام تن میں داخل
باشد از دشمن و شمشیر ایشان و دخول مقام	ہونے کے معنی دشمن و شمشیر دشمن سے اماں پا جانے کے ہیں
دل امان بود از قطیعت و اخوات آن	اور مقام دل میں داخل ہونیکے معنی اللہ کی جدائی اور
(کشف المحجوب، کشف الحجاب الثامن)	اس کے نتائج سے محفوظ ہو جانے کے ہیں۔

دل والوں نے جب حج ادا کئے ہیں، بارہا اس طرح کئے ہیں کہ محض تن والے ذنگ رہ گئے ہیں نہ زاد و توشے کی فکر کی ہے، نہ مرکب و راحلہ کا سامان کیا ہے، نہ کسی رفیق عزیز کو ہمراہ لیا ہے، نہ منزلوں پر پہونچ کر قیام کیا ہے، نہ پانی کی صراحیاں ساتھ لی ہیں، تن تنہا اٹھ کھڑے ہوئے ہیں، اور خالی ہاتھ چل دیے ہیں، بادیہ کی جلجلاتی ہوئی ریگ پر ننگے پیر، اور عرب کی انتہائی کڑی دھوپ میں ننگے سر، ایک دو دن کی نہیں، ہفتوں اور مہینوں کی مسافتیں طے کی ہیں، روزوں پر روزے رکھے ہیں، اور فاقوں پر فاقے کئے ہیں، پھر کوئی ایک دو مثالیں ہوں تو درج کی جائیں کس کس کے نام، اور کہاں تک گنائے جائیں طاؤس الفقراء شیخ ابونصر سراج اپنی کتاب اللمع میں اس طرح کی بہت ساری حکایات روایات درج کر کے لکھتے ہیں کہ ان اللہ والوں کے آداب حج یہ ہیں کہ جب یہ میقات پر پہونچکر غسل کرتے ہیں تو اپنے جسم کو پانی سے دھونے کے ساتھ ہی اپنے قلب کو توبہ میں غسل دیتے ہیں، جب احرام پہننے کے لیے اپنے جسم سے لباس اتارتے ہیں تو قلب سے بھی لباس محبت دنیا اتار ڈالتے ہیں، جب زبان سے لبیک لا شریک لک لبیک کہنا شروع کر دیتے ہیں تو حق کو پکارنے کے بعد شیطان و نفس کی پکار پر جواب دینا اپنے اوپر حرام قرار دے لیتے ہیں جب خانہ کعبہ کا طواف کرنے لگتے ہیں تو آیہ کریمہ وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ کو یاد کر کے عرش الٰہی کے گرد طواف کرنے والے فرشتوں

کا تصور جماتے ہیں، جب حجر اسود کو بوسہ دیتے ہیں تو گویا اس وقت حق تعالیٰ کے ہاتھ پر اپنی بیعت کی تجدید کرتے ہیں، اور اس کے بعد اپنے ہاتھ کا کسی خواہش کی طرف بڑھانا گناہ سمجھنے لگتے ہیں، جب صفا پر چڑھتے ہیں تو اپنے قلب کی کدورت کو بھی صفائی سے بدل لیتے ہیں، جب سعی کرنے میں تیز دوڑتے ہیں تو گویا شیطان سے بھاگتے ہوتے ہیں، جب عرفات میں حاضر ہوتے ہیں تو تصور کے سامنے میدان حشر کا نقشہ جماتے ہیں، جب مزدلفہ میں آتے ہیں تو ان کے قلب ہیبت وعظمت حق تعالیٰ سے لبریز ہوتے ہیں، جب کنکریاں پھینکتے ہیں تو اپنے اعمال وافعال یاد کرتے جاتے ہیں، جب سر منڈاتے ہیں تو ساتھ ہی ساتھ اپنے نفسوں پر بھی چھری چلاتے رہتے ہیں —— جنہوں نے یہ آداب حج اپنی کتابوں میں لکھے، اور جو انھیں عمل میں لائے، وہ نور کے بنے ہوئے اور آسمانوں پر اڑنے والے فرشتے نہ تھے، ہماری آپ کی طرح مٹی کے پتلے اور اسی مادی زمین پر چلنے پھرنے والے انسان ہی تھے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ احیاء میں مناسک حج کی فقہی تفصیل کے بعد، ایک مستقل ومفصل باب حج کے دقائق اعمال اور آداب باطنی پر لائے ہیں، اور اس کے اندر جتنے اعمال حج ہوتے ہیں اول سے آخر تک ان سب کے اسرار وآداب باطنی بیان فرمائے ہیں کہ فلاں عمل کے وقت یہ نیت رکھنا چاہیے، فلاں عمل کے وقت اس مقصد کا تصور رکھنا چاہیے، فلاں عمل

کے ذریعہ سے یوں تزکیہ نفس کرنا چاہیے فلاں عمل کو یوں اپنی اصلاح کا وسیلہ بنانا چاہیے، اور فلاں فلاں اعمال سے ان ان مجاہدات کا کام لینا چاہیے اور پھر ہر ہر مجاہدے کے ساتھ تابعین سے لے کر اپنے زمانہ کے اولیاء کبار تک کی حکایات بھی درج کی ہیں، جس حج کے قبول کے لیے مقبولوں کو یہ یہ مشقتیں جھیلنی پڑی ہوں اس کا ہم جیسے تباہ کار کبھی خواب بھی دیکھ سکتے ہیں جس طاعت کے ادا کرنے میں اللہ والوں کو یہ یہ ریاضتیں اٹھانی پڑی ہوں اس کے مقبول ہونے کا ہم نفس کے بندے کبھی بھی حوصلہ کر سکتے ہیں۔؟ عارفوں نے جس عبادت کا معیار یہ رکھا ہو ہم تہی مایہ کس منہ سے کہہ سکتے ہیں کہ ہم سے کسی درجہ میں بھی بن پڑی! ——— پھر کیا سفر حج کی یہ ساری دوڑ دھوپ خدا نخواستہ لاحاصل رہی؟ اور وطن سے بے وطن ہونے بیسیوں اہل وطن سے دور رہنے، سیکڑوں روپیہ صرف کرنے، موسم کی سختیاں اٹھانے کا نتیجہ، خدانخواستہ کچھ بھی نہ نکلا؟

بڑوں کی باتیں بڑوں پر چھوڑیئے، کچھوا دوڑ میں خرگوش کا دم کہاں سے لائے، جو مفلس و بے نوا ہے، وہ تاجداروں اور زریں کلاہوں کی ریس کا حوصلہ کیوں کرے؟ اور مور ضعیف سلیمان وقت کی ہمسری کا سودا ہی اپنے سر میں کیوں پیدا کرے؟ جو اللہ کے بشر ہیں ان کا معاملہ انھیں پر چھوڑیئے اگر کہیں لوازم حج میں وہی سب کچھ داخل ہوتا جو ابھی بیان ہوا ہے، اگر قبول حج

کے لیے یہی سب شرطیں ہوتیں تو فرمائیے کہ ہم جیسے ضعیفوں اور زبوں ہمتوں کا کیا حشر ہوتا؟ جنید و بایزید، ہجویری و غزالی تو کہیں صدیوں کی مدت میں اور لاکھوں کی آبادی میں دو ہی چار پیدا ہوتے ہیں، یہ کروڑہا کرور اور اربہا ارب مخلوق جو اس ساڑھے تیرہ سو برس کی مدت میں روئے زمین کے ہر ہر گوشے میں پیدا ہوتی رہی ہے اور آئندہ خدا معلوم کب تک پیدا ہوتی رہے، کیا ان سب کی محنت، حج اور سفرِ حج کے لیے سرے سے بیکار اور لاحاصل ہی رہتی ہے؟ —— قربان جائیے اس کی رحمت کے جو سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحیم اور سب کرم کرنے والوں سے بڑھ کر کریم ہے کہ اس نے ایسے رحمۃ للعالمین کو ہادی و دلیل، حاکم و حکیم، مرشد و معلم بنا کر بھیجا جس نے اپنے ہر نمونۂ عمل میں اقویاء سے کہیں زیادہ ضعفاء کا حوصلہ مندوں سے کہیں زیادہ پست ہمتوں کا، بڑوں سے کہیں زیادہ چھوٹوں کا اور طاقت والوں سے کہیں زیادہ کمزوروں کا خیال رکھا، اس سب سے زیادہ کامل اور سب سے زیادہ مقبول حج کرنے والے کے حج و اعمالِ حج و سفرِ حج کی ایک ایک تفصیل حدیث اور فقہ کی کتابوں میں قلمبند ہے، اور وہ جو آخرت میں ہر بے کس کا سہارا، اور ہر بے آس کا آسرا ثابت ہوگا، اس دنیا میں بھی ہر طاعت اور ہر عبادت کی طرح حج کے معاملے میں اپنے ذاتی عمل سے، سختیوں اور مشقتوں کے بجائے سہولتوں اور آسانیوں کی راہ کھول گیا ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور اسی کی اتباع

میں ہر مایوس کو آس کی جھلک اور ہر نا اُمید کو امید کی شعاع نظر آرہی ہے۔

باب (۳۷)

رخصتی

مدرسۂ صولتیہ کا نام اور مجمل تذکرہ اوپر کئی بار آچکا ہے۔ تمام ہندوستان میں پہلے سے مشہور ہے، مجمل تذکرہ نے دلوں میں اشتیاق بڑھا دیا ہوگا، تفصیل کی نہ ان صفحات میں گنجائش نہ یہ اس کا محل لیکن یہ کہہ دینے اور آپ کے سن لینے میں کوئی حرج نہیں کہ سرزمین عرب پر ہندوستانیوں کے قائم کئے ہوئے مدارس میں سب سے زیادہ پرانی اور مشہور درسگاہ یہی ہے، مولانا رحمۃ اللہ کیرانہ ضلع مظفر نگر کے باشندہ ہنگامہ ۱۸۵۷ء سے قبل ہندوستان کے ایک نامور مناظر عالم تھے مشہور دشمن اسلام پادری فنڈر کو انہی نے میدان مناظرہ میں شکست دی تھی، سرکار برطانیہ کی نگاہ میں معتوب و مشکوک قرار پائے، ہجرت کر کے مکہ معظمہ چلے آئے اور یہیں کلکتہ کی فیاض و عالی ہمت خاتون صولت النساء بیگم کی مالی امداد سے ۱۲۹۱ھ میں اس دینی مدرسہ کی بنیاد ڈالی، اور اُس

وقت سے ابتک خدا کے فضل سے یہ مدرسہ بخوبی چل رہا ہے، زمانہ کے انقلابات بھی قابل دید ہوتے ہیں، سلطان عبدالعزیز خاں اور سلطان عبدالحمید خاں کے زمانہ میں مولانا کی بڑی قدر و تکریم ہوتی رہی، موجودہ حکومت حجاز کارکنان مدرسہ کے ساتھ شاید ان "غلطیوں" کا کفارہ کر رہی ہے، لیکن مدرسہ اب بھی ماشاء اللہ اچھی حالت میں ہے، غالبًا بارہ سو سالانہ کی اعانت سرکار نظام اور سرکار بھوپال دونوں سے ہوتی رہتی ہے[1]۔ اٹھارہ سو سالانہ نواب صاحب چھتاری کے ہاں سے مقرر ہیں، اور متفرق چندے ہیں مدرسہ کی عمارتیں خاصی وسیع و عالیشان ہیں لاکھ سوا لاکھ سے کیا کم لاگت میں تعمیر ہوئی ہوں گی، بنا ہے کہ ۲۵ ہزار کی رقم سرکار آصفیہ سے یکشت ادا ہوئی تھی، طلبہ میں حجازی نجدی، ہندی، جاوی، مراقشی سب ہی قومیں شامل ہیں گو افسوس ہے کہ حجازیوں کی تعداد بہت کم ہے۔ تعلیم شروع میں طلبہ کی مادری زبان میں ہوتی ہے۔ استاد بھی مختلف قوموں کے ہیں، دار المطالعہ میں اس وقت ہمدرد جاتا تھا، سچ (اور اس کے بعد صدق) جا رہا ہے، اور بھی ہندوستان کے مختلف پرچے، بحیثیت مجموعی ہندوستانیوں کا ایک اچھا خاصا مرکز ہے

---

[1] یہ سب آزادی ہند سے پہلے کے قصے ہیں۔ اب (۱۹۴۹ء میں) دیکھئے یہ امدادیں کب تک باقی رہتی ہیں۔

ناظم مدرسہ مولانا محمد سعید صاحب کیرانوی اس وقت رخصت پر اپنے وطن میں ہیں قائم مقام مولوی محمد سلیم صاحب کے حسن واخلاق کا تذکرہ بار بار آچکا ہے[1]، مدرسہ باجود اپنے موجودہ ذرائع آمدنی کے اہل خیر کی امداد کی ضرورت سے بے نیاز نہیں۔

خیر البلاد میں ہندیوں ہی کا ایک دوسرا قابل ذکر مدرسہ، مدرسہ فخریہ عثمانیہ ہے، یہ مدرسہ تاجدار دولت آصفیہ میر عثمان علی خاں بہادر آصف جاہ کے نام گرامی کے ساتھ منسوب ہے اور حرم سے بالکل متصل بلکہ کہنا چاہیئے کہ حرم شریف کے اندر ہی باب ابراہیم کے بالاخانہ کی چھت پر اس کے کمرے واقع ہیں۔ ان کمروں میں اگر نماز پڑھی جائے تو گویا حرم شریف ہی کی نماز سمجھی جاتی ہے، طلبہ میں ہندی، حجازی، جاوی سب کے بچے شامل ہیں، دو سو روپیہ ماہوار سرکار نظام سے اور سوا سو روپیہ ماہوار غالباً دربار بھوپال سے امداد ملتی رہتی ہے کچھ متفرق چندوں سے ملتا رہتا ہے۔ موسم حج میں مکان مدرسہ کرایہ پر اٹھادیا جاتا ہے، اور چونکہ حاجیوں کے لیے بہترین موقعہ پر واقع ہے اس لیے کرایہ خاصہ معقول وصول ہو جاتا ہے۔ ۱۳۴۸ھ و ۱۳۴۹ھ میں دو دو ہزار سے اوپر کی رقمیں حاصل ہوئیں مجموعی آمدنی اوسطاً ۸ ہزار سالانہ کی رہتی ہے۔

---

[1] مولانا محمد سعید صاحب کی وفات کو اب کئی سال ہوگئے، اب ان کی جانشینی ان کے خلف الرشید مولوی سلیم صاحب کر رہے ہیں۔

مصارف بھی ۶، ۷ ہزار سے کم نہیں ہوتے۔ ۱۳۴۳ھ میں آمدنی بہت ہی کم ہوئی تھی، مالی حالت قابل اطمینان نہیں، اہل خیر کی توجہ و التفات کی ضرورت ہے۔ مدرسہ کے مہتمم قاری محمد اسحاق صاحب مدرسہ کی رپورٹ ہمدرد پریس دہلی میں چھپواتے تھے ان کے نام سے واقفیت اس ذریعہ سے ہوئی۔ پھر ایک بار غالباً ۴۲ھ میں حیدر آباد میں سرسری ملاقات بھی ہوئی تھی بڑے مستعد کارگزار، صاحب ہمت اور خدمت گزار شخص ہیں، مدرسہ کی ترقی کے لیے بڑے بڑے منصوبے رکھتے ہیں۔ لیکن بیچارے بے زری اور تہیدستی سے معذور ہیں مدرسہ کی عمارت اپنی ذاتی نہیں، کرایہ کے مکان میں ہے اور مصارف کی سب سے بڑی مدیہی کرایہ عمارت ہے ایک ایک سال میں بارہ بارہ تیرہ سو روپیہ کرایہ میں دینا پڑتا ہے، ہندوستان کے جو اہل کرم مدد کرنا چاہیں وہ حاجی عبد الغفار صاحب کوٹھی علی جان صاحب مرحوم، چاندنی چوک دہلی یا حاجی عبد اللہ بھائی رحیم صاحب، ناگ دیوی اسٹریٹ بمبئی کے ذریعہ سے روپیہ مدرسے کے نام بھیج سکتے ہیں۔

مکہ میں ان دونوں کے علاوہ اور بھی مدرسے ہیں لیکن ان تک پہونچنے کا نہ وقت ملا، نہ ان کے باب میں کوئی مفصل واقفیت حاصل ہوئی، مکہ محض عبادت گاہ نہیں، اچھا خاصا وسیع متمدن شہر ہے، مدرسے اسپتال، موٹریں سائیکلیں، بجلی کی روشنی، پنکھے، برف، پریس، ہوٹل، غرض سارے لوازم تمدن

موجود، عبادات سے اگر قطع نظر کرکے محض تمدنی حیثیت سے نگاہ دوڑائی جائے تو یہ معلوم ہی نہ ہوگا کہ حجاز کا کوئی شہر ہے بس یہ معلوم ہوگا کہ لکھنؤ یا کانپور یا آگرہ میں بیٹھے ہوئے ہیں، بہت وسیع بازار جس میں اعلیٰ سے اعلیٰ ولایتی کپڑا ہر قسم کا موجود بہتر سے بہتر کھانے کی دوکانیں، اور ہوٹل، تلاش کی جائے تو ہر مذاق کا کھانا مل سکتا ہے، مٹھائیاں پھل اور میوے بہ افراط مارکیٹ ہے، ٹیلیفون ہے اور غالباً لاسلکی کا بھی اسٹیشن موجود ہے، علاج ترکوں کے زمانہ سے عموماً ڈاکٹری ہونے لگا ہے، تاہم یونانی طبیبوں کی بھی کمی نہیں اور دہلی کے دواخانوں سے آئی ہوئی یونانی دوائیں بھی اچھی اور قابل اطمینان مل جاتی ہیں، دہلی، اودھ، پنجاب دکن، بمبئی، گجرات غرض ہندوستان کے ہر صوبہ اور ہر گوشہ کے باشندے اچھی خاصی تعداد میں آباد، اور ہندوستان کی یاد کو تازہ رکھے ہوئے ہیں حکومت وقت کی عنایت قدرۃً گروہ اہل حدیث پر زائد ہے، اور جس کا اس گروہ سے کچھ بھی تعلق ہے، وہ فی الجملہ صاحب رسوخ واثر ہے، مصری اخبارات ورسائل کے علاوہ ہندوستان سے اردو کے پرچے بھی اچھی خاصی تعداد میں جابجا آتے رہتے ہیں۔ ایک ہفتہ وار اخبار اُم القریٰ کے نام سے نکلتا ہے، ہر جمعہ کو شائع ہوتا ہے، دفتر حرم شریف سے قریب ہے، ولیعہد کے محل کی پشت پر واقع ہے پرچے سے تبادلہ ہے وقت ہوتا تو اندر جاکر مدیر سے ملاقات کی جاتی، اور دفتر کے حالات کا مشاہدہ ہوتا، باہر سے تو دفتر کی عمارت خاصی شاندار معلوم ہوتی ہے پرچہ کی حیثیت نیم سرکاری بلکہ کہنا چاہیے کہ سرکاری ہی ہے، بڑی تقطیع کے چار صفحے

ہوتے ہیں، ہر صفحہ میں پانچ کالم، حجاز میں سالانہ چندہ ۲۰ ریال ہے اور باہر کے لیے ۲۰ ریال ہے (ایک ریال سعودی انگریزی سکہ میں ۸ار آنے کا ہوتا ہے یا کچھ زائد) جو لوگ حج وحجاز کے متعلق سرکاری اطلاعات سے باخبر رہنا چاہتے ہیں، ان کے لیے اس کا مطالعہ ضروری ہے۔

حاجیوں کو عموماً حج سے فراغت کے ساتھ ہی مکہ سے روانگی کی جلدی پڑ جاتی ہے۔ کچھ مدینہ جانا چاہتے ہیں۔ اور کچھ وطن واپس ہونا، ٹھہرنے والے بہت ہی کم ہوتے ہیں، بعض بزرگوں کے ارشادات بھی اسی قسم کے ہیں کہ حج کے بعد ہی روانہ ہو جانا چاہیے زیادہ قیام نہ کرنا چاہیے، حضورؐ نے صحابہ سے بھی بعد حج صرف تین دن کے لیے قیام کے لیے فرمایا تھا۔ ہم لوگوں کو واپسی کی عجلت تھی اور پروگرام یہ تھا کہ جدہ سے پہلے ہی جہاز پر روانہ ہو جائیں گے، منشی احسان اللہ خاں صاحب نے کہہ رکھا تھا کہ پہلے جہاز پر جگہ ملنے کی ذمہ داری صرف اسی صورت میں کی جا سکتی ہے کہ جلد سے جلد یعنی ۱۳ار کو جدہ آ جاؤ۔ منیٰ سے ہم لوگ ۱۲ار کی شام کو مکہ واپس آ گئے تھے اور خیال یہ کیے ہوئے تھے کہ ۱۳ار ہی کو کسی وقت جدہ پہونچ جائیں گے، موٹر کا دو ڈھائی گھنٹہ کا راستہ ہے، بات ہی کیا ہے جس وقت چاہیں گے چل کھڑے ہوں گے ـــــ تجربہ سے معلوم ہوا کہ یہ محض حسنِ ظن تھا واپسی اتنی آسان ہرگز نہیں جتنی ہم لوگ سمجھے ہوئے تھے پہلی بات تو یہ معلوم ہوئی کہ واپسی کے لیے سواریاں اس وقت مل سکتی ہیں جب پہلے منشور سلطانی

جاری ہولے۔ بغیر فرمان شاہی جاری ہوئے کسی سواری کا ملنا خلاف قانون ہے اور فرمان کے لیے یہ لازمی نہیں کہ اس کا اجرا ر۳ا ر ہی کو ہو جائے! آخیر خدا خدا کر کے ۱۴ ر کو فرمان جاری ہوا، اور اس کے بعد اب معلم صاحب کے شتر غمزوں سے ایک بار پھر سابقہ شروع ہوا۔

مدینہ سے روانگی کے وقت سواری کے دستیاب ہونے میں جو جو زحمتیں پیش آتی تھیں، ان کا تذکرہ اپنے مقام پر آچکا ہے، خیال یہ تھا کہ مکہ پایۂ تخت سلطانی ہے، یہاں کے انتظامات بہت بہتر ہونگے اور ہر طرح نظم و باقاعدگی ہو گی تجربہ سے معلوم ہوا کہ اس زمین کا بھی آسمان وہی ہے۔ الحرمین کمپنی جس کی لاریوں پر جدہ سے مدینہ گئے تھے اور مدینہ سے مکہ پہونچے تھے اس کا معاہدہ ختم ہو چکا تھا اب نئی سواری کا انتظام کرنا تھا۔ اور یہ یاد رہے کہ سواری کا انتظام معلم ہی کی معرفت ہو سکتا ہے۔ براہ راست کوئی حاجی اپنی سواری کا انتظام نہیں کر سکتا۔ کرنا چاہے تو سواری والا سیدھے منھ بات بھی نہ کرے گا۔ بلا وساطت معلم سواری کا انتظام قانون حکومت کا جرم ہے۔ ایک تاجر عبد الحمید کتبی ہندی ہیں، ان کے نام بمبئی سے چلتے وقت سیٹھ عمر بھائی چاند بھائی نے تعارف نامہ لکھ دیا تھا، ان کی لاریاں چلتی ہیں، ان سے درخواست کی اور بار بار کی پہلے تو بہت اخلاق سے ملے لیکن یہ خاص غرض جب پیش کی گئی تو پہلے کچھ گول سے جوابات دیئے اور کئی مرتبہ کی دوڑ دھوپ کے بعد بالآخر انکار فرما دیا، ایک تعارف نامہ دہلی کے مشہور

حاجی علی جان والوں کی کوٹھی کے شیخ عبدالوہاب صاحب کے نام بھی تھا۔ ۴ ار کی صبح کو ان سے ملاقات کی، امداد کا وعدہ فرمایا، اپنے بعض بزرگوں عزیزوں کے نام چٹھیاں لکھ دیں، ان میں سے ایک بزرگ نے جن کا نام غالباً عبیداللہ صاحب تھا سواری دینے کا پورا وعدہ بھی کرلیا تھا ان کے در دولت پر خدا معلوم کتنے بار حاضری دینی پڑی، اور بالآخر یہ معلوم ہوا کہ وعدہ اور ایفائے وعدہ کے درمیان عدم تطابق صرف ہندوستان ہی کے لیے مخصوص نہیں بلکہ بیت اللہ کے جوار میں بھی بہ آسانی ممکن ہے۔ بہرحال سارے دن کی بے نتیجہ تگ ودو کے بعد ۴ ار کا دن بھی ختم ہوگیا، اور سواری کے بہم پہونچنے کی کوئی صورت نہ نکلی، داروغہ حبیب اللہ بیچارے نے اخلاص مندی کے ساتھ بہت کچھ مدد کرنا چاہی لیکن معلم صاحب کی "ترکیبوں" کے سامنے وہ بے بس تھے۔

زائد سامان اونٹوں پر لد کر ۴ ار کی شب میں جدہ روانہ ہوچکا تھا، اب ہم لوگ تھے اور سعی واپسی وطن۔ صبح اور شام کے اوقات اور دوپہر اور سہ پہر کے گھنٹے اسی کام کے لیے وقف تھے کہ ادھر ادھر سواری کی تلاش میں دوڑا جائے، اور ہر در سے محروم و مایوس واپس آیا جائے، کیسی نمازیں اور کہاں کے طواف، ایک سودا تھا کہ سر پر ایک جکر تھا کہ پیروں پر سوار تھا، ۵ ار کو جمعہ کا دن تھا، صبح کے اوقات تو انھیں سرگردانیوں کی نذر ہوگئے، دوپہر کو جب نماز جمعہ کے لیے حرم شریف کے اندر پہونچے ہیں تو جگہ مطلق نہیں، آج حرم شریف ماشاءاللہ نمازیوں

سے کھچا کھچ بھرا ہوا ہے رکوع وسجود کا ذکر نہیں، کھڑے ہونے تک کی گنجائش نہیں، مجبوراً حرم شریف کے اندر کی جماعت کا خیال ترک کر کے باب ابراہیم کے بالاخانہ پر مدرسہ فخریہ عثمانیہ کے جو کمرے ہیں ان میں چڑھ گئے اور قاری اسحاق صاحب مہتمم مدرسہ کے لطف وکرم سے کسی نہ کسی طرح یہاں جگہ مل گئی فاصلہ اس قدر تھا اور باہر سڑکوں پر شور وہنگامہ اتنا کہ تکبیر کی آواز تک نہیں سنائی دیتی تھی، الٹے سیدھے جس طرح بن پڑا کسی طرح نماز ادا ہو گئی۔ سہ پہر کو مدرسہ کا سالانہ جلسہ تھا، اس تقریب سے یہاں بعد عصر پھر آنا ہوا اور اس وقت ہر طرف سے عاجز ومجبور ہو کر یہیں اس مضمون کا تار قاری اسحاق صاحب کی وساطت سے منشی احسان اللہ صاحب انگریزی وائس کانسل جدہ کے نام دینا پڑا۔

"۱۳ سے برابر سواری کی تلاش ہے معلم کے کبھی نہ پورے ہونے والے وعدے ابتک یہاں روکے ہوئے ہیں"

خدا کی شان کہ جو "قسی القلب" "اللہ" سے نڈر" تھا" وہ" احسان اللہ" سے ڈر کر فوراً سواری کا انتظام کرلایا اور آدھ گھنٹے کے اندر معلم نے خود آکر یہ خبر دی کہ لاری کا انتظام ہو گیا اور اب ہم لوگ جب چاہیں روانہ ہو سکتے ہیں۔

رخصتی کا طواف طواف الوداع کہلاتا ہے۔ ملک الملوک کے دربار کا یہ آخری سلام ہوتا ہے۔ طواف الصدر اور طواف الافاضہ بھی اسی کے نام ہیں۔ یہ طواف وطن واپس جانے والوں پر حنفی مذہب میں واجب ہے البتہ عورتیں اپنے

خاص زمانہ میں اس وجوب سے مستثنیٰ ہیں۔ یہ طواف اسی طرح ہوگا جس طرح اور سب طواف ہوتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اس میں رمل نہیں، باقی سات چکر کاٹنا مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز پڑھنا، زمزم پینا، حجر اسود کو بوسہ دینا اور موقع ملے تو ملتزم سے پٹنا یہ سب چیزیں اسی طرح بدستور، رخصت کے وقت کی بعض دعائیں جو حرم شریف کے دروازہ سے باہر نکلتے وقت پڑھی جاتی ہیں، کتابوں میں لکھی ہوئی ہیں معلم اس وقت پڑھا دیتے ہیں، بہتر یہ ہے کہ کعبہ سے جب روانہ ہونے لگے تو الٹے پاؤں درِحرم تک آئے، حج کی مقبولیت کی۔ اور دوبارہ حاضری کی بار بار دعا کرے اور کعبہ سے جدائی پر آنکھیں روئیں یا نہ روئیں لیکن کم ازکم دل ضرور روتا ہو، اور حرم شریف سے باہر آکر مساکین کو کچھ صدقہ بھی دے دے

عصر اور مغرب کے درمیان ہم لوگوں کا سامان بندھ کر تیار ہوگیا۔ مغرب کی نماز حرم میں پڑھی اور بعد نماز طواف وداع کے مراتب سے فارغ ہوئے مغرب پڑھے ہوئے کوئی پون گھنٹہ گزرا ہوگا کہ ہم لوگوں کے قدم حدود حرم شریف سے باہر آگئے یہ وقت بھی عجیب ہوتا ہے کوئی ہشاش بشاش کوئی غمگین و افسردہ کسی کا دل امیدوں اور امنگوں سے لبریز اور کسی کا قلب غم وحسرت کے بار سے دبا ہوا۔ کوئی یہ سمجھ رہا ہے کہ اب دوبارہ آنکھوں کو یہ دربار کاہے کو دیکھنا نصیب ہوگا، کسی کو یہ یقین کہ پھر آئیں گے، اور بار بار آئیں گے اور سو بار اگر وداع و رخصت کی تلخیاں جھیلیں گے تو ہزار بار حضوری اور وصال کی لذتیں اور حلاوتیں بھی حاصل کرینگے کوئی مغموم کہ کعبہ چھوٹ رہا ہے، کوئی مسرور کہ کعبہ ساتھ چل رہا ہے! —— اپنی

اپنی نسبت اور اپنا اپنا ظرف. کس کو خبر کہ دلوں کے مالک کی نظر میں کس کی نذر مقبول اور کس کا تحفہ قابل قبول!

باب (۳۸)

جملہ معترضہ

معلم عبد القادر سکندر کے مظالم کا تذکرہ بار بار آچکا ہے۔ عجب نہیں کہ بعض ناظرین اس تذکرہ سے اُکتا گئے ہوں، لیکن حقیقتہً جو کچھ کہا جا چکا ہے، اس سے کہیں زیادہ وہ ہے جو نہیں کہا گیا ہے! آپ بیتی کے یہ چند موٹے موٹے واقعات تھے جن کا ذکر ناگزیر تھا، باقی اگر وہ کل جزئیات لکھے جائیں جو ہم لوگوں کو پیش آکر رہے، یا ہم نے دوسروں کو پیش آتے دیکھے اور کسی ایک پر نہیں بلکہ منشی امیر احمد صاحب علوی کاکوروی ڈسٹرکٹ جج پنیچ سے لے کر غریب سے غریب ہر طبقہ کے حاجیوں پر گزرتے دیکھے، اگر ان سب کو لکھا جائے تو یہ سفر نامہ، سفر نامہ کے بجائے اچھا خاصا "سکندر نامہ" بن جائے، اور سکندر نامہ بھی پرانے طرز کا "بری" یا بحری" نہیں بلکہ نئے طرز کا ریگستانی! —— خوش عقیدہ ناظرین اپنے دلوں میں کہہ رہے ہوں گے کہ یہ عجب طرح کا مسافر حجاز ہے، گیا حج کرنے اور لگا معلم کے مظالم کا دکھڑا رونے۔ اگر واقعتہً معلم کی ذات ایسی ہی ظالم و طامع و خود غرض

وبے درد و دنیوی ہے تو آخر دوسرے حجاج یہ شکوے کیوں نہیں کیا کرتے، اتنا شور و شغب بھی تنہا کیوں کر رہا ہے؟ لیکن خوش عقیدہ حضرات کا یہ حسن ظن صحیح نہیں، یہ تباہ کار پہلا مسافر حجاز نہیں جس نے معلموں کے خلاف فریاد برپا کی ہے

مولانا محمد حسین الہ آبادی کا نام بالکل غیر معروف نام نہیں، حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کے مرید و خلیفہ تھے اور تمام تر عشق و محبت کے رنگ میں رنگے ہوئے اجمیر میں عین حالت سماع میں انتقال فرمایا اور اس زمانہ میں سارے ہندوستان میں اس واقعہ کی دھوم مچ گئی تھی۔ آج سے ۳۰، ۳۲ سال قبل ۱۳۱۶ھ میں چوتھی بار حج کے لیے تشریف لے گئے تو ایسی پروالہانہ و مستانہ زبان میں مختصر سفرنامہ رحلۃ المسکین الی البلد الامین کے نام سے شائع فرمایا، داستان سفر کیا ہے گویا داستان عشق ہے۔ عرب اور اہل عرب کے ساتھ محبت و شیفتگی میں یہ غلو کہ ان کے خلاف ایک حرف شکایت سننا بھی گوارا نہیں صفحہ ’’۸، وغیرہ پر با ایں ہمہ آپ بیتی بیان کرتے وقت یہ لکھنے پر مجبور ہیں کہ مکہ سے ۸ ذی الحجہ کو منیٰ روانہ ہوتے وقت ’’ اس سال اونٹوں کے ملنے میں بہت دیر لگی، اس وجہ سے عصر کے وقت مکہ سے روانگی ہوئی، مغرب حدود منیٰ میں پڑھی اور عشاء کے وقت منیٰ میں قیام ہوا، فجر کی نماز پڑھ کر وہاں سے چلنا چاہیے تھا مگر بدو اور مطوف کے ملازمین نے نہ مانا، منیٰ میں قیام بھی بمشکل میرے اصرار سے کیا تھا، اخیر شب کو عرفات کو چل دیئے اور قبل طلوع آفتاب وہاں پہونچ گئے۔ بدو اور مطوف چونکہ ہمیشہ حج کو آیا جایا کرتے

ہیں اور مقصود ان کا حج ہوتا بھی نہیں، فقط حاجیوں سے تحصیل زر مد نظر ہوتی ہے اس وجہ سے ان کی نظر میں سنن یا مستحبات چنداں با وقعت نہیں ہوتے۔ یہ ستم پیشہ مطوفین اور ان کے ملازمین اس کا کچھ لحاظ نہیں کرتے اور اپنی تھوڑی سی راحت کے لیے ان کو (یعنی حاجیوں کو) رنج بھی پہونچاتے ہیں، اور ثواب سے محروم رکھتے ہیں۔" (صفحہ ۶۱، ۶۲)

چنانچہ مولانا مجبوراً آئندہ عازم حج کو مشورہ دیتے ہیں کہ وہ بجائے مطوف کے مکہ سے کسی ذی علم سمجھ دار کے ساتھ ہولے اور ادائے ارکان میں مطوفوں کا پابند نہ رہے۔ (صـ ۶۲)

فقہ حنفی میں ۱۲ار کو منیٰ سے مکہ کی واپسی بعد زوال ہی درست ہے نہ کہ قبل زوال لیکن ظالم مطوفوں کے ہاتھوں مولانا پر کیا گزری، اسے مولانا ہی کی زبان سے سنئے۔

"بارھویں کو صبح سے مطوف کے ملازمین نے مکہ چلنے کے لیے تقاضا شروع کیا اور بدوؤں کو ایسا سبق پڑھایا کہ ہرگز زوال کے وقت تک ٹھہرنے کو راضی نہ ہوئے، مطوف کے ملازم کچھ پڑھے ہوئے بھی تھے، ایک کتاب میں سے ایک روایت امام ابو حنیفہؒ کی دکھائی جس سے اس دن قبل زوال ہی رمی کرنے کا جواز نکلتا تھا میں نے کہا یہ روایت ظاہر روایت کے خلاف ہے اور غیر مفتی بہا ہے، مگر انھوں نے ایک نہ مانا، بمجبوری ان کا ساتھ چھوڑنا پڑا

وہ میرا سامان لے کر چل دیئے۔ میں مع اپنے چند رفیقوں کے
رہ گیا، اور زوال کے بعد رمی کرکے روانہ ہوا، راہ میں بمشکل سواری
کے لیے گدھا ملا۔" (ص ۲۰)

مولانا کے مذہب میں عرب و اہل عرب کے متعلق شکایات کا ایک حرف بھی زبان پر لانا گناہ کیسی کچھ اذیت پہونچی ہوگی جب جاکر دبے لفظوں میں اتنا بھی قلم سے نکلا۔

۱۹۱۳ء میں گورکھپور کے مشہور رئیس مولوی سبحان اللہ خاں صاحب نے سفر حج کیا اور واپسی پر اپنا سفرنامہ میرا سفر حج کے عنوان سے شائع کیا۔ اس سفرنامہ کے بھی بعض فقرے سننے کے قابل ہیں۔ مولوی صاحب موصوف جانتے ہیں کہ اس قسم کی کوئی بات زبان سے نکالنا خوش عقیدگی کے مذہب میں کتنا بڑا جرم ہے اس لیے بیان کرنے سے قبل تمہید بیان یوں اٹھاتے ہیں:۔

"اس کے بعد میں مطوفوں کے پورے حالات لکھوں گا۔ میں خوب جانتا ہوں کہ اول تو لوگ اس کو باور ہی نہ کریں گے، اور اگر واپس آئے ہوئے حاجی میری اس تحریر کو دیکھیں گے تو یقیناً مجھ پر بے دینی یا اہل حرم کی عظمت کا دل میں خیال نہ ہونے کا الزام لگائیں گے...... مگر دو خیالوں نے اس گستاخی کا ارتکاب کرایا ہے اول یہ کہ یہ تحریر نامکمل نہ رہے، دوسرے جاتے والے اشخاص

آگاہ ہوجائیں" صہ ۵۴، ۵۵ اس کے آگے مطوفوں یا معلموں کے مناقب سنئے۔

" اب سنئے، مطوف آپ کے ساتھ ہر گز ہمدردی سے نہ پیش آئیں گے۔ وہ ظاہری طور پر آپ کو چکنی چپڑی باتوں سے خوب خوش کریں گے، میں خادم ہوں، کفش بردار ہوں، آپ کی مرضی میں میری بھی مرضی ہے جو حکم دیجئے بجا لاؤں۔..... لیکن کسی شہر والے سے حتی الوسع آپ کو ملنے نہ دے گا۔ اگر جبراً قہراً ملائے گا تو خود یا اپنے ملازم کو جسے وہاں کی اصطلاح میں صبی کہتے ہیں ساتھ کرے گا۔ جب آپ کے ساتھ ان میں سے کوئی ہوگا، تو اگر کوئی صلاح آپ چاہیں کہ وہاں کے کسی شخص سے لے سکیں ناممکن ہوگی ...... یہ برتاؤ عام لوگوں کے ساتھ ہے، خاص لوگوں کے ساتھ علانیہ تو ایسا نہیں کرتے مگر در پردہ وہ یہی تمام باتیں ان کے ساتھ بھی کی جاتی ہیں..... سودے سلف میں تبرکات کی خریداری میں مطوف کا حق لازمی ہے جس کا پتہ آپ کو نہ چلے گا جیسے بنارس یا لکھنؤ کے دلال ساتھ ہو لیتے ہیں اور اشارہ کے ساتھ خریداری میں حق قائم ہو جاتا ہے" صہ ۵۵ - ۵۶

آگے مکان کے کرایہ، خیمہ کے کرایہ وغیرہ میں معلم صاحبان کے "حقوق" کا تذکرہ کرنے کے بعد آخر میں کہتے ہیں۔

"یہ تو چند ظاہری باتیں ہیں جن کو میں نے ظاہر کیا، ورنہ اس کا منشا یہی رہتا ہے کہ دھوکے سے فریب سے منت سے جس طرح ہو آپ سے حاصل ہی کرتا جائے" (ص ۵۷)

یہ الفاظ ایسے شخص کی زبان سے نکلے ہیں جس کی فیاضیاں حد اسراف تک پہونچی ہوئی ہیں، اور جس کی داد و دہش کی صوبہ بھر میں شہرت اور جس کو خود اپنے معلم سے مطلق کوئی شکایت نہیں پیدا ہوئی۔

خان بہادر عبدالرحیم صاحب نقشبندی، علاقہ پنجاب کے رہنے والے مدراس میں محکمہ سروے کے کسی معزز عہدہ پر ممتاز تھے ۱۹۱۱ء میں انھوں نے سفر حج کیا اور سفر حرمین الشریفین کے عنوان سے اپنا مفصل و مبسوط سفرنامہ تین حصوں میں شائع کیا اس میں معلم صاحبان کے حالات و اسرار خاصی تفصیل سے بیان کئے ہیں، سب کی نقل کی گنجائش نہیں جستہ جستہ فقرے کافی ہوں گے فرماتے ہیں۔

"گو یہ امر بدمزہ ہے اور طبیعت پر اس کے اظہار سے ناگواری اور گرانی ہے، کیونکہ یہ اغیار کی برائی نہیں بلکہ خود اپنے عیب دوسری اقوام کے روبرو بیان کئے جاتے ہیں، مگر ان واقعات کا چھپانا جو حجاج کی ایذا کے باعث اور عرب کی بدنامی کے موجب، اس سے بھی زائد ناگوار ہے بس کہنا ہی پڑا کہ علی العموم ان بزرگوں (یعنی معلموں)

سے ہندوستانی حجاج کو سخت ایذا و تکلیف پہونچتی ہے...... جس وقت حجاج جدہ شریف آتے ہیں، تو یہ لوگ خود یا اپنے مطوفوں کو جدہ روانہ کر کے حجاج کو اپنے دام میں کر لیتے ہیں..... حاجیوں کو یہ لوگ کھیتی سمجھتے ہیں، اور سالانہ پیداوار جہاں تک ممکن ہو نکالنے میں کوئی دقیقہ فرد گذاشت نہیں کرتے...... جہاں تک ان سے ممکن ہوتا ہے حجاج کو لوٹتے ہیں، اور کسی طرح اپنے سال بھر کے گزارے کا مبلغ جمع کر لیتے ہیں....... انتہا یہ ہے کہ مطوفین ...... امیر حاجی کو لنگوٹی بندھوا کر چھوڑنا زیادہ ثواب سمجھتے ہیں یہ حالت عام ہے شاذ کا ذکر نہیں، خوف میں ڈالنا غلط خبریں سنا کر روحی ایذا پہونچانا تو معمولی باتیں ہیں...... ناواقف ہندوستانیوں کے لیے یہی کافی ہے کہ فلاں مطوف مکی ہے مکہ کے رہنے والے ہندوستانیوں کی نظر میں معصوم اور واجب التعظیم ہیں۔ خواہ ان کے افعال کچھ ہی کیوں نہ ہوں..... جو کچھ میں نے لکھا ہے میرا اور مختلف حجاج کا تجربہ ہے" (ص ۲۳۹ تا ۲۴۲ حصہ اوّل)

امرتسر کے ایک صاحب محمد شریف ہیں۔ انھوں نے ۱۹۲۷ء میں سفر حج کیا، اور واپسی پر اپنا مختصر سفرنامہ ۳ جزو کا شائع کیا، معلوم ہوتا ہے کہ بزرگوں کی آنکھیں دیکھے ہوئے ہیں، اس چھوٹے سے رسالہ کے اوراق میں بار بار اس کی تاکید کرتے ہیں کہ جو کچھ گزرے حاجی کو چاہیئے صبر تحمل کے ساتھ اسے برداشت کرے

جو امور ناگوار طبع پیش آیں انھیں اللہ کی جانب سے آزمائش سمجھے وقس علیٰ ہذا،
لیکن ان مواعظ اور نصائح کے باوجود یہ لکھنے پر مجبور ہیں کہ:۔

"عموماً یہ سنا گیا ہے کہ مکہ شریف میں بہت سے معلم لوگ اپنے فرائض پوری طرح ادا نہیں کرتے جس کی وجہ سے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے یہ شکایت خانہ کعبہ میں (غالباً حرم شریف مراد ہے) لوگوں کی زبانی سنی جاتی تھی۔ ...... ہم کو بھی اپنے معلم سے تکلیف ہی ہوئی اور کوئی ایسا آرام اس سے نہیں ملا" (ص ۳۷)

اس کے آگے اپنی تکلیف کی تفصیلات لکھی ہیں، یہ تکلیفیں وہی ہیں جو اکثر وبیشتر حاجیوں کو معلموں کے ہاتھوں پیش آتی رہتی ہیں۔ مثلاً عین وقت پر باوجود ہر طرح کے پختہ وعدوں کے سواری کے انتظام سے جواب دے دینا، سواری کا سامان (شغدف وغیرہ) باوجود پوری قیمت لینے کے، بوسیدہ اور تکلیف دہ قسم کا دینا مکہ ہی سے روانگی کے وقت سواری بہم پہنچانے میں مطلق مدد نہ دینا، وغیرہ وغیرہ۔

معلم حضرات اگر صرف اسی پر بس کرتے کہ حاجیوں سے زیادہ سے زیادہ وصول کر لیا کرتے اور اس کے بعد حاجیوں کو پوری طرح اعمال حج ادا کرنے دیتے تو بھی زیادہ مضائقہ نہ تھا، معلم بیچاروں کا آخر ذریعہ معاش ہی حاجیوں کی آمدنی ٹھہری، لیکن اصلی رونا ان کی حرص وہوس کا نہیں بلکہ قیامت یہ ہے کہ رہبری کا دعویٰ کر کے رہزنی کرتے ہیں۔ مدعی اس کے ہوتے ہیں کہ حج صحیح طریقہ پر

کرادیں گے، مگر ہوتا اس کے برعکس عموماً یہ ہے کہ انھیں معلموں کے باعث خدا معلوم کتنے مستحبات چھوٹ جاتے ہیں، سنن رہ جاتے ہیں، اور کتنی بیش بہا گھڑیاں محض ضائع ہو جاتی ہیں، پھر ان کی وجہ سے قلب کو جس تشویش و خلجان کا شکار بننا پڑتا ہے اور عین شکستگی و فروتنی کے وقت زبان پر جیسے ناملائم کلام آتے ہیں، یہ سب مستزاد مولانا گنگوہی کے خلیفہ مولانا خلیل احمد مرحوم و مغفور سہارنپوری (شارح ابوداؤد) شریعت و طریقت کے جامع بزرگ حج کے موقعہ پر ۹ ذی الحجہ کو منیٰ میں قبل طلوع فجر اپنے نوافل معمولہ میں مصروف تھے کہ معلم صاحب نے آکر شور مچانا شروع کر دیا، کہ عرفات کے لیے فوراً روانہ ہوں، اس ہنگامہ میں سکون قلب کے ساتھ نماز میں مشغول رہنا مولانا ہی کا کام تھا، سلام پھیرنے کے بعد غصہ کے ساتھ معلم سے ارشاد ہوا کہ ہم نے تمھیں مطوف قرار دیا ہے، اُستاد یا پیر نہیں قرار دیا ہے، ہم شروق آفتاب سے ایک منٹ پہلے بھی نہیں اٹھیں گے، جمالوں کو اپنے اونٹوں پر اختیار ہے اپنے اونٹوں کو لے جائیں، ہم پیدل انشاء اللہ عرفات پہونچ جائیں گے (تذکرۃ الخلیل ص ۲۶، ۲۷ ملخصاً) ان چند شہادتوں سے اندازہ ہو گیا ہوگا کہ عالم، عامی، صوفی، رئیس جس کسی کو بھی حج کی سعادت نصیب ہوئی ہے، اسے ساتھ ہی معلم صاحبان کی ان عنایتوں کا بھی لذت آشنا ہونا پڑا ہے، گویا ع

جو تری بزم سے نکلا سو پریشاں نکلا

ان معلموں ہی کے طائفہ عالیہ کی شان میں ہے، بدویوں کی لوٹ مار کے افسانے آج سے چند سال قبل ہر شخص کی زبان پر تھے، معلموں کے کارنامے ابتک

عام نظروں سے مخفی ہیں، ـــــــ ظاہر ہے کہ کسی طبقے کے سب افراد یکساں نہیں ہوتے، یہ جو کچھ لکھا جا رہا ہے، ایک عمومی اور اکثری حیثیت سے لکھا جا رہا ہے بعض معلم صاحبان یقیناً کلیہ میں مستثنیات کی حیثیت رکھتے ہیں، ناظر یار جنگ بہادر کے معلم (جو شاید حیدر آبادی حجاج کے معلم ہیں) میں نے خود دیکھا کہ وہ اپنے حاجیوں کی خدمت گزاری پوری توجہ و تندہی سے کر رہے تھے اور بعض ثقہ بزرگوں سے معلوم ہوا کہ سید امین عاصم مرحوم کے پوتے سید عقیل عطاس معلموں کے طبقہ میں ایک یگانہ ہستی ہیں[1]۔

---

[1] عبد القادر سکندر مرحوم پچھلے سال راہی ملک بقا ہو چکے۔ اور اپنی وفات سے کئی سال قبل مجھ سے اپنی تمام کوتاہیوں اور لغزشوں پر معافی طلب کر چکے تھے۔ اللہ ان کی توبہ کو قبول فرمائے اور ان کے سیئات کو حسنات سے بدل دے، ناظرین بھی ان کے حق میں دعائے خیر فرمائیں۔

مرحوم کثیر الاولاد تھے۔ ان کے دو لڑکے شاکر سکندر اور عبد الہادی سکندر اب بھی لکھنؤ ہی میں مستقل سکونت رکھتے ہیں (پتہ:۔ عرب ہاؤس مولوی گنج لکھنؤ) اور یہی پیشہ معلمی رکھتے ہیں۔ اور اپنے بیان سے تو بہت سدھرے ہوئے معلوم ہوتے ہیں جو صاحب ان کا تجربہ کرنا چاہیں، اس سفرنامہ کی کوئی بھی عبارت اُن کی راہ میں حائل نہ ہو۔

باب (۳۹)

جدّہ، جہاز

"جملہ معترضہ" ختم ہوا، کئی ورق کا طویل و عجیب "جملہ" اور صرف نحوی اصطلاح میں نہیں۔ اپنے لفظی معنی میں بھی "معترضہ" ہی تھا اور معلموں کی چیرہ دستیوں سے حاجیوں کو آگاہ اور خبردار کرنے کے لیے یہ جملہ معترضہ سفر نامہ کا ضروری جزو تھا اب پھر اصل سفر کی داستان شروع ہوتی ہے۔ عشاء کا اول وقت شروع ہو چکا تھا، جب مجمع کو چیرتے ہوئے ہم سب لوگ اعرابیوں پر سوار، مکہ کی آبادی سے باہر اس مقام پر پہونچے جہاں روانگی کے لیے سواریاں ملتی ہیں، سوار پہونچ گئے، لیکن سواری ندارد! ساری رات میدان میں گزاری، کچھ وقت معلم صاحب کے ساتھ زق زق بق بق میں گزرا، اور باقی سونے میں صبح ہوئی نماز فجر پڑھی۔ آفتاب نکلا، چائے اور ناشتہ سے فراغت کی، سواری کا اب بھی پتہ نہیں! دیر کے بعد معلوم ہوا کہ فرلانگ دو فرلانگ پر سرکاری تھانہ ہے، صلاح ٹھہری کہ وہاں چل کر قسمت آزمائی کرلی جائے شاید کہ پولیس کچھ دستگیری کر سکے۔ ــــــ توکل کا یہ مرتبہ کہاں نصیب تھا کہ اللہ کے گھر میں آکر تو اللہ ہی پر بھروسہ کئے بیٹھے رہیں، خلق اللہ سے استعانت ناگزیر تھی ــــــ قافلہ سے ہم تین آدمی تھانہ پہونچے اور بہ مشکل

تھانہ دار صاحب کے ہاں باریابی نصیب ہوئی، بخدیوں کی عام ذہنیت کا کافی تجربہ ہو چکا تھا، پھر تھانہ دار صاحب تو ماشاء اللہ محکمہ پولیس کے ایک ذی اختیار عہدہ دار تھے، اور گو نسلاً بخدی ہوں یا نہ ہوں لیکن اپنے عہدہ کے اعتبار سے تو بہر حال حکومت سعودیہ ہی کے ایک رکن تھے، ان کے حسن اخلاق کا جو نمونہ دیکھنے میں آیا خدا نہ کرے وہ آئندہ کبھی کسی حاجی کو دیکھنا پڑے، مولانا مناظر صاحب نے حجاز آکر خوب خوب مجاہدے کئے تھے لیکن اس سرزمین پر ان کے لیے سب سے بڑا مجاہدہ شاید اس سفر کی سب سے اخیر گھڑیوں کے لیے اٹھ رہا تھا، گفتگو ہم مسافروں کی طرف سے وہی فرما رہے تھے، ان بیچارہ پر جو زبردست ڈانٹ ان تھانہ دار صاحب کی پڑی ہے اس کو صبر کے ساتھ برداشت کر لے جانا مولانا ہی کا ظرف تھا۔

صبح پانچ بجے ہو چکی تھی، ۷ بجے۔ ۸ بجے۔ ۸½، ۹ بجے خدا خدا کر کے مشکل آسان ہوئی، اور کوکب الشرق کمپنی (ایک مصری موٹر کمپنی کا نام ہے) کی ایک لاری ہم لوگوں کے لیے نظر آئی، رفیقان قافلہ اس میں سوار ہوئے، مجھے خود ایک چھوٹی موٹر میں جگہ مل گئی، اس موٹر پر مولانا شوکت علی کے داماد اور بھانجے عثمان علی خاں صاحب مع اپنے دو عدد رامپوری دوستوں کے آرہے تھے موٹر اور لاری کے درمیان کرایہ میں کچھ زیادہ فرق نہیں۔ لیکن آرام میں اچھا خاصا فرق ہے، موٹر وقت کم لیتا ہے۔ اس میں جھٹکے کم لگتے ہیں، بیٹھنے کی جگہ زیادہ

آرام دہ ہوتی ہے کرایہ اب خوب یاد نہیں فی کس ایک گنی سے غالبًا ایک آدھ روپیہ زائد ہے۔ مدینہ سے روانگی کے وقت یاد ہوگا کہ شہر سے ۱۲ر ذی الحجہ کو رخصت ہوئے تھے اور ۲،۷ گھنٹے کے انتظار کے بعد شہر پناہ کے پھاٹک سے ۴ر کی دوپہر کو نکلے تھے، اسی طرح شہر مکہ سے ۵ ار ذی الحجہ کو بعد مغرب روانہ ہوئے اور ۱۳۔۱۴ گھنٹے کے انتظار کے بعد ۱۶ر کو نماز چاشت کے وقت شہر پناہ سے باہر ہوئے، ہندوستانی وقت کے حساب سے کوئی ۱۰ بجے ہوں گے کہ حدود مکہ سے موٹر روانہ ہوگیا —— دیکھتے ہی دیکھتے یہ چند روز کا بابرکت زمانۂ قیام ختم ہوگیا۔ اب عمر بھر اسی کی یاد رہے گی، اور اسی کی حسرتیں، اسی کا دھیان رہے گا، اور یہیں کا ارمان! یہیں کی تمنائیں رہیں گی، اور یہیں کی آرزوئیں! اسی در کی طلب۔ اور اسی آستاں کی تڑپ، ایک خواب تھا کہ چشم زدن میں ختم ہوگیا، اب عمر بھر کی بیداریاں ہوں گی، اور تمنائے خواب! —— لیکن یہ یاس کا غلبہ اور مایوسی کا ہجوم کیوں؟ جس قادر علی الاطلاق نے بلا کسی حق واستحقاق کے ایک بار ان آنکھوں سے اس کی زیارت کرادی اس کے فضل وکرم سے کیا کچھ بعید ہے کہ ایک بار پھر، اور ایک ہی بار کی قید کیوں، بار بار پھر جیتے جی، اس جنت ارضی کی سیر کرادے، اور کراتا رہے؟ لائے اور پھر لے جائے اور پھر لائے اور بار بار لائے اور ایسا لائے کہ پھر اس جسم ناسوتی کو جنت البقیع یا جنت المعلیٰ کے احاطہ میں حشر تک کے لیے سلادے۔! یہیں سلائے اور یہیں سے اٹھائے! "زندگی" کی طلب رکھنے والوں کو انگلستان اور فرانس اور امریکہ اور روس کی

سیر مبارک، لیکن "موت" کے دامن میں پناہ ڈھونڈھنے والا حجاز والے کے سوا کس کا آسرا لگائے؟ "جنت نظیر" کی آرزو والے "کشمیر" اور "جنت نشان" کی تمنا والے ہندوستانی فرنگستان کی گلگشت میں مصروف رہیں لیکن "جنت نظیر" اور "جنت نشان" کی شاعری کا معتوں نہیں۔ خود جنت کی حقیقت کا بھوکا، اور اگر ادھر نہ آئے تو کدھر جائے -؟

موٹر کا سفر بحمد اللہ ہر طرح خوشگوار و آرام دہ رہا اور گومئی کی ۲۵ رہتی موسم بہت زائد سخت نہ تھا، موٹر اچھا تھا، مصری شوفر اچھا تھا، ہندی رفقا اچھے تھے۔ درمیان میں ذرا کی ذرا بحرہ میں ٹھہرے، یہاں چائے کی میز پر چند جاوی حاجیوں کا ساتھ رہا۔ ایک دوسرے کی زبان سے یکسر اجنبی۔ اس پر بھی ملاقات پر لطف و شگفتہ رہی۔ ڈھائی گھنٹہ میں جدہ کی عمارتیں دکھائی دینے لگیں، اور چند منٹ کے بعد موٹر اپنی جگہ پر آکر ٹھہر گیا، آج ہندوستان کی ڈاک کی تقسیم کا دن تھا۔ وطن چھوڑنے کے بعد یہ پہلی اخباری ڈاک تھی جو سرزمین عرب پر ملنے والی تھی، عزیزوں کی خیریت میں دوستوں کے ذاتی حالات میں، اور ملک کے عام قومی کیفیات میں دل لگا ہوا تھا، اپنی ڈاک پوسٹ ماسٹر جدہ کے پتہ پر طلب کر آیا تھا۔ موٹر سے اترتے ہی دوپہر میں پیدل ڈاک خانہ پہونچا یہ معلوم کرکے مایوسی ہوئی کہ ڈاک کے جہاز کی آمد ہے لیکن ابھی آ نہیں چکا ہے۔ مجبوراً واپس ہوا اور اپنے وکیل صالح بسیونی کے مکان پر پہونچا۔ بیسیوں تلفلے اس

وقت سے کہیں بیشتر جدہ پہونچ چکے تھے اور اکثروں کے ٹکٹ کا انتظام ہوچکا تھا وکیل صاحب کے مکان کے اندر ہجوم اور باہر ایک میلہ سا لگا ہوا! ہم لوگوں کے پہونچنے میں اچھی خاصی تاخیر ہوئی ـــــ وہی معلم صاحب کی عنایت ـــــ اور اس اثناء میں جہاز کی سب جگہیں بھر چکیں۔ بمبئی کے لیے ٹرنر موریسن کمپنی کا پہلا جہاز "رحمانی" کل ہی پرسوں روانہ ہونے والا ہے اس کی گنجائش بھر کے مسافر سب آچکے، اب بھلا اس پر جگہ ملنے کی کیا صورت؟ وکیل صاحب نے بھی مایوس کردیا اور جہازی کمپنی کے دفتر والوں نے بھی۔ کمپنی کے دفتر ہی میں تھا کہ اتفاق سے منشی احسان اللہ خاں صاحب وائس کانسل وہاں آگئے ٹکٹوں کا معاملہ انھیں کے ہاتھ میں ہے مگر انھوں نے اپنے ہاں کے قاعدے اور ضابطے ایسے مقرر کر رکھے ہیں کہ اگر کسی شخص کے ساتھ خاص رعایت اور عنایت کرنا چاہیں بھی تو آسانی سے نہیں کرسکتے ہر شخص کو اس کے نمبر ہی پر ٹکٹ ملے گا۔ اس لیے ان سے جو گفتگو ہوئی وہ بھی کچھ امید افزا نہ تھی۔

میں خود تو جدہ پہونچ گیا۔ لیکن رفقا کہاں ہیں؟ موٹر پہونچے ہوئے مدت ہوگئی لیکن ساتھیوں کی لاری کا ابتک پتہ نہیں۔ موٹر مانا کہ لاری سے قبل پہونچتی ہے لیکن بس وہی گھنٹہ پون گھنٹہ قبل، اس سے زائد کا فرق تو نہ ہونا چاہیئے۔ گھنٹہ گزرا، ڈیڑھ گھنٹہ، دو گھنٹے، تین گھنٹے، چار گھنٹے، مجھے پہونچے ہوئے ہوگئے، میں ظہر کے اول وقت پہونچا تھا، اب عصر کا اوسط وقت ہوگیا

اور لاری کا کہیں پتہ نہیں، گھبرا کر بار بار وکیل صاحب سے دفتر "کوکب الشرق" کو ٹیلیفون دلواتا تھا، اور وہاں سے کوئی جواب نہیں ملتا تھا، جب بالکل شام ہونے لگی تو استغاثہ لے کر منشی احسان اللہ صاحب کے مکان پر گیا، وہ خود تو موجود نہ ملے، البتہ ان کے ہاں ہمارے ملک کے مشہور واعظ مولوی حاجی نثار احمد صاحب کانپوری (مفتی جامع مسجد آگرہ) مل گئے اور بڑے اخلاق و تپاک سے ملے وہ ماشاء اللہ متعدد حج کر چکے ہیں اور یہاں کی زبان، جغرافیہ، حالات سب سے خوب واقف ہیں۔ بیچارے ازراہ ہمدردی از خود میرے ہمراہ ہو گئے اور کمپنی کے دفتر کی تلاش میں نکلے اور جب وہاں پہنچ کر بھی کوئی نتیجہ نہ نکلا تو اب اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ رضا بالقضاء پر مجبوراً عمل کر کے شہر پناہ کے پھاٹک پر کھڑے ہو کر صبر کے ساتھ انتظار دیکھا جائے، اتفاق دیکھئے کہ جوں ہی پھاٹک پر پہونچے پہلی لاری جو دکھائی دی وہ ہمارے ہی قافلہ کی تھی، عین غروب آفتاب کا وقت تھا گویا مکہ سے جدہ تک جو فاصلہ میری موٹر نے ڈھائی گھنٹہ میں طے کر لیا تھا وہ اس لاری نے ۷½ گھنٹے میں طے کیا! ساتھیوں سے معلوم ہوا کہ راستہ میں ہر قسم کی افتاد، شوفر کی حرکتوں سے لاری کو پیش آتی رہی یہاں تک کہ ایک بار اسکی سگریٹ کی چنگاریوں سے لاری میں آگ بھی لگ گئی، اور کپڑے جلنے شروع ہو گئے لیکن بے درد شقی القلب شوفر کسی قسم کی مدد و ہمدردی کرنا الگ رہا، لاری کو روکنے تک کا روادار نہ ہوا! مولانا مناظر صاحب اور دوسرے رفقا برابر "النار" "الحریق الحریق" پکارتے رہے

اور صراحیوں کا پانی ڈال ڈال کر جس طرح بن پڑا آگ بجھائی ورنہ اگر جانیں بھی چلی جاتیں تو کچھ بعید نہ تھا۔ کوکب الشرق کمپنی کی گاڑیوں کا ایک ہی تجربہ ہوا، اور خدا نہ کرے اس تجربہ کے اعادہ کی نوبت آئے۔

رحمانی بمبئی کے لیے ۸ ارذی الحجہ کو روانہ ہو رہا تھا، اس پر جگہ ملنے سے بالکل مایوسی تھی اور خیال یہی تھا کہ دوسرے جہاز کے انتظار میں ابھی کئی دن جدہ میں پڑا رہنا ہوگا لیکن رحمت باری کو مایوس دلوں کو شگفتہ کرتے کیا دیر لگتی ہے ___ اور اس سفر کے دوران میں تو اس کا مشاہدہ قدم قدم پر کرایا گیا ___ ۷ ارکی صبح کو جب منشی احسان اللہ صاحب کے ہاں ملنے گئے تو کچھ دیر کے بعد معلوم ہوا کہ اسی جہاز میں پورے قافلہ کے لیے جگہ نکل آئی ہے، یہ احسان تمام تر اللہ ہی کا تھا، لیکن احسان کا داسطہ "احسان اللہ" کی ذات کو بنایا گیا منشی صاحب کی عنایت و نوازش کی جب کوئی داد دیتا ہے تو وہ چڑھنے سے لگتے ہیں. اور چشم تصور یہ دیکھ رہی ہے کہ منشی صاحب سفر نامہ کی ان سطور کو پڑھتے جاتے ہیں اور ان کا استقبال بجائے تبسم کے چین ابرو سے کر رہے ہیں لیکن ___ دوسروں کا تجربہ جو کچھ ہو اور جس شخص کو ہزارہا اہل حاجت سے سابقہ رہتا ہے اس کے لیے سب کو مطمئن در ضامند رکھنا آسان بھی نہیں ___ اپنا تجربہ تو ان کے متعلق یہی ہوا کہ انھوں نے اسم بامسمیٰ ہونے کا ثبوت دیا، اور علاوہ ٹکٹ میں مدد دینے کے جس کی اُس وقت نہایت درجہ قدر ہوئی، کھلانے پلانے میں جائے

پلانے اور کھانا کھلانے میں جس لطف و مدارات کا برتاؤ کرتے رہے، اس سے تو رہ رہ کر دھوکا ہوتا تھا، کہ کوئی نئے شناسا نہیں بلکہ پرانے بے تکلف دوست ہیں اور (احباب پنجاب معاف فرمائیں) پنجاب کے باشندے نہیں اودھ کے رہنے والے ہیں! ٹرنر مارسین کے دفتر کے قاضی عزیز الدین صاحب سے بھی ایکی زیادہ سابقہ رہا ضلع بارہ بنکی کے قصبہ سیدن پور کے رہنے والے گویا اپنے ہموطن تھے انھوں نے اگر بالکل عزیزوں کا سا برتاؤ کیا تو ان سے اسی کی توقع بھی تھی۔ جدہ سے روانگی کے وقت ہم میاں بیوی انھیں کے موٹر لانچ پر روانہ ہوئے، کمپنی کے ایجنٹ اور شہر جدہ کے حاکم حاجی عبد اللہ علی رضا زینل کے اخلاق کی کیا تعریف ہو چہرہ کی نورانیت نورِ باطن کا آئینہ، پردیسیوں کے حق میں آیۂ رحمت، شیخ عبد الرحمن الفضل سے بھی ملاقات رہی، ان کی محبتیں اور خاطر داریاں بھی بھولنے کی چیز نہیں اور شیخ نصیف کا آرام دہ اور پر فضا چبوترہ، مئی کے آخری ہفتہ کی گرمی اور جدہ میں حاجیوں کا ہجوم۔ اگر ایکی بھی فرطِ کرم سے شیخ نے اپنا چبوترہ عنایت نہ کر دیا ہوتا تو خدا معلوم دو راتیں کس طرح بسر ہوتیں، جدہ میں رہنے والے، گویا اللہ کے گھر کے ڈیوڑھی بان ہیں، حجاج کی خدمت کرنے اور انھیں آسائش پہونچانے کے انھیں بہترین مواقع حاصل ہیں۔ خوش نصیب ہیں وہ افراد جو ان موقعوں کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے اور انھیں اپنے لیے توشۂ آخرت بناتے جاتے ہیں!

۱۷، ذی الحجہ اتوار کا دن، ملنے جلنے سامان سفر درست کرنے اور اشیاء

کی خریداری میں گزرا ہندوستان سے ڈاک خدا خدا کرکے آئی، سہ پہر کو تقسیم ہوئی، لیکن میری ڈاک کا ایک بہت قلیل جزو آیا صرف ایک پلندہ تھا جس کے اندر چند اخبارات لپٹے ہوئے تھے۔ میرے اندازہ میں ایسے ایسے پندرہ بیس پلندے ہونے چاہیے تھے، معلوم ہوتا ہے بقیہ ڈاک آئندہ جہاز سے موصول ہوگی پوسٹ ماسٹر صاحب کے پاس اپنا ہندوستان کا پتہ چھوڑے جاتا ہوں، اب جو ڈاک آئے گی وہ وہیں واپس کردیں گے، خیال یہ تھا کہ ڈاک یہاں مل جاتی تو جہاز پر اسے دیکھ ڈالتا۔ اور ہندوستان پہونچتے پہونچتے پھر دنیا کے حالات سے باخبر ہوجاتا۔ خیر ۲۰ ذی الحجہ، ۲۰ مئی دوشنبہ کا دن تھا کہ صبح سویرے اپنا اسباب ٹھیلوں پر لاد کر ساحل کی طرف روانہ کردیا، سب قافلے والے ہمراہ گئے اور ساحل سے کشتی کرایہ کرکے جہاز کے لیے روانہ ہوئے جہاز دو ڈھائی میل کے فاصلہ پر سمندر میں اور بہت سے جہازوں کے ہجوم میں کھڑا تھا، وکیل صاحب کے مطالبات دے دلاکر، کچھ دیر کے بعد ہم دونوں میاں بیوی ٹرنر ماریسن کے موٹر پر روانہ ہوئے اور بہت جلد جہاز تک پہونچ گئے، جدہ میں کشتی سے جہاز پر چڑھنے کا مرحلہ سخت ہوتا ہے، کشتی برابر ہلتی رہتی ہے، اس سے بھی کہیں بڑھ کر لوگوں کا دھکم دھکا، سیڑھی پر ایک وقت میں ایک ہی آدمی چڑھ سکتا ہے اسباب کے چھوٹ جانے کا اندیشہ مزید برآں بہرحال ناتواں اور ضعیفوں کو اس وقت بڑی احتیاط کی ضرورت ہے، گو خدا کے فضل سے کوئی حادثہ عموماً پیش نہیں آتا، لیکن اس کا خطرہ ہر وقت لگا رہتا ہے۔ رحمانی ٹرنر ماریسن کمپنی کا نو تعمیر جہاز ہے ۱۹۲۸ء

یں تیار ہوا ہے، اور اس کے کل جہازوں میں سب سے بڑا، سب سے بہتر اور سب سے وزنی ہے۔[1] ۵۲۹۱ ٹن کے وزن کا ہے، کمرے اکبر کے کمروں سے بڑے بھی اور زیادہ آرام دہ بھی، سکنڈ کلاس میں بھی پنکھے موجود، اکبر پر پندرہ سو مسافر تھے اس پر سترہ سو ہیں۔ جہاز کا عملہ اس کے علاوہ ۹ بجے تک ہم لوگ پہونچ گئے تھے ۵، ۶ گھنٹے کے بعد سہ پہر کو روانگی کی سیٹی ہوئی اور جہاز وطن کی طرف روانہ ہوا ــــــ "وطن"! کیا خدا کی شان ہے، حجاز کا مسافر ہندوستان کو "وطن" لکھ رہا ہے اور سمجھ رہا ہے! یہ وہی مسلم خانماں برباد ہے جو کبھی حجاز سے آیا تھا اور جس کے باپ دادا کی رگوں میں حجازی خون گردش کر رہا تھا، چند صدیوں کے بعد وطن پردیس ہو گیا ہے اور پردیس وطن کے حکم میں داخل ہو گیا ہے! حجاز اب اس کے لیے پردیس ہے! اور مکہ اور مدینہ کے جوار میں اب اپنے تئیں وہ غریب الوطن سمجھ رہا ہے!

---

[1] بعد کو رحمانی ہی کے پیمانہ کے اور جہاز اسلامی وغیرہ بھی مغل کمپنی (جس کا نام اب مطرز مارٹین نے "ٹرنچ لائن" مشہور کر دیا ہے) نے تیار کرا لیے اور ان کا تازہ ترین جہاز "مظفری" تو سنا ہے ان سب سے ہی بڑا اور بہتر ہے ــــــ جہاز کے آرام دہ ہونے میں اس کے وزن کو بھی اچھا خاصا دخل ہوتا ہے اس لیے متن میں سب سے "وزنی" کو کوئی بے معنی فقرہ نہ سمجھا جائے۔

باب (۴۰)

جہاز، بمبئی، وطن

جاتے وقت اکبر پر گئے تھے ــــ "اللہ اکبر" کی بڑائی اور کبریائی پکارنے والوں کی سواری کے لیے "اکبر" سے زیادہ موزوں جہاز اور کون ہو سکتا ہے؟ ــــ واپسی کے وقت رحمانی پر سوار ہونا نصیب میں آیا، حج ذرّہ کو آفتاب بنا دیتا ہے، پھر اگر واپس ہونے والوں کے ساتھ رحم و رحیمیت کے معاملات شروع ہو گئے ہوں اور تمام تر رحمت و رحمانیت کے کاروبار ہونے لگے ہوں تو دل "رحمانی" کے نام سے کیوں نہ تفاؤل کرے! اور رحمٰن و رحیم کے مرحمت و غفران کے بیشمار حیلوں اور بے حساب بہانوں میں ایک تازہ عنوان کا اضافہ کرتے کیوں ہچکچائیے؟ "رحمانی" صرف جہاز ہی کا نام کیوں سمجھئے؟ سواری پر جتنے سوار تھے اگر وہ سب کے سب رحمانی ہوں، اگر ان سب کا شمار رحمانیوں میں ہو گیا ہو تو خدائے رحمان و رحیم کے رحم و کرم سے کچھ بھی بعید ہے؟ کسی کی بڑائی پکارنے والے دل ہوں یا نہ ہوں، بڑائی پکارنے والی زبانیں تو سب ہی کی تھیں، اور خود اس بڑے کا دیدار روحانی نہ سہی، اس بڑے گھر کی زیارت کرنے والی مادّی آنکھیں تو ہر ایک کی تھیں، پس اگر واپسی کے وقت بحر قدرت

کے عبور کے لیے سفینہ رحمت و رحمانیت عطا کر دیا گیا ہو تو اس پر حیرت کیوں کیجیے؟۔

رحمانی اس وقت تک ٹرنر مارین کے جہازوں میں سب سے بہتر ہے سب سے زیادہ وسیع اور سب سے زیادہ آرام دہ، اول درجہ کے کیبن، دوسرے جہازوں سے زیادہ گنجائش اور آرام دہ، بعض بعض کیبن بجائے دو آدمیوں کے چار آدمیوں کے لیے، سکنڈ کلاس میں پنکھے لگے ہوئے۔ ہر کیبن کے اندر پائپ میں پانی کے از خود آجانے کا انتظام، موجود نہ یہ کہ پانی والا، پانی کے خزانہ میں الگ سے لا کر پانی انڈیل جائے شروع کے کسی نمبر میں بیان ہو چکا ہے کہ جاتے وقت اکبر جہاز میں جگہ سب سے اوپر کپتان کے کمرہ سے متصل مل گئی تھی، اس وقت تو مولانا شوکت علی کی عنایت تھی، واپسی میں اس جگہ کے ملنے کی کیا توقع ہو سکتی تھی لیکن جو خدائے مہربان بمبئی میں تھا وہی جدہ میں بھی تھا، ایکی اس نے کسی بیرونی کرم فرما کے نہیں بلکہ خود ٹرنر مارین کمپنی کے ایجنٹ، اور حاکم جدہ حاجی عبد اللہ علی رضا زینل کے دل میں نیکی ڈال دی، انھوں نے کپتان کے نام چھٹی لکھ بھیجی چنانچہ جب جہاز پر آنا ہوا تو دیکھا کہ وہ ہی سب سے اوپر عرشہ میں کپتان کے کمرہ کے متصل کمرہ، اس عاجز و گمنام کے لیے محفوظ اور خالی! کپتان سے قدرۃً ہر وقت کا سابقہ، اسی کپتان کا نام لک ہے گو نیکی اور خوش مزاجی میں کپتان وارڈ سے کمتر ہے لیکن مستعدی کارگزاری و خوش تدبیری میں اس سے بڑھا ہوا ہے، جہاز کے دوسرے کارکن بھی مستعد و کارگزار رہیں، مسافروں کی خاصی بڑی تعداد

حسب معمول بنگالی حاجیوں کی بے پیشاوری وسرحدی بھی بکثرت ہیں، اپنے قافلہ کے علاوہ پرانے ساتھیوں میں چودھری محمد علی ردولوی مع اپنے دداؤں کے بکس اور اپنی بیمار لیکن نہایت ہمدرد وشریف خصلت زوجہ مکرمہ کے ابکی بھی ہم سفر ہیں، خوش مزاجی کی دھوم پہلے ہی سے تھی، اب حج کی برکت سے ماشاءاللہ عملی ہمدردیوں اور خدمت گزاریوں پر زیادہ مستعد ہو گئے ہیں، ایک ایک کے علاج وتیمارداری کے لیے موجود۔ نئے ساتھیوں میں ڈپٹی امیر احمد صاحب علوی کاکوروی، اور بنگال کے مشہور خلافتی کارکن محمد اکرم خاں صاحب (ایڈیٹر محمدی کلکتہ) کا ساتھ بھی ہر طرح خوشگوار ودلچسپ رہا۔

اب پھر وہی ڈیڑھ ہفتہ کے لیے لق ودق اور اتھاہ سمندر سے سابقہ خشکی اور خشکی کی ہر شے سے دوری اور بے تعلقی، نہ پہاڑ نہ جنگل، نہ شہر نہ دیہات نہ چرند نہ پرند، نہ باغ نہ مکان، نہ شجر نہ حجر، نہ سڑک نہ دوکان، بس ہر وقت اور ہر سمت عالم آب، اوپر نیلا آسمان اور نیچے نیلا سمندر، نہ کہیں اسٹیشن نہ قیام، دن رات مسلسل روانی ہی روانی۔ کامران میں بھی ٹھہرنا نہیں بس بمبئی تک برابر چلتے ہی رہنا ہے۔ کچھ تو حج کی برکت اور کچھ اس لیے کہ طبیعت مانوس ہو چکی ہے، واپسی میں سمندر کی دہشت اور سمندر سے وحشت کسی قدر کم ضرور ہو جاتی ہے، لیکن جاتی نہیں رہتی، وطن کا شوق دل پر غالب کہ کل کے پہونچتے آج ہی پہونچ جائیں، اور انتظار کی ایک ایک گھڑی طبیعت پر گراں، لیکن

لیکن دن اور رات گھنٹے اور منٹ تو بہر حال اپنے وقت مقررہ ہی پر پورے ہوں گے۔ ہر روز خوش خوش حساب لگ رہے ہیں اور اندازے ہو رہے ہیں کہ فلاں تاریخ فلاں وقت بمبئی پہونچیں گے، فلاں فلاں سے ملیں گے فلاں ٹرین سے روانہ ہوں گے، یوں وطن کو تار دیں گے، یوں وطن پہونچیں گے۔ کپتان سے سوالات کی بھر مار ہو رہی ہے اور جن بیچاروں کی رسائی کپتان تک نہیں۔ وہ خلاصیوں ہی سے پوچھ پاچھ کر دل کو تسکین دے رہے ہیں سب اپنے اپنے حال میں مست اور اپنے اپنے منصوبے میں مگن۔ لیکن سمندر کا تلاطم ہر منصوبے پر غالب اور ہوا کے ہول انگیز تھپیڑے ہر تخمینہ کے غارت گر!

سمندر میں برسات کا موسم اور برساتی ہوائیں بہت قبل سے شروع ہو جاتی ہیں کپتان وارڈ نے بتایا تھا کہ "۸ / ۱۰ جون تک بمبئی ضرور پہونچ جانا چاہیئے ورنہ برسات شروع ہو جائے گی اور بحری سفر میں برسات کا وسط نہیں۔ بلکہ ابتدائی اور آخری حصہ زیادہ خطرناک اور تکلیف دہ ہوتا ہے" چنانچہ ہم لوگوں نے مکہ سے روانگی میں جو اس قدر عجلت کی تھی اس کا ایک بڑا سبب یہی تھا، جدہ سے ۲۰ مئی کو روانہ ہوئے تھے، اب اطمینان تھا کہ خطرہ کے وقت سے قبل ہی انشاءاللہ بمبئی پہونچ جائیں گے، لیکن کیا انسان اور کیا انسان کا ارادہ اور اندازہ، تین چار دن تو سمندر کی حالت غنیمت رہی، اس کے بعد تیز و تند ہوائیں چلنی شروع ہو گئیں اور موجوں نے بلند ہو ہو کر جہاز سے ٹکریں کھانی شروع کیں، اس کیفیت کا پورا اندازہ

بغیر بحری سفر کا ذاتی تجربہ کئے ہو نہیں سکتا۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ سطح سمندر سے دس دس بارہ بارہ بلکہ پندرہ پندرہ بیس بیس فٹ اونچیں موجیں، ہر سمت سے اُمنڈ امنڈ کر اور بلند ہو ہو کر جہاز پر حملہ آور ہو رہی ہیں! اور ساتھ ہی جہاز ڈانواں ڈول ہونا شروع ہوا، اوپر کے عرشہ پر بیٹھ کر دیکھئے تو ابھی یہ نظر آرہا ہے کہ جہاز کا داہنا پہلو نیچا ہوتے ہوتے بالکل زیر آب ہو جانے کو ہے اور ابھی یہ نظر آرہا ہے کہ داہنا پہلو تو نکل آیا اور اب بایاں پہلو جھکتے جھکتے غرق ہونے پر ہے! دل کی گھبراہٹ کو چھوڑیئے، زبانوں پر واویلا کا بھی ذکر نہیں، ستم یہ ہوا کہ سروں میں بھی چکر آنے شروع ہو گئے، اور متلی کی بیماری پھیل گئی جسے دیکھئے بستر پر پڑا ہوا، جو اُٹھ کر چلا وہ لڑکھڑا کر گرا، کوئی دوران سر میں گرفتار، کوئی استفراغ میں مبتلا، الاماشاء اللہ! کچھ اللہ کے بندے محفوظ بھی رہے ——— نماز بہترین عبادت ہے لیکن نماز کے بعد ہی دعا و استغفار کا بھی حکم ہے، روزہ افضل ترین مجاہدہ ہے لیکن ختم رمضان پر معاً ادائے صدقہ فطر کا بھی ارشاد ہے، حج جیسے بابرکت سفر میں اپنی کوتاہیوں اور نفس پرستیوں سے جو جو آلائشیں اور کثافتیں جمع ہو جاتی ہیں ان کے تصفیہ و تنقیہ کے لیے اس اضطراری مجاہدہ سے بڑھ کر لطیف و پُر اثر نسخہ اور کیا ہو سکتا ہے!

دن جاتے اور راستہ طے کرتے دیر کیا لگتی ہے، ابھی نواح جدہ میں تھے ابھی کامران کے سامنے سے گزرنے لگے، بحر احمر ختم ہوا، بحر عرب شروع ہوا،

سقوطرہ سے گزرے، باب المندب سے نکلے، عدن کو پیچھے چھوڑا، ساحل عمان بھی نظر سے غائب ہوا، بحر ہند کی گہرائیوں کے اوپر آگئے لیکن وطن جوں جوں قریب آتا جارہا ہے سمندر کا تلاطم بڑھتا ہی جارہا ہے، گرمی کی شدت، برسات کی سی امس اس پر مستزاد جسم پسینہ میں شرابور، غسل سے بھی تسکین نہیں، جاتے وقت مسلم فوڈ سپلائی کمپنی کے کھانے کا انتظام اچھا تھا، اور انتظام میں اگر کچھ کمی تھی بھی تو منیجر اور اسسٹنٹ منیجر کی خوش اخلاقیاں اس کی تلافی کر دیتی تھیں۔ ایکی مرتبہ یہ کوئی صورت بھی نہ تھی، جو چیز مانگئے ہوٹل میں موجود نہیں، کھانا اول تو کھایا ہی کس سے جاتا تھا، بھوک غائب تھی لیکن جو کھانا چاہتے تھے انھیں ملتا ہی کیا تھا، جو خوشحال تھے انھیں مجبوراً انگریزی ہوٹل سے انتظام کرنا پڑا۔ جو بیچارے اتنا خرچ نہیں کر سکتے تھے اور اسی مسلم ہوٹل کے بھروسے پر تھے ان کی حسرت نصیبی قابل رحم تھی، کھانے سے کہیں بڑھ کر مصیبت پانی کی تھی، ٹھنڈا پانی عنقا! فرسٹ کلاس والے تک گویا نیم گرم پانی پینے پر مجبور! جہاز پر برف تھی اور روزانہ تیار ہوتی تھی لیکن اتنی قلیل مقدار میں کہ صرف انگریز افسران جہاز کے لیے کافی ہو سکے، جہاز کے انگریز اور غیر انگریز افسر اور ایجنٹ برف پی رہے ہیں، اور ٹھنڈے پھل (سنترے وغیرہ) کھا رہے ہیں، اور حاجی غریب (بڑے سے بڑا حاجی بھی ہر چھوٹے سے چھوٹے انگریز کے سامنے غریب ہی ہے) ہر قیمت ادا کرنے کو تیار، اس پر بھی قسمت میں تشنگی و خشک لبی ہی لکھی ہوئی!

واپسی کے وقت جہاز پر عموماً موتیں بھی خاصی تعداد میں ہوتی رہتی ہیں سفر

کی بے احتیاطیاں اور بدپرہیزیاں خاتمہ سفر پر رنگ لاکر ہی رہتی ہیں، خصوصاً جو لوگ لاغر و نحیف، مریض ضعیف الجثہ ہوتے ہیں اور ساتھ ہی اپنے آرام و آسائش کے لیے زیادہ خرچ بھی نہیں کرسکتے، وہ تو ہجوم، غذا، موسم، آب و ہوا وغیرہ کی سختیوں کو اور بھی برداشت نہیں کرسکتے، زیادہ تر موتیں اسی طبقہ میں ہوتی ہیں۔ ہمارے جہاز میں غالباً ۱۶، ۱۷ موتیں ہوئیں، دس دن کے عرصہ میں اور سترہ سو کی آبادی میں یہ تعداد کچھ ایسی زائد تو نہیں، تاہم دلوں میں دھڑکن پیدا کردینے کے لیے بہت تھی، ایک پچیس تیس سال کے جوان سرحدی کی موت جو نمونیا سے ہوئی اور ساحل بمبئی سے صرف چند میل ادھر ہوئی، بہت دردناک تھی، افریقہ کے ایک میمن تاجر مع اپنے حشم و خدم کے فرسٹ کلاس کے مسافر تھے، ان کی جوان بیوی کی وفات بھی بڑی حسرتناک ہوئی، شیرخوار بچی کو ماں باپ وطن چھوڑ آئے تھے، جہاز پر انتقال کے بعد غسل میں سخت دقت ہوئی، حاجیوں کا جہاز اور اس پر غسل و تکفین کا کوئی معقول انتظام نہیں! دِقّت تو مردوں کے لیے بھی پڑا کرتی ہے، عورتوں کے لیے اس سے بھی کہیں بڑھ کر پیش آتی رہتی ہے ——

لیکن ان خوش نصیبوں کی موت کا کیا پوچھنا! گناہوں سے پاک و صاف تازہ حج کیے ہوئے عرفات کی حاضری اور دیدار کعبہ سے مشرف، غریب الوطنی کی موت سمندر کی قبر، جنت کا راستہ سیدھا کھلا ہوا، جی میں آتا ہے کہ آنسو بہانے کے بجائے ان مرنے والوں اور مرنے والیوں کی خوش قسمتی پر جی کھول کر رشک کیجیے رحمت کا نزول ان پر بھی نہ ہوگا تو اور کس پر ہوگا! ۔

۷ار مئی (۸ار ذی الحجہ) کو دوشنبہ کا دن تھا، جب سہ پہر کے وقت جدّہ سے روانہ ہوئے تھے، ۱۴ر جون کو ایک ہفتہ پورا ہو کر دوشنبہ آگیا، اور وطن کی آتش شوق اب تیز سے تیز تر ہو گئی، دن کے گھنٹے اور رات کی گھڑیاں اب کاٹے نہیں کٹتی ہیں، ایک ایک دن پہاڑ ہو رہا ہے، بھوک اور پیاس سے حال ابتر، اس پر بھی سہ شنبہ کا دن سامان کے رکھ رکھاؤ ٹھیک ٹھاک میں بسر ہوا بستر بندھتے تھے اور کھلتے تھے، کھُلتے تھے اور پھر بندھتے تھے، بکس صندوق، سوٹکیس بیگ، ہنڈبیگ، بار بار بند ہوتے تھے، کھلتے تھے اور پھر بند ہوتے تھے، چہار شنبہ کو طوفانی حالت تیز ہو گئی، سمندر میں تلاطم تو تھا ہی، بارش بھی اچھی خاصی ہو گئی۔ جہاز پر بارش کا منظر خاصا مہیب و دہشت انگیز ہوتا ہے، کمزور دل والے بادل کی گرج، بجلی کی کڑک ہوا کے زور، بارش کے شور، اور فضا کے اندھیرے گھپ کو دیکھ کر سہمے جا رہے تھے، اور جہاز اس فضائے تیرو تار میں دوسرے جہازوں کو اپنے وجود سے مطلع کرنے کے لیے بار بار بھیانک سیٹیاں دے رہا تھا، کسی کا دل ناخدا سے اور کسی کا خدا سے اٹکا ہوا۔ دلوں میں ہول و اضطراب اور زبانوں پر دعا و استغفار، پورا طوفان تو نہ تھا، البتہ طوفان کا ایک ہلکا سا نمونہ ضرور دیکھنے میں آگیا، جہاز کے لاسلکی کے ذریعہ سے بمبئی دفتر خلافت کمیٹی، کو اپنی آمد کا تار دے دیا، اور جی بے اختیار یہ چاہ رہا تھا کہ تار ہی میں ناشتہ کی خصوصًا تازہ پھلوں کی بھی فرمائش کر دی جائے، چہار شنبہ کی شام کیسی خوش آئند شام تھی، جہازوں کی شکلیں اور دور دور کی عمارتیں سہ پہر ہی سے نظر آنی شروع

ہو گئی تھیں، غروب آفتاب کے بعد ساحل کی روشنیاں صاف دکھائی دینے لگیں ـــــ یہ روشنیاں کوئی نئی اور انوکھی نہیں بارہا کی دیکھی ہوئی ہیں لیکن آج کی سی کشش اور دل کشی ان میں کبھی بیشتر بھی محسوس ہوئی تھی؟ ـــــ شب کے دس بجے ہوں گے کہ جہاز سمندر میں ساحل سے فاصلہ پر لنگر انداز ہو گیا، اب صبح کو گودی میں داخل ہو گا اور کہیں نو دس بجے تک اترنا ہو گا، انتظار کس سے ہو گا اور یہ رات کیسے کاٹے کٹے گی!

بیت اللہ کے زائروں کے صبر و انتظار کا آخری لطیف مجاہدہ خدا خدا کر کے ختم ہوا۔ ۶ر جون پنجشنبہ کی صبح ہوئی، بندرگاہ کے افسروں اور ڈاکٹر وغیرہ کی آمد و رفت جہاز پر شروع ہوئی، دن نکلا، اور کچھ دیر کے بعد جہاز نے آہستہ آہستہ گودی کی طرف کھسکنا شروع کیا، نیچے کے درجوں کے مسافر بیچارے اپنی گٹھڑی مٹری سنبھالے، اپنے کندھوں اور سروں پر بوجھ لادے، اوپر کے حصہ پر آگئے اور فرسٹ کلاس والے سب سے اوپر کے عرشہ پر آکھڑے ہوئے سب کی نگاہیں شوق و اشتیاق کی تصویر بنی ہوئی ساحل کی طرف جمی ہوئیں۔ لیجیے وہ، اب پلیٹ فارم صاف نظر آنے لگا، اور استقبال کرنے والوں کے چہرے دکھائی دینے لگے، ہلکا ترشح ہو رہا ہے، بہت سے سروں پر چھتریاں لگی ہوئی ہیں، اس وقت کی خوشی کا کیا ٹھکانا! کوئی اپنے کسی عزیز کو ڈھونڈھ رہا ہے، کوئی اپنے کسی دوست کو اور جس کے کوئی دوست یا عزیز موجود نہیں، اس کے لیے اس

وقت وطن کے غیر اور بیگانے بھی کسی دوست یا عزیز سے کم نہیں! "بابائے خلافت" (اس موزوں و دلچسپ لقب کو خدا معلوم بعض لوگوں نے طنزیہ مفہوم میں لینا کیوں شروع کر دیا ہے) جناب شوکت صاحب ماشاء اللہ اپنے اس تن و توش کے ساتھ بھلا کسی مجمع میں، کسی کے چھپائے چھپ سکتے ہیں، اپنی رنگین چمکدار عبا اور مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ رومال ہلاتے ہوئے سب سے پہلے نظر پڑے، مولانا عرفان مولوی شفیع داؤدی (بہار والے) سیٹھ عبد اللہ ہارون (کراچی والے) مولوی سید مرتضیٰ صاحب بہادر (مدراس والے) کہنا چاہیے کہ ساری کی ساری خلافت کمیٹی پلیٹ فارم پر موجود[1] ! حج کی تحقیقاتی کمیٹی کا اجلاس بمبئی میں شروع ہو رہا ہے اس کے سارے ارکان جمع ہیں، باہم اشارے ہو رہے، صاحب سلامت مبارکباد مزاج پرسی، سارے کام ہاتھوں کی حرکت سے انجام پا رہے ہیں، اور ظالم جہاز ہے کہ ایک ایک انچ کی رفتار سے سرک رہا ہے!

آدھ گھنٹہ، پون گھنٹہ، خدا خدا کر کے انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں، کوئی نو بجے ہوں گے کہ جہاز پلیٹ فارم پر آ کر رکا، سیڑھیاں لگیں، لیکن ابھی مسافروں کو اترنے کی اجازت نہیں، جہازی کمپنی کے اعلیٰ افسران اور حج کمیٹی کے ممبروں نے جہاز پر قدم رکھا۔ ٹرنر مارین کے ایجنٹ بمبئی مسٹر براؤن سے ملاقات ہوئی اور حالات سفر پر منٹ دو منٹ گفتگو ——، شوکت صاحب مولوی عرفان مولوی شفیع داؤدی

---

[1] یہ سب نام اس وقت کے اکابر مجلس خلافت کے ہیں۔

سب اس وقت عزیزوں سے بڑھ کر عزیز معلوم ہو رہے ہیں، جہاز سے اترنے کا مرحلہ بھی جہاز پر چڑھنے کے مرحلہ سے کم نہیں ہوتا، بھیڑ بھاڑ دھکم دھکا چپقلش کے سارے لوازم موجود، مولانا شوکت علی کی مہربانی سے ساتھ کی بیویاں فوراً اتر گئیں اور اسی وقت موٹر پر "دارالخلافہ" کی طرف روانہ بھی ہو گئیں، کچھ دیر کے بعد ہم لوگ بھی اُترے، جہاز کے رکتے ہی قلیوں کی ایک پوری جماعت اوپر آجاتی ہے، یہ لوگ خوب سدھے ہوئے اور ہوشیار ہوتے ہیں اور بڑی بات یہ کہ ایمان دار اور دیانت دار بھی ہوتے ہیں، مزدوری طے کر کے جو چیز چاہیے ان کے سپرد کر دیجیے۔ اترنے کے ساتھ ہی بمبئی کے مشہور خادم حجاج حاجی بچو علی صاحب کی طرف سے ہر حاجی کی خدمت میں ایک ایک کلچہ نان اور دو دو کیلے پیش ہوتے ہیں، ٹھنڈے پانی ہی کی طرح ٹھنڈے پھلوں کو بھی ترسے ہوئے تھے اس وقت کیلوں کا یہ تحفہ بڑی ہی نعمت معلوم ہوا اور ایسے محسن کے حق میں دل سے دعا نکلی اور ندیدوں کی طرح اُسی وقت سب کے سامنے کیلے کھانے شروع کر دیئے جہاز سے اُترنے کے بعد ایک بڑا مرحلہ "چنگی خانہ" (کسٹم) کا ہوتا ہے۔ گھنٹوں لگ جاتے ہیں، ایک ایک چیز کھول کر دکھانی پڑتی ہے، میں خود تو حسب معمول بغیر کسی دقت میں پڑے ہوئے، موٹر پر اپنے معزز میزبانوں کے ساتھ روانہ ہو گیا اور سامان کا لانا، اپنے رفیق و عزیز شیخ مشیر الزماں صاحب کے جو بہترین رفیق سفر ثابت ہوئے نیز اپنے ہاں خانہ زاد اور پشتینی رفیق و کارگزار ملازم، حاجی محب علی کے جن کی ذات سے سفر کی تقریباً ہر مشکل آسان ہوتی رہی سپرد کر آیا، چنانچہ کچھ دیر

کے بعد سامان بخریت پہونچ گیا۔

دارالخلافہ پہونچتے پہونچتے ۱۱ بج چکے تھے، مدت کے بعد آج اطمینان و فراغت سے اپنی مرضی کے موافق غسل کیا، اور جب کھانا سامنے آیا تو بھکوں کی طرح گویا اُس پر ٹوٹ پڑا۔ وطن کی قدر سفر کے بعد ہی ہوتی ہے، ہر ہر شے میں اس وقت ایک خاص لذت محسوس ہو رہی ہے، خاص خاص دوستوں اور عزیزوں کے نام تار روانہ کر دیئے۔ بمبئی میں ڈیڑھ دن، باوجود شدید بارش کے مصروفیت ہی میں گزرا، سیٹھ عمر بھائی چاند بھائی سے مل کر بقیہ امانت ان سے واپس لینا گینوں کو روپیہ میں تبدیل کرانا، عزیزوں اور دوستوں کے لیے تحفہ تحائف خرید کرنا سارا وقت اسی دوڑ دھوپ میں بسر ہو گیا، اخبارات کو مدت سے ترسا ہوا تھا دنیا کے انقلابات، ہندوستان کے واقعات کی کچھ خبر نہ تھی، دفتر خلافت میں جلدی جلدی اخبارات کی فائلوں پر ایک نظر کر گیا، ۷ر جون کو شب کے وقت اپنے مختصر ذاتی قافلہ کے ساتھ پشاور اکسپریس سے لکھنؤ کے لیے روانگی ہوئی۔ بڑے قافلہ کے دوسرے اشخاص اپنی اپنی منزلوں کے لیے متفرق ہو گئے چودھری محمد علی ردولوی کا ساتھ لکھنؤ تک رہا، بھوپال اسٹیشن پر حسن محمد حیات صاحب پبلیٹی آفیسر، اور سید مرتضیٰ علی صاحب سندیلوی جج ہائیکورٹ (جنھیں آج مرحوم لکھتے ہوئے قلم کا کلیجہ شق ہوتا ہے) سید الطاف احمد صاحب شاہجہاں پوری مع دوسرے احباب کے موجود تھے۔ ۹ر جون کی صبح ۲ بجے لکھنؤ اسٹیشن پہونچا۔ اور احباب و مخلصین

کی ایک پوری جماعت کو موجود پایا۔ گھر پہونچ کر والدہ ماجدہ کی قدمبوسی کی۔ بچوں کے سر پر ہاتھ پھیرا، عزیزوں کی خوشی کا کیا پوچھنا۔ لیکن ماں کی مسرت کا رنگ ہی سب سے الگ ہے! ہر لفظ اور ہر عبارت اس کیفیت کے اظہار سے قاصر ہے۔ قریب ایک ہفتہ کے لکھنؤ میں قیام رہا۔ اور سب سے ملنا جلنا ہوتا رہا۔

۱۰ مارچ کو دریاباد سے روانہ ہوا تھا اور ۱۶ جون کو پورے تین مہینے تین دن کے بعد پھر وہیں واپس پہونچا۔ پہلے حج کا سفر برسوں کا کام تھا، چھ چھ مہینے تو ابھی چند سال قبل تک لگ جاتے تھے۔ اب بحمد اللہ تین مہینے کے اندر بہ اطمینان و فراغت تمام یہ سارا سفر ممکن ہو گیا ہے۔ بلکہ اگر جہازوں کا انتظار آمد و رفت میں نہ کرنا پڑے اور مدینہ منورہ میں مختصر قیام پر اکتفا کیا جائے تو چھ سات ہفتے بھی کافی ہو سکتے ہیں[1]۔

اللھم لک حججت و بک آمنت و علیک توکلت و لک اسلمت و ایاک اردت فتقبل نسکی واغفر لی ذنوبی و کفر عنی سیاٰتی واستعملنی فی طاعتک ابدًا ما ابقیتنی	اے اللہ! میں نے حج تیرے لئے کیا، اور تجھ ہی پر ایمان لایا ہوں اور تجھ ہی پر میرا بھروسہ ہے اور تیرے ہی اوپر اسلام لایا ہوں اور تو ہی مجھے مقصود رہا ہے۔ تو تو میرے مناسک حج قبول کر

---

[1] یہ اندازے ۲۹ء میں بحری جہاز کے مسافروں کے لئے لکھے گئے تھے ۱۹۴۹ء میں ہوائی جہاز سے سفر کرنے والوں کے لئے ڈھائی تین ہفتوں کی مدت بھی اچھی طرح کافی ہو سکتی ہے۔

واعذني من النار اللهم اني
استودعك ديني وامانتي
وخواتيم عملي فاحفظها عليّ وعلى كل
مومن ومومنة انك سميع الدعا
اللهم لاتجعل هذا آخر العهد من
بيتك وارزقني العود اليه
واحسن ديني حتى تبلغني اجلي
واكفني مئونتي ومؤنة عيالي وجميع
خلقك، آئبون تائبون عابدون
ساجدون لربنا حامدون
صدق الله وعده ونصر عبده
وهزم الاحزاب وحده
لا اله الا الله وحده لا
شريك له۔

اور میرے گناہ بخش دے اور میری سیئات کا کفارہ
کردے۔ اور جب تک تو مجھے قائم رکھے ہوئے ہے
مجھے برابر اپنی اطاعت میں لگائے رکھ اور مجھے آتش
دوزخ سے بچائے رکھ۔ اے اللہ! میں اپنا دین
اور اپنے فرائض اور اپنے اعمال کے خاتمے سب
تجھی کو سونپتا ہوں تو ہی ان کی حفاظت کر میرے
حق میں بھی اور ہر مومن و مومنہ کے حق میں بھی
تو ہی دعاؤں کا سننے والا ہے۔ اے اللہ یہ نہ ہو
کہ یہ میرا آخری پھیرا تیرے گھر کا ہو۔ تو مجھے پھر
حاضری کی توفیق دے اور میرے دین کو اچھا
بنا دے یہاں تک کہ میری موت مجھ کو پہنچا دے
اور میری، بال بچوں اور تمام مخلوق کی مشقت و
تکلیف کا تو کافی ہو جا۔ ہم سفر سے آنے والے ہیں
توبہ کرنے والے ہیں، عبادت کرنے والے ہیں۔ اپنے
پروردگار کی حمد کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ
کو سچ کر دکھایا اور اپنے بندہ کی مدد فرمائی اور تنہا تمام
جماعتوں کو شکست دی۔ نہیں ہے کوئی معبود اللہ کے سوا جو
تنہا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔

تمت

ادارۂ انشائے ماجدی کلکتہ کی پیش کش

خطبات ماجد یا ہدیۂ زوجین :- ادیب شہیر، صاحب طرز انشا پرداز حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی کے ان چار دلنشیں، پر اثر خطبات کا مجموعہ، جو اپنی حقیقی بھتیجی اور تین صاحبزادیوں کی تقریب عقد کے لیے لکھے اور اس موقعہ پر خود پڑھ کر سنائے۔ یہ تحفہ دولہا دولہن کے لیے ہی نہیں زندگی کے ہر دور میں، عمر کے ہر حصہ میں ازدواجی زندگی کے لیے ایک بہترین ناصح اور ہدایت نامہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ کاغذ، کتابت وطباعت اعلیٰ معیاری۔ قیمت صرف دس روپئے۔

معاصرین حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی کے ہم عصر مشاہیر اہل علم وادب اصحابِ فکر وفن۔ ارباب سیاست ومذہب میں اسّی بلند شخصیتوں کے دلچسپ، دل پذیر حالاتِ زندگی، مختصر لیکن ہر ادبی، علمی، ذاتی اور افادی پہلو نمایاں، اُردو اکادمی مغربی بنگال کی طرف سے اولین انعام یافتہ اور یو، پی اردو اکاڈیمی کی طرف سے اپنے حسن طباعت کے لئے انعام یافتہ۔ دیدہ زیب سر ورق، بہترین کاغذ، اعلیٰ کتابت، طباعت آفسٹ۔ قیمت صرف بیس روپئے۔

ملنے کے پتے

حکیم عبدالقوی دفتر صدقِ جدید کچہری روڈ لکھنؤ

عثمانیہ بک ڈپو ۱۰۴/۱ لور چیت پور روڈ کلکتہ ۱

ادارۂ انشائے ماجدی کلکتہ کی پیش کش

گیارہ سفر۔ سیاحتِ ماجدی

پاکستان وہندوستان کے مختلف مقامات پر حضرت مولانا کے سفر کے دلچسپ حالات، مولانا کی زبان اور ان کے اندازِ بیان کی سحر انگیزی کا معجزہ دورانِ سیاحت جو کچھ وہ دیکھتے ہیں، قاری کو بھی اپنی آنکھوں سے دکھاتے چلے جاتے ہیں، جو کچھ وہ محسوس کرتے ہیں قاری کو بھی محسوس کراتے جاتے ہیں۔ جن مشاہیر سے خود ملتے ہیں قاری کو بھی ملاتے جاتے ہیں۔ گویا سیاحتِ ماجدی کے ساتھ سیاحتِ قاری بھی ہو جاتی ہے۔ سرورق پُرکشش دیدہ زیب، طباعت آفسٹ ضخامت ۲۰۹ صفحات۔ قیمت صرف تیس ۳۰ روپئے۔

ملنے کے پتے

حکیم عبد القوی دفتر صدق جدید کچہری روڈ لکھنؤ

عثمانیہ بک ڈپو ۱۰۲ رابندر سرانی کلکتہ ۱۲

اِدارۂ انشائے ماجدی کلکتہ کی پیش کش

حضرت مولانا عبدالماجدؒ دریابادی کے قلم گہربار اور خزینۂ علم و ادب سے نکلے ہوئے دو اور آبدار نگیں۔

سفرِ حجاز تشنگانِ دیدار مدینہ کے لیے ایک نایاب و بیش بہا تحفہ۔ یہ مولانا کے سحر نگار قلم اور معجزہ نما طرز تحریر کا اثر ہے کہ قاری خود کو مولانا کا ہم سفر اور راہ حجاز کا راہ رو محسوس کرتا ہے۔

نہایت اہتمام کے ساتھ اعلیٰ ترین کاغذ، کتابت و طباعت سے مزین محبّان و عاشقانِ رسول کے لیے تحفۂ خصوصی ہے۔ قیمت چالیس روپے

مُردوں کی مسیحائی، ذکرِ رسولؐ (زیرِ طبع) سیرت پاک سے متعلق پاکیزہ ایمان افروز، روح پرور مضامین کا گلدستہ جس کی وجد آفریں خوشبو سے دل و دماغ جسم و روح معطر و منوّر ہو جاتے ہیں، نہ صرف عرب کے زمانۂ جاہلیت بلکہ ایک عالم کی مسیحائی جس رسول پاکؐ نے کی آج بھی مادیت پرست، تاریک اور خونیں دور کے کرب و بلا کی مسیحائی اسی سے ہو سکتی ہے۔ یہ مجموعہ بھی اپنے تمام حُسنِ ظاہر و باطن کے ساتھ طبع ہو کر عنقریب جلوہ گر ہونے والا ہے۔